موت کے مسافر

اسلم راہی

ایم اے

جن تاریخی کتب سے افادہ کیا گیا

۱۔ تاریخ ابن خلدون

۲۔ تاتاریوں کی یلغار (ہیرلڈ لیم)

۳۔ تاریخ بخارا (آرمینیس ویمبرے)

۴۔ تاریخ اسلام (شاہ معین الدین)

۵۔ سلاطینِ اسلام (لین پول)

۶۔ تاریخ اسلام (مولانا اکبر نجیب آبادی)

۷۔ محاربات صلیبی (رپلجس ٹریکٹ سوسائٹی ۱۷۹۹ء)

۸۔ تاریخ العراق (عربی) عباس العزاری)

۹۔ تاریخ الممالیک البحریۃ (عربی) الدکتور علی ابراہیم حسن

۱۰۔ کروسیڈ (انگلش)

۱۱۔ تاریخ الخلفا۔ ابوبکر سیوطی

تعارف

اسلامی تاریخ میں ساتویں صدی ہجری یا تیرھویں صدی عیسوی کا نصف اوّل ایک پرآشوب دور تھا۔ جو سقوطِ بغداد پر منتج ہوا۔ اس مختصر سے عرصے میں ایک طرف ارضِ فلسطین کی بازیابی کے لیے یورپ کی تمام قومیں مجتمع ہو کر عساکرِ اسلام سے نبرد آزما ہو رہی تھیں۔ تو دوسری طرف تاتاریوں نے منگولیا سے نکل کر اسلامی سلطنتوں پر یکے بعد دیگرے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیئے۔ جو سلسلہ چنگیز خاں سے شروع ہوا تھا وہ ہلاکو خاں کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ مگر عباسی خلافت کے خاتمے میں ہلاکو کا اتنا زیادہ دخل نہ ہوا جتنا کہ متعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی کی غداری کا۔ بغداد میں شیعہ سنی فسادات اور تعصبات نے ملّت اسلامیہ کو دو لخت کر دیا تھا اور جب ملک اندرونی طور پر انتشار کا شکار ہو تو بیرونی قوتوں کو مداخلت کرنے اور اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے سنہری مواقع مل جاتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے تمام المناک واقعات چاہے وہ اسپین سے مسلمانوں کے اخراج سے متعلق ہوں، بغداد کی تباہی کے بارے میں ہوں۔ یا ہمارے اپنے عہد میں سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں رونما ہوں۔ دراصل میر جعفر اور میر صادق جیسے ارباب اختیار اور غدارانِ ملت کی شرمناک سازشوں کے آئینہ دار ہیں۔

قومے فرو ختند و چہ ارزاں فروختند

لیکن ان حالات میں جب قوم فروش مقتدر حضرات اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے بہت سے ایسے مجاہد بھی تھے جو تمام ذاتی اغراض سے بالا ہو کر صرف دین کی خاطر ملک و ملّت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کر رہے تھے۔ تاریخ میں ایسے عام جانبازوں کا نام مشکل سے ہی ملے گا۔ کیونکہ مورخین کی نگاہ کا مرکز عموماً صاحبِ ثروت اور مسندِ حکومت پر متمکن شخصیات ہی ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں مورخ کا قلم جزئیات نگاری کی طرف مائل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ بحر تاریخ کے مطالعے سے وہ گہری بصیرت اور شعور بمشکل ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جو کوئی ادب پارہ باآسانی دے سکتا ہے۔ علم تاریخ و ادب کے تاثرات قارئین پر مختلف ہوتے ہیں تاریخ عمومی تذکروں

ا رصداقت کے اصولوں پر مرتب کی جاتی ہے لیکن ادب میں تخیل کی حکمرانی ہے۔ اور ب تخلیقی تخیل کسی ادب پارے کی اساس ٹھہرے تو یہ صداقت کے ارفع ترین معیار کو چھُو لیتا ہے۔ چنانچہ ادیب اور مؤرخ علیحدہ علیحدہ راستوں پر گامزن رہتے ہیں۔ تاریخ دان جسے اپنے عہد کا ہیرو سمجھتا ہے۔ بسا اوقات ادیب اسے اہمیت نہیں دیتا جبکہ غیر تاریخی افراد جو ادیب کے تخلیقی تخیل میں اہم کردار کا روپ دھار [illegible] کر دیتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی معاملہ زیرِ نظر ناول کے ہیرو عمیر بن خزام کا ہے جو یک وقت شاہ فرانس لوئی نہم کے لشکروں کا بھی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی بغداد کی خلافت کے تحفظ کے لیے اپنی سر ممکن کوشش بھی کر رہا ہے۔ وہ دنیائے اسلام کی تمام سلطنتوں کے درمیان رابطہ بھی ہے اور سازشیوں اور غداروں کے لیے ایک مستقل خطرہ۔ وہ لسانی اور علاقائی مجلتوں سے بالاتر ہو کر صرف غلبہ اسلام کا خواہشمند ہے۔ اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے دریائے یرون کے کنارے مسکن میں موت کے مسافر اس کے ہر حکم کی بجا آوری کو اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ اسلم راہی صاحب نے اسے ایک مردِ مجاہد کے روپ میں پیش کیا ہے۔ لیکن وہ ایک عام آدمی بھی ہے جو متاہلانہ زندگی کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کر رہا ہے۔ جو دوستوں کا دوست ہے اور عام آدمیوں کی طرح اس میں شاید کچھ کمزوریاں بھی ہوں۔ لیکن بایں ہمہ وہ ایک پسندیدہ اور قابلِ تقلید ہستی ہے۔ اس کے جذبے کا خلوص اور مجاہدانہ عمل وہ خصوصیات ہیں جو ہر نوجوان کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہیں۔

اسلامی تاریخی ناولوں کی قیام پاکستان کے وقت خاصی گرم بازاری تھی۔ ادب میں ان کے فروغ سے ایک ایسی نوجوان نسل تیار ہوئی جس نے علامہ اقبال کے فکر کو اپنا مسلک بنایا اور اس فکر کی تصویر کو تاریخی حوالے سے ملّت کے مجاہدین میں جلوہ گر دیکھا۔ بعد ازاں تاریخی ناولوں کی طلب و رسد میں کچھ عرصہ کمی رہی لیکن پھر قارئین اپنے ماضی کے سرچشموں کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ اسلم راہی صاحب کی زیرِ نظر کتاب جو جزوی طور پر ایک مقبول عام ڈائجسٹ میں بھی چھپتی رہی اب مکمل طور پر مکتبہ القریش کے توسط سے منظرِ عام پر آ رہی ہے۔ اس کے حسن و قبح پر کوئی رائے دینا دراصل قارئین کا حق ہے۔ مگر

مجھے امید واثق ہے کہ اسلامی تاریخی ناولوں کے سلسلے میں ایک اہم قدم اٹھایا گیا ہے اور باذوق اصحاب اسے ہیت اور معنوی لحاظ سے نہ صرف اسلم راہی صاحب کی سابقہ کتب کے مقابلے میں بہتر سمجھیں گے بلکہ اسے عام لٹریچر سے بھی جو تاریخی ناولوں کے نام سے چھپ رہا ہے بدرجہا ارفع، فنی لحاظ سے زیادہ مکمل اور تاریخی طور پر حقیقت سے قریب ترین پائیں گے۔

رؤف انجم
پروفیسر ادبیات انگریزی
گورنمنٹ کالج لاہور

۱۲۳۴ء خزاں کا مہینہ تھا۔ دشت کی گھاس بھوری ہو چکی تھی۔ شمالی کی سرد اور کالی آندھیوں کے جھکڑ زمین کی شکست و ریخت شروع کر چکے تھے۔ نیشاپور سے موصل کی طرف جانے والی شاہراہ سنسان اور اداس پڑی تھی۔ دفعتہً شاہراہ پر گرد کے بادل نمودار ہوئے اور بگولوں کی شکل اختیار کرتے ہوئے آسمان کی طرف اُٹھنے لگے۔ پھر تنگ اور تاریک پہاڑوں کے ایک درے سے پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر نمودار ہوا اور بلند پہاڑوں کی سطح مرتفع پر جنوب مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ پوری وادی گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اُٹھی تھی۔

لشکر بڑی خاموشی سے سفر کر رہا تھا۔ کسی کے باتیں کرنے کی آواز تک سنائی نہ دے رہی تھی۔ شاہراہ کے دونوں جانب خاکستری رنگ کے املی کے آسیب نما درخت اور خار دار جھاڑیوں سے ٹکراتی ہوئی آندھیوں کے نوحے سنے جا سکتے تھے۔ تیز کوہستانی آندھیوں میں بنفشے اور جنگلی کشنیز کی خوشبو حلول کر گئی تھی۔

لشکر کے آگے آگے اس کا سالار تھا۔ اس کا نام طواس تھا اور وہ ایک مراکشی مسلمان تھا۔ اس کی داڑھی کے بال زیادہ تر سفید تھے جس سے اس کی ڈھلتی ہوئی عمر کا پتہ چلتا تھا اس کے باوجود جسمانی لحاظ سے وہ ایک بے مثل، نبرد آزما اور فراخ دل

شاہسوار لگتا تھا۔

اس کے پیچھے لشکر کا نائب سالار تھا۔ جو کھلی آستینوں والا ایک عرب تھا۔ اور جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اس کی عمر اٹھارہ سال سے کسی طور زیادہ نہ تھی۔ اس کی مسیں تک ابھی بھیگی نہ تھیں۔ اس کے باوجود وہ جنگل کے درختوں کی طرح تنا ور اور مضبوط تھا۔ اس کا جسم خوب گٹھا اور بھرا ہوا تھا اور اس کی شعلہ ریز آنکھیں جو بے حد و کنار تھیں اپنے اندر مقصد اور ذہانت کی گہرائی رکھتی تھیں۔ اس کی نگاہوں کا تجسس اس شیر کی مانند تھا جسے جنگل میں گہری نیند سے زبردستی جگا دیا گیا ہو۔ وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو موت کے بھیانک اور کریہہ چہرے کے سامنے بھی قہقہے لگانے کی جرأت رکھتا تھا۔ اس کا نام ——— ؟ اس کا نام عمیر بن خزام تھا۔

اس کے پیچھے دو جرنیل تھے ان میں سے ایک دیو قامت بربری جوان ابوالوداس تھا۔ اس کا رنگ آبنوسی تھا اور آنکھوں میں وحشیانہ کشمکش تھی۔ وہ سورج کی طرح روشن اور سمندر کی گہرائی کی طرح مضبوط تھا۔ دوسرا جرنیل جو ابوالوداس کے بائیں طرف تھا۔ ایک ترک تھا جس کا نام ہوازن تھا اس کے جسم میں عقابوں کی سی پھرتی تھی اس کی آنکھیں بھوری تھیں جن میں نیلے بھیڑیوں کی سی درندگی تھی۔ یہ دونوں جرنیل اپنے نائب سالار عمیر بن خزام سے عمر میں چند برس بڑے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب چنگیز خان عرب ایرانی تمدن کی سرحد کا اسی فی صد حصہ تہ تیغ کر کے اپنے مسکن قراقروم واپس جا کر مر چکا تھا اور تاتاریوں نے دو برس تک بغیر کسی خاقان کے بسر کرنے کے بعد چنگیز خان کے منجھلے بیٹے اوغدائی خاں کو اپنا نیا خاقان چن لیا تھا۔ مسلمانوں کے فتح کیے ہوئے علاقوں پر اب ایک بھیڑیا صفت تاتاری جرنیل چارمغاں مسلط تھا۔ جو مسلم آبادیوں میں اپنی افواج کے ساتھ جگہ جگہ درندوں کی طرح دندناتا پھرتا۔ جس کے نتیجے میں خوارزم، سمرقند، نیشاپور، بلخ، بخارا اور دیگر بے شمار شہروں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں سے مسلمانوں کے لٹے ہوئے تباہ حال قافلے موصل، دمشق اور یروشلم کے راستے مصر کا رُخ کر رہے تھے۔

طواس، عمیر، ابوالوداس، ہوازن اور ان کے ساتھی بھی وہ لوگ تھے جو تاتاریوں کے

ہاتھوں تباہ و بے گھر ہوتے۔ انہوں نے دریائے یرون کے کنارے ایک دشوار گزار پہاڑی سلسلے کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اور یہیں سے نکل کر وہ ان تاتاریوں پر حملہ آور ہوتے تھے جو مسلمان قافلوں کو لوٹ کر ان کا قتلِ عام کرتے تھے۔ سب نے متفقہ طور پر عمیر کے باپ خوارم کو اپنا سالار اعلیٰ چن لیا تھا اس کی وفات پر چونکہ اس کا بیٹا عمیر کم عمر اور نابالغ تھا اس لیے طواس کو سالار چن کر عمیر کو اس کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔ جہاد کا یہ سارا کام مجلس شوریٰ کے ذریعے ہوتا تھا اور ——— اور اب عمیر جوان ہو چکا تھا اور اپنے اندر طوفانوں کی طاقت اور رعد کی دہشت رکھتا تھا۔

لشکر آہستہ آہستہ اب مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان کی رفتار سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سب تھکے ہوئے ہیں اور ایک خون ریز جنگ سے لوٹ رہے ہیں کیونکہ ان سب کے کپڑے خون آلود تھے۔ طواس کی پیشانی پر زخم تھا، عمیر کے ہاتھ جو ریچھ کے پنجوں کی طرح سخت تھے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔

لشکر عرب، بربر اور ترکوں پر مشتمل تھا۔ عرب اور ترک زیادہ تر تاتاریوں کے ستائے ہوئے تھے اور بربروں کو ابو نواس تبلیغ کے ذریعے افریقہ سے لایا تھا۔ لشکر کے پیچھے ان گنت خچروں سامان سے لدی ہوئی تھیں۔ شاید یہ انہوں نے اپنے دشمن تاتاریوں سے چھینا تھا۔

پانچ میل کا فاصلہ اسی سطح مرتفع پر چلنے کے بعد لشکر ایک تدریجی نشیب میں اترنے لگا۔ اب ان کے ساتھ پہاڑوں سے گرا ہوا ایک وسیع میدان تھا۔ تھوڑی دور اور آگے جا کر جب لشکر ایک ندی عبور کر رہا تھا جس کے اندر بمشکل دو فٹ پانی بہہ رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ ندی کے اس پار سیاہ رنگ کی ایک توانا خچر کے پاس ایک بوڑھی اور ناتواں عورت کھڑی تھی۔

وہ بوڑھی عورت چند قدم ندی کی طرف بڑھی۔ اپنی وہ چادر جو اس نے اپنے جسم اور سر پر اوڑھ رکھی تھی۔ اس نے اپنے سر سے کھینچی اسے اپنے دونوں ہاتھوں پھیلایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے وہ لشکر کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

جونہی طواس، عمیر، ابو نواس اور ہوازن کے گھوڑے پانی سے نکل کر کنارے پر آئے طواس نے عجیب انداز سے عمیر کی طرف دیکھا۔ عمیر نے اپنی تلوار کا مزین دستہ پکڑ کر اسے نیام سے کھینچا اور اپنی چمکدار تلوار بلند کر کے اس نے ہوا میں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی ایک عرب جس کے گھوڑے سے نوبت بندھی ہوئی تھی حرکت میں آیا اور تین بار اس نوبت پر چوٹ لگائی، جس کے ردعمل میں لشکر میں کئی نقارے بج اٹھے اور لشکر ندی کے اندر ہی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ طواس نے بڑی نرمی سے اس بوڑھی عورت کو مخاطب کیا

خاتون تم کون ہو؟ اور ہمارا راستہ کیوں روکا ہے؟

بڑھیا کی کانپتی ہوئی نحیف آواز سنائی دی۔

کیا میں سمجھوں میرے سامنے شاہینوں کی وادی کا وہ لشکر کھڑا ہے جنہیں لوگ موت کے مسافر کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے بھولے بھٹکے قافلوں کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں۔

طواس اور زیادہ نرم ہو کر بولا۔

تمہارا اندازہ درست ہے خاتون! ہم ہی موت کے مسافر ہیں۔

بڑھیا کی آواز رقت آمیز ہو گئی۔

تو پھر وہ خدا جو ہم سب کا خالق ہے اسے آج تمہارا امتحان مقصود ہے۔

طواس نے بڑھیا کی ہمت بندھائی۔

تم بلا جھجک کہو خاتون! ہم موت کے مسافر ہیں اور ہم نے اپنے رب کے ساتھ مذہب و ملت کی حفاظت کے لیے پختہ عہد کر رکھا ہے۔

اس بوڑھی خاتون نے رندھی اور کپکپی ہوئی آواز میں کہا۔

اے شاہینوں کی وادی کے سالارو! یہاں سے پانچ میل شمال کی طرف تاتاری بھیڑیوں نے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے کارواں کو گھیر رکھا ہے وہ انہیں لوٹ کر قتل کر رہے ہیں وہ تمہاری ملت کی ماؤں کے سروں سے ان کے دوپٹے نوچ رہے ہیں، جوان عورتوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہیں اور نوجوان کنواری لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے رسیلوں میں جکڑ رہے ہیں میں اپنے بھائی سے مل کر واپس اپنی بستی کی طرف آ رہی تھی کہ یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں اگر اکیلی ہوتی۔

بڑھیا خاموش ہوگئی اس پجاری کا سر آپ جھک گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے آ
اس طرح بہہ نکلے گویا کسی کوہ کے چاک سے سونا پھوٹ پڑا ہو۔

طواس کی حالت غصّے میں عجیب ہو رہی تھی، اس کا چہرہ گرم اور سُرخ تنو
جیسا ہوگیا تھا۔ یوں لگتا تھا وہ آگ کا کوئی طوفان ہو اور اپنے سامنے آنے والی ہ
کو جلا کر راکھ کر دے گا۔

عمیر بن خزام کی خون آلود انگلیاں غصّے میں کانپ رہی تھیں۔ وہ اس پہ
کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس کے اندر آتشی مواد کروٹیں لے رہا ہو اس کے
چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے وہ آگ سے کھیلنے اور خون میں نہانے کا فیصلہ کر چ
ہے اس کی حالت ان سلگتی ہوئی لکڑیوں جیسی تھی جن کے اندر اچانک شعلہ پھینک
گیا ہو۔

الونو اس غصّے میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ گھوڑے کو اچانک ہمیز لگا
کے لیے وہ بار بار رکاب کے اندر اپنے پاؤں کو حرکت دے رہا تھا۔ وہ بڑی بے چی
سے گھوڑے پر پہلو بدل رہا تھا جیسے سخت اذیت میں مبتلا ہو۔ ہوازن کی حالت
زیادہ قابلِ دید تھی۔ وہ اپنے گھوڑے کی باگیں بڑی سختی کے ساتھ اپنے ہاتھ کے گ
لپیٹ اور کھول رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں ایک طوفان تھا اور وہ غصّے
پھٹی جا رہی تھیں۔

طواس کی کپکپاتی ہوئی آواز پھر سنائی دی۔

خاتون! تم کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر رُک گئی ہو۔ اپنے دل کا سارا غبار اتار دو
میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ہم تاتاریوں سے ایسا انتقام لیں گے جسے دیکھنے والوں کے رو
کھڑے ہو جائیں۔

اس ناتواں اور بوڑھی خاتون نے اپنا سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا اور اپنی بھیگی آنکھ
طواس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے وہ بولی۔

میں عرب ہوں اور میرا نام امینہ ہے۔ میری بستی کا نام صیدا بین ہے۔
معروف تاریخی قلعے طلم[1] کے پاس ہے۔ جس پر ان دنوں تاتاریوں کا قبضہ ہے۔ میں اپنے

سے مل کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ میرے ساتھ میری نوجوان بیٹی بھی تھی جس کا نام اریطہ ہے لیکن
شاید میری بدقسمتی میرے ساتھ تھی جب میں یہاں پہنچی جس جگہ کھڑی ہوں تو کچھ گھوڑ سوار
آئے اور مجھے زدوکوب کر کے مجھ سے میری بیٹی چھین کر لے گئے ——— طواس
نے بڑی تیزی سے پوچھا۔

تمہاری بیٹی چھیننے والے کون تھے اور وہ کس طرف گئے ہیں۔

امینہ سسکیوں میں رو پڑی۔ میں نہیں جانتی وہ کون تھے۔ تاہم ان کا رُخ
جنوب مشرق کی طرف تھا۔

کیا وہ تاتاری تھے۔

نہیں۔

اس بار عمیر اپنے ہونٹ کاٹتا ہوا بولا۔

میں جانتا ہوں وہ کون تھے۔ یقیناً وہ الموت کے فدائین ہوں گے جو تمہاری
بیٹی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ عمیر گھوڑے سے اترا اور بوڑھی امینہ کی خچر کے آس پاس گھوڑے
کے سموں کے نشانات جھک کر بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ اچانک وہ سیدھا کھڑا ہوا
اور امینہ سے کہا۔

کیا وہ تعداد میں چھ تھے۔

امینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کیا ان میں سے ایک کا گھوڑا پچھلی بائیں ٹانگ پر لنگڑا کر چلتا تھا۔

امینہ نے حیرت کا اظہار کیا۔ ہاں ان میں سے ایک کا گھوڑا ضرور لنگڑا کر چلتا
تھا۔ مگر تمہیں ان سب باتوں کا کیسے علم ہو گیا۔

خاتون! یہاں چھ گھوڑوں کے سموں کے مختلف نشانات ہیں جن میں سے ایک
گھوڑے کا پچھلا سم پوری طرح زمین پر نہیں لگتا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لنگڑا ہے

---

[1] طلم تبریز کے نواح میں ایک مشہور قلعہ تھا۔ سلطان جلال الدین کی وہ بیوی جو سلطان طغرل
کی بیٹی تھی۔ اس قلعہ میں رہتی تھی۔ یہ قلعہ جلال الدین نے سلماس، خوری اور آرمینیہ شہر کے ساتھ
اس شہزادی کو جاگیر کے طور پر دے رکھا تھا۔ (ابن خلدون)

خاتون! میں صرف سپاہی نہیں کھوجی بھی ہوں اور یہ کام میرے باپ نے مجھے پانچ برس کی سخت محنت کے بعد سکھایا تھا۔ ٹھہرو خاتون! میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ تمہاری بیٹی کو اغوا کرنے والوں نے ابھی تک کتنا فاصلہ طے کیا ہوگا۔

عمیر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور لمبے لمبے سانس لے کر گھوڑوں کے سم سونگھنے لگا۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور امینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خدا کی قسم! ان کے گھوڑوں کے سموں سے ابھی تک تازہ بو آ رہی ہے انہوں نے ابھی تک تین میل سے زیادہ فاصلہ طے نہ کیا ہوگا۔ عمیر اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا اور ایک ہی جست میں اس پر سوار ہوتا ہوا وہ طواس سے مخاطب ہوا۔

یا امیر! آپ لشکر کا یہاں پڑاؤ کر کے جاسوسوں کو بھیج کر دشمن کی نقل و حرکت اور ان کے محل وقوع کا پتہ لگائیں اتنی دیر تک میں اس خاتون کی بیٹی اسے لا کر دیتا ہوں پھر ہم تاتاریوں پر حملہ آور ہوں گے۔

طواس نے جب اثبات میں سر ہلا دیا تو عمیر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے بیابانوں کے وحشیوں کی سی آواز نکالی۔

---

[1] قلعہ الموت میں حسن بن صباح نے ایک جنت بنائی تھی جس میں وہ خوبصورت لڑکیوں کو حوریں بنانے کو جمع کرتا تھا۔ حسن بن صباح کا پورا نام حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری تھا۔ ایرانی تھا لیکن عرب کہلاتا تھا۔ مصر سے بھاگ کر شہر قزوین کے نزدیک قلعہ الموت کے پاس آیا۔ سادہ زندگی بسر کرتا رہا۔ صرف ایک کمبل اوڑھتا تھا۔ آہستہ آہستہ اپنے پیروکار بناتا رہا۔ طاقت پکڑ کر قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا ——— اپنے پیروکاروں کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ رفیق، لاحق اور فدائی۔ رفیق اور لاحق مذہبی داعیوں کے محافظ مددگار ہوتے تھے اور فدائی کے ہاتھوں اپنے دشمنوں کو قتل کراتا تھا۔ عجیب اتفاق ہے الموت لفظ کا مجموعہ حساب جمل سے ۴۸۳ بنتا ہے جس سے حسن بن صباح کی اس قلعہ کو فتح کرنے کی تاریخ نکلتی ہے۔ ان کے کئی نام ہیں مثلاً زراریہ، باطنی۔ فدائی۔ حشاشین۔ اسمٰعیل یا خوا

ہیا!

اس کا گھوڑا شہاب ثاقب کی سی تیزی سے بھاگ اٹھا تھا۔ طواس نے ابونواس اور ہوازن کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگائیں اور عمیر کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

طواس نے فوراً تاتاری لشکر کا اندازہ لگانے کے لیے جاسوس روانہ کر دیئے اور لشکر کو پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک محفوظ جگہ پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔

عمیر کا سفید گھوڑا اپنی سانسوں سے سیاؤں سیاؤں کی آوازیں نکالتا ہوا بڑی تیزی سے فاصلوں کو سمیٹ رہا تھا اس کی سانسوں کے سنگیت سے یوں لگتا تھا جیسے ہانپنے کے بجائے انا السبوق (میں بجلی ہوں) کی آوازیں نکال رہا ہو۔ تین میل سے کچھ زائد فاصلہ طے کرنے کے بعد عمیر نے اپنا گھوڑا روکا اور نیچے اتر کر وہ گھوڑوں کے سم سونگھنے لگا۔ ابونواس اور ہوازن بھی اس کے قریب آ کر رک گئے۔ عمیر کھڑا ہوا اور ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

تیار ہو جاؤ وہ بالکل ہمارے آگے آگے جا رہے ہیں۔

تھوڑی دور آگے جا کر انہوں نے دیکھا چھ سوار میانہ روی کے ساتھ جا رہے تھے۔ ان تینوں نے انہیں جا لیا اور ان کے گرد گھیرا سا ڈالنے لگے۔ جب وہ ان سے نزدیک ہوئے تو انہوں نے دیکھا ایک سوار اپنے آگے لڑکی کو بٹھائے ہوئے تھے اور اس کے اوپر سفید رنگ کی ایک ارنی چادر ڈال رکھی تھی جس کی وجہ سے لڑکی پوری طرح اس چادر تلے چھپ کر رہ گئی تھی۔ عمیر نے زور سے چلا کر کہا۔

ٹھہرو! تم نے اس لڑکی کو اغوا کیوں کیا ہے!

اس جوان نے جو لڑکی کو اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھا خنجر نکالا اور اسے لڑکی کے پیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔

اگر تم تینوں نے ہم سے مبارزت کی کوشش کی تو میں یہ خنجر لڑکی کے پیٹ میں گھونپ دوں گا۔ اگر تم اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو جدھر سے آئے ہو ادھر ہی لوٹ جاؤ۔

ہوازن نے پریشانی سے ابونواس کی طرف دیکھا۔ ابونواس کی آنکھیں عمیر کی طرف اٹھیں

اور عمیر نے سر کے اشارے سے واپس مڑنے کو کہا۔

تینوں واپس مڑے۔ عمیر آہستہ آہستہ ابونواس کی اوٹ میں آیا اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر چلا پر چڑھا لیا۔ پھر ابونواس سے ایک طرف ہٹ کر وہ تیز پرواز شہباز کی طرح مڑا اور تیر چلا دیا۔ تیر اس جوان کی کنپٹی میں گھس گیا جو لڑکی کو اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھا۔ گھوڑے کی باگیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور وہ نیچے گر گیا۔ لڑکی بھی گھوڑے سے گر کر ایک طرف لڑھکتی چلی گئی تھی۔ ان تینوں نے اپنی تلواریں نکالیں اور عقابوں کی طرح فدائین پر ٹوٹ پڑے اپنی بھیانک آوازوں میں تینوں نے ایک ساتھ اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں۔ اور اس طرح حملہ آور ہوتے جس طرح بھیڑیے گورخر کا شکار کرتے ہیں۔

لڑکی ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے اوپر سے چادر اتر چکی تھی اس کے منہ پر کپڑا بندھا تھا اور دونوں ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ وہ بڑے غور سے حملہ آوروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آن کی آن میں ان تینوں نے تین فدائین کو خ کر دیا اب مقابلے پر دو رہ گئے تھے۔ عمیر نے ہاتھ کے اشارے سے ابونواس اور ہوا کو رکنے کے لیے کہا اور وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے اب وہ اکیلا ان دونو کی طرف تھا۔

اس کی آنکھوں میں آگ اور خون کا پیغام تھا اور ان دونوں کی طرف وہ یوں دیکھ رہا تھا جس طرح سانپ اپنے شکار کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ ان دونوں کے درمیان آیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گھوڑے کی لگام کھینچنے کے بعد اس نے سامنے والے پر حملہ کیا۔ اسی لمحہ عمیر کے گھوڑے نے اپنی دونوں پچھلی ٹانگوں کی دولتی پوری قوت کے ساتھ دوسرے گھوڑے کو ماری اور اس کا گھوڑا اچانک ٹھوکر کھانے والے ٹٹو کی طرح زمین پر گر گیا۔

سامنے والے کی گردن کاٹنے کے بعد عمیر جب مڑا تو دوسرا زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمیر نے فوراً اپنا نیزہ سنبھالا اور گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس کی چھاتی میں پیوست کر کے اسے بھی ڈھیر کر دیا۔

عمیر لڑکی کے پاس آ کر گھوڑے سے اترا خنجر نکال کر اس کے بندھے ہوئے

ہاتھوں کی رسیاں کاٹیں اور اس کے منہ سے کپڑا ہٹانے کے بعد پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ ایک شوخ و طرار لڑکی تھی۔ عمر کے لحاظ سے وہ اس حصے میں تھی جہاں بچپن اور جوانی ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ اس کے چہرے کے نقوش، معصوم، دلکش اور حسین تھے۔ لڑکی نے بھی عمیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اسے ابدیت کی سی گہرائی کے اندر پاکیزگی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس کے ساتھ ۔اس نے اپنی پھول برساتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

کیا میں اپنے محسن اور نجات دہندہ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟

عمیر سنبھل گیا۔ تمہارے لیے اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور تمہاری ماں کے کہنے پر تمہاری مدد کو آئے ہیں۔

کیا میں یہ سمجھ لوں آپ موت کے مسافروں میں سے ایک ہیں۔؟

عمیر کی گردن اب جھک گئی تھی۔

ہاں!

لڑکی کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو چکے تھے۔ وہ تشکر کے آنسو تھے۔ جنہیں اس نے پونچھ کر مغموم لہجے میں کہا۔

میرے محسن! میں آپ کی شکر گذار ہوں۔ آپ نے ایک بیوہ کی بیٹی کی عزت بچائی ہے۔ دونوں جہانوں کا رب آپ کو اس کا صلہ دے گا۔

عمیر نے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے مقدس فرض جان کر کیا ہے۔ تم اب وقت ضائع نہ کرو۔ میرے گھوڑے پر آ کر بیٹھ جاؤ ہم فوراً واپس لوٹنا چاہتے ہیں۔ یہاں سے چند میل اور تاتاری مسلمانوں کے ایک کارواں کو لوٹ رہے ہیں۔ ہمارا لشکر ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔ ہم فوراً کارواں کی مدد کو پہنچنا چاہتے ہیں اور یہ ایک ایسا فرض ہے جو ہماری زندگیوں سے بھی زیادہ اہم ہے۔

عمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اریطہ اس کے قریب آئی۔ عمیر نے ہاتھ آگے بڑھا

کراس کا بازو پکڑا اور اسے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اتنی دیر تک ابونواس اور ہوازن سارے گھوڑوں کو پکڑ کر ایک دوسرے سے باندھ چکے تھے اور انہیں اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے وہ عمیر کے ساتھ ہو لیے۔

۵

اپنے لشکر میں آکر عمیر بوڑھی آمینہ کے پاس رکا اور اریطہ کا بازو پکڑ کر اس کے سامنے اتارتے ہوئے کہا۔

کیا یہی تمہاری بیٹی ہے؟

امینہ اُٹھ کر بھاگی۔ اریطہ! اریطہ! میری بیٹی! وہ اسے گلے لگا کر رو رہی تھی۔

عمیر گھوڑے سے اترا اور طواس سے مخاطب ہوا۔

یا امیر! کوئی جاسوس دشمن کی خبر لایا ہے۔

ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا۔ میں تم سے ایک اہم بات بھی کرنا چاہتا ہوں۔

کہیئے۔

پچھلی ساری رزم آرائیوں اور خاص کر تاتاریوں کے ساتھ کل کی جنگ میں میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تاتاری گھوڑوں کی پیٹھ پر ہم سے زیادہ دیر تک بیٹھنے کے علاوہ وہ اسے بہتر طور پر ہانک سکتے ہیں۔ ان کے تیر ہمارے تیروں سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کی کمانیں بھی مختلف ہیں اور بہ نسبت ہماری کمانوں کے وہ دور تک تیر پھینکتی ہیں۔ اس کے علاوہ دن ہو یا رات وہ کسی نامعلوم طریقے سے اپنی ساری فوج کے ساتھ ایک ربط رکھتے ہیں۔

میرا ارادہ ہے چند دن تک تم اور ابونواس دشت تاتار کی طرف قراقروم روانہ ہو جاؤ۔ تاتاریوں کا خاقان اوغدائی خان تیغ زنوں اور پہلوانوں کے مقابلے کرانے کا بے حد شوقین ہے۔ آج کل تاتاریوں کے دشت تک عرب تاجروں کے قافلے جا رہے ہیں۔ تم بھی ان تاجروں کے ساتھ روانہ ہو جانا اوغدائی خان کے سامنے مقابلوں میں حصہ لے کر تم دونوں اس کی نگاہوں میں ایک خاص مقام پیدا کر سکتے ہو۔ کیونکہ تلوار کے فن میں تمہارا اور کشتی میں ابونواس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس طرح کچھ عرصہ ان کے اندر

رہ کر تم ان کی ساری جنگی چالوں کو مطالعہ کرنا۔ جاتی دفعہ اپنے ساتھ پیغام رساں کبوتر لے جانا ان کے ذریعے مجھے اطلاعات بھیجتے رہنا اور میں ان کے مطابق اپنے سپاہیوں کو تربیت دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد تم دیکھو گے ہر میدان میں ہمارا پلہ تاتاریوں پر بھاری ہوگا۔ کیا تم میرے اس مشورے سے اتفاق کرتے ہو۔

عمیر نے اپنا سر قدرے جھکا کر کہا۔

ہاں امیر! مجھے یہ مشورہ پسند ہے اور یہاں سے واپسی پر میں ابونواس کے ساتھ تاتاریوں کے دشت کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

طواس کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سامنے ندی کے کنارے کچھ سوار اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ان کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ طواس نے عمیر سے کہا۔ ہمارے جاسوس آگئے۔ تم لشکر کو تیاری کا حکم دو۔ ایک ہزار سپاہی سامان کی حفاظت کے لیے یہیں چھوڑ دو۔

عمیر پیچھے ہٹا ایک ہزار عربوں کو پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کیا اور چار ہزار کے لشکر کو کوچ کا حکم دے کر وہ اس جگہ آیا جہاں امینہ اور اریطہ دونوں ماں بیٹی تھیں عمیر ان کے پاس گھوڑے سے اترا اور امینہ سے کہا۔

ہمارا لشکر تاتاریوں پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کر رہا ہے۔ صرف ایک ہزار سپاہی پڑاؤ کی حفاظت کے لیے یہاں رہیں گے۔ تم دونوں ماں بیٹی دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہوگی یا یہاں رکوگی۔

امینہ نے بڑی شفقت سے کہا۔

بیٹا ہم یہاں انتظار کریں گی۔ جب تمہارا لشکر جنگ سے فارغ ہو کر اپنے مسکن کی طرف جائے گا۔

تو ہم تمہارے ساتھ روانہ ہوں گی کیونکہ ہماری بستی تمہارے راستے میں پڑتی ہے۔ عمیر دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور طواس کے پاس آکھڑا ہوا۔

چند ثانیے بعد لشکر کے جاسوس ان کے پاس آکر گھوڑوں سے اترے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر طواس سے کہا۔

میرے آقا! ندی کے کنارے چار میل اوپر ندی سے ایک میل بائیں طرف

تاتاری قافلے کو لوٹنے کے بعد۔ جوان لڑکیوں اور لوٹ کے سامان کے ساتھ شمال کی طرف جا رہے ہیں۔ طواس کے اشارے پر نقاروں پر چوٹ پڑی اور لشکر بڑی تیزی کے ساتھ ندی کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھنے لگا۔

○

چار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد لشکر رُک گیا۔ طواس نے عجیب انداز میں عمیر کی طرف دیکھا شاید یہ سالار کا اپنے نائب سالار کو خاموش نگاہوں کا اشارہ تھا۔ عمیر لشکر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور اپنی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے وہ زور سے چلایا۔

الصَّاعِقَةُ !

اس کی پکار پر آن کی آن میں ایک ہزار سے زائد عرب علیحدہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور عمیر انہیں لے کر ایک تنگ پہاڑی راستے کے اندر روپوش ہو گیا۔ پورا لشکر عرب ترک اور بربریوں پر مشتمل تھا۔ عرب لشکر دو حصوں میں تقسیم تھا ایک کا نام الصَّاعِقَةُ (بجلیاں) اور دوسرے حصے کا نام السَّعْدُ (بادلوں کی گرج) تھا۔ ترکوں کے ایک حصے کا نام الذِّئْبُ (بھیڑیے) اور دوسرے کا نام اَللَّهَبُ (شعلہ) تھا۔ بربریوں کا ایک حصہ الاسد (شیر) اور دوسرا اَلْحُرُوْرُ (گرم ہوا) کہلاتا تھا۔

دو میل کی اور مسافت طے کرنے کے بعد انہیں اپنے سامنے پانچ ہزار سے زائد تاتاریوں کا ایک لشکر آہستہ آہستہ شمال کی طرف جاتا ہوا دکھائی دیا۔ تاتاریوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً ان ساری لڑکیوں کو تہ تیغ کر دیا جنہیں وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے اور پلٹ کر خوں خوار درندوں کی طرح وہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی آدھی ساعت تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ تاتاری میدان میں اس طرح جم گئے تھے گویا وہ ستون ہوں اور اپنی جگہ سے ہلنا نہ جانتے ہوں۔ دوسری طرف ترک اور بربر بھی فولاد کی طرح سخت ثابت ہو رہے تھے۔ اچانک طواس کے اشارے پر لشکر کے نقاروں پر چوٹ پڑی۔ اور لشکر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ساتھ

تکبیر کی صدائیں بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ لشکر پسپا ہونا شروع ہو گیا۔ اور تاتاری ان کا تعاقب کرنے لگے۔

ایک میل تک تاتاری تعاقب کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں اپنی پشت پر یوں تکبیر کی آوازیں سنائی دیں جیسے بادل گرج اُٹھے ہوں یا کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ عمیر کی سرکردگی میں کھلی آستینوں والے عرب صاعقہ آسمانی کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے ان کی تکبیریں پہاڑوں میں رعد کی طرح گونج رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی خون آشام تلواروں سے تاتاریوں کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ آگے آگے عمیر تھا اس کی آنکھوں میں صحرا کی وسعت اور سمندر کی گہرائی تھی۔ اس کے چہرے پر طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔ اور وہ ہمہ سوز سموم کے جھونکے کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔

طواس کے اشارے پر ترک اور بربر بھی گریز اور بچاؤ کی جنگ ترک کر کے مڑے اور قیامت کے روپ میں حملہ آور ہوتے ہوئے تاتاری صفوں میں مردانہ وار گھستے چلے گئے۔ تاتاری لشکر میں جگر دوز چیخیں بلند ہو رہی تھیں اور ان کے سپاہی عرب کے خونخوار صحرائی نشینوں، بجلی کی طرح حملہ آور ہونے والے ترکوں اور شیر کی طرح پچھاڑنے والے بربروں کی خوں آشام تلواروں کا ایندھن بن رہے تھے۔

آگ اور خون کا یہ کھیل زیادہ دیر تک جاری نہ رہا۔ تاتاری اپنے پیچھے بے شمار لاشیں چھوڑ کر ندی عبور کر کے تنگ اور تاریک پہاڑوں کی آڑ میں بھاگ نکلے ان کے دو سو سپاہی اور ایک منگ باشی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں نے تعاقب اس لیے نہ کیا کہ مبادا تاتاریوں کا کوئی بڑا لشکر کہیں قریب ہی ہو اور پہاڑوں میں دھوکے سے حملہ کر کے نقصان پہنچائے۔

عمیر قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دے رہا تھا کہ ایک بربری کمانڈر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا عمیر کے قریب آیا اور بدحواسی میں کہا۔

میرے آقا! سالار بُری طرح زخمی ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ عمیر کے چہرے

لہ ایک ہزار سواروں کا سالار

کا رنگ اڑ گیا اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برق رفتاری کے ساتھ ہولیا۔ لشکر کے وسط میں آکر عمیر گھوڑے سے کود پڑا۔ اس کے سامنے طواس پتھریلی زمین پر خون میں لت پت پڑا تھا اور لشکر کا جراح شیبان بن صفوان جو کسی زمانے میں بخارا کا نامور طبیب تھا طواس پر جھک کر اس کی نبض دیکھ رہا تھا۔

عمیر نے سوالیہ نگاہوں سے شیبان کی طرف دیکھا۔ شیبان نے نفی میں سر ہلایا اور مایوسی سے گردن جھکالی۔ سامنے ہی ابونواس اور ہوازن گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ عمیر ان سے مخاطب ہوا۔

ابونواس! تم لشکر کو پڑاؤ کی طرف لے چلو۔ ہوازن تم قیدیوں کو اپنی حفاظت میں لاؤ۔ اس جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ سالار کے زخمی ہونے پر لشکر کے سپاہی دل برداشتہ ہو جائیں گے اور اس موقع پر اگر تاتاری کمک لے کر آ گئے تو ہمارے لیے نقصان دہ ہوگا۔ عمیر نے طواس کو اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور لشکر اپنے پڑاؤ کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

پڑاؤ میں آکر عمیر نے طواس کو زمین پر لٹا دیا اور اس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گیا۔ پڑاؤ کی حفاظت کرنے والے عرب ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ امینہ اور اریطہ بھی عمیر کے پہلو میں آکھڑی ہوئی تھیں۔ شیبان پھر طواس کی نبض دیکھ رہا تھا اور اس کے حکم پر جراحوں کا دستہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے لگا تھا۔ کچھ سپاہی قیدیوں کی حفاظت پر مامور ہو گئے تھے۔ طواس چند بار کراہا پھر اس کی نحیف اور مغموم آواز سنائی دی۔

عمیر! عمیر! میرے دوست۔ میرے بھائی!

عمیر نے اسے اور زیادہ اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ یا امیر! میں آپ کے پاس ہوں۔ سنو عمیر! میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرے بعد تم لشکر کے سالار اعلیٰ ہو۔ اب تمہارا مسکن میں رہنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ دشتِ تاتار میں اپنی جگہ ابونواس کے ساتھ اب ہوازن کو بھیج دینا ——— طواس کچھ دیر خاموش رہا ——— دوبارہ اس کی مردہ سی آواز ابھری۔ سنو میرے دوست! ایک سپاہی کی زندگی میں ایک طوفان کے بعد دوسرا طوفان، ایک بھنور کے بعد دوسرا بھنور ایک معرکے کے بعد دوسرا معرکہ

آتا ہے ان میں کامیاب وہی ہوتا ہے جس کے پیشے میں لگن اور مقصد میں سچائی ہوتی ہے۔ دیکھو۔ میرے سامنے قضا کی تحریر بکھر رہی ہے ——— آہ عالم اسلام سو رہا ہے۔

طواس خاموش ہو گیا۔ شیبان نے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ دم توڑ چکا تھا۔

عمیر، ابونواس، ہوازن اور شیبان کے سر جھک گئے تھے۔ پاس کھڑی امینہ اور اریطہ رو دی تھیں۔ سپاہیوں پر اداسی کی ایک لہر چھا گئی تھی۔

عمیر نے تین سپاہیوں کو طواس کی لاش ایک خچر پر لے جانے کے انتظامات کرنے کو کہا اور جب وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تو ایک ترک سپاہی اس سے قریب ہو کر بولا۔

میرے آقا! تاتاری قیدیوں میں جو ایک منگ باشی ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

عمیر خاموشی سے قیدیوں کی طرف بڑھا۔ ابونواس، ہوازن، امینہ اور اریطہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ شیبان طواس کی لاش کو خچر پر لے جانے کے انتظامات کی نگرانی کرنے لگا تھا۔ اس ترک سپاہی کی راہنمائی میں عمیر اس منگ باشی کے پاس آکر رکا اور قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟

منگ باشی چند قدم آگے بڑھا۔ کیا تم اس لشکر کے سالار ہو؟

ہاں!

ہمیں چھوڑ دو۔ ورنہ یاد رکھو ہمارے ساتھی جو بھاگ گئے ہیں۔ ایسا لشکر لے کر لوٹیں گے جو تم سے اپنے مقتول سپاہیوں کا ایسا انتقام لے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

عمیر نے غصے میں کہا۔

میں اس لشکر کا انتظار کروں گا۔

اس لشکر کا مقابلہ اتنا آسان نہ ہوگا۔ اور پھر تم جانو ہماری قوم ایک ایسی قوم ہے جس نے آج تک کسی سے شکست نہیں کھائی۔

عمیر بے پناہ غصّے کا اظہار کرتے ہوئے ایسی آواز میں بولا جیسے سمندر کی کوئی مہیب لہر کسی سنگلاخ چٹان سے ٹکراتی ہو۔

تم بکواس کرتے ہو تاتاری! تمہارے جرار لشکر کو پہلی شکست بہادر بلغاریوں نے دی، دوسری شکست شروان کے مقام پر سلطان جلال الدین نے دی جس میں تمہارے چنگیز خان کا بیٹا طولی خان تک مارا گیا تھا۔ تیسری شکست اسی میدان میں چنگیز خان کے ہراول دستے کو ہوئی۔ تمہیں چوتھی شکست سلطان جلال الدین نے رے اور اصفہان کے درمیان دی۔ پانچویں شکست اسی اوالعزم سلطان اور اسلام کے رجل عظیم نے تمہیں اس وقت دی جب تمہارے لشکر نے اصفہان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ تم کیسے کہتے ہو تمہاری قوم کو آج تک شکست نہیں ہوئی۔ اور کیا تھوڑی دیر قبل تمہاری قوم کے سپاہی ہمارے سامنے ٹڈیوں کی طرح دم دبا کر نہ بھاگے تھے۔ اگر جلال الدین کے لشکر میں مال غنیمت کی تقسیم پر پھوٹ نہ پڑتی تو وہ بہادر سپہ سالار سی بیرہ کے تاریک جنگلوں سے بھی آگے ٹنڈرا کے برف زاروں تک تمہارا تعاقب کرتا۔

میں آپ سے امان اور رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔

عمیر نے کھولتی ہوئی آواز میں چلا کر کہا۔

کیا؟ ——— کیا تمہاری قوم نے خوارزم شاہ کے صوبہ اترار کے گورنر امیر نیال کو سمرقند کے سبز محل میں لے جا کر اس کے کانوں اور آنکھوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈال کر ہلاک نہ کیا تھا۔

کیا تمہارے ہاتھوں قزوین میں چالیس ہزار مسلمان سمرقند میں تیس ہزار اور مرو اور ساوا میں ستر ہزار مسلمان شہید نہ ہوئے تھے اور تمہارا چنگیز خاں مرو سے باہر سونے کی کرسی پر بیٹھ کر قتل کے احکامات جاری کرتا رہا اور اس کے سامنے شہر جل رہا تھا اور اس بھیڑیے نے دولت کی تلاش میں سلطان سنجر کی قبر تک کھود ڈالی تھی۔

کیا تم نے بخارا میں قرآن پھاڑ کر جانوروں کے آگے نہ ڈالے تھے اور ہمارے علما کو اپنی محفلوں میں شراب پلانے اور گانے پر مجبور نہ کیا تھا۔

کیا ترمز میں سب مسلمان قیدیوں کے پیٹ چاک[2] نہ کیے گئے تھے اور تمہارے

اس چنگیز نے قلعہ اترار سے جواہرات کے وہ دس صندوق نہ چرا لیے تھے جو خوارزم شاہ نے وہاں امانت کے طور پر رکھے تھے اور جن میں سے صرف دو صندوقوں کی مالیت ملک عراق کی کل قیمت سے زیادہ تھی۔

کیا تیس ہزار کرجوں، بلقان کے بے شمار نہتے مسلمانوں کو قتل کرنے کے علاوہ نیشاپور اور ہرات میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں نہ بہائی گئی تھیں۔ بولو تاتاری اپنے کن نیک اعمال کے عوض تم ہم سے امان اور رحم کی بھیک مانگ رہے ہو۔ تاتاری تم لوگوں نے ہر جگہ انسانیت کا منہ نوچا اور ——— اور اس میدان میں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا۔ جیسا تمہارے بھائی ہمارے بھائیوں سے کرتے رہے ہیں۔ تاتاری! تمہاری قوم نے ایک سوئے ہوئے شیر کو اس کی کچھار میں گھس کر زخمی کیا ہے جس روز مسلمان متحد ہو کر تمہارا تعاقب کریں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اس روز تم لوگ زمین کے آخری کونے تک اپنے لیے کوئی پناہ گاہ تلاش نہ کر سکو گے۔ تمہارے ان سب مظالم کی داستانیں ہمارے دلوں میں نقش ہیں اور ایک روز ہم تمہارے ساتھ اپنا حساب ضرور بیباک کریں گے۔

تاتاری نے آخری حربہ آزمایا۔

---

[1] تاریخ بخارا میں آرمینس ویمبرے کے مطابق قرآن پھاڑ کر جانوروں کے آگے ڈالے گئے۔ جن صندوقوں میں قرآن رکھے جاتے تھے انہیں گھوڑوں کے چاروں کے طور پر استعمال کیا گیا بڑے بڑے علماء کو اپنی محفلوں میں شراب پلانے اور گانے بجانے پر مجبور کیا گیا۔ بخارا سے ایک شخص بھاگ کر خراسان پہنچا اس نے بلیغ فارسی میں تاتاریوں کے ظلم کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ آمدو ندو کند ندو سوختند۔ کشتند و بردند و رفتند (وہ آئے۔ تباہ کیا جلایا۔ مار ڈالا۔ لوٹا اور چلے گئے۔ ابن اثیر کے مطابق بخارا میں جوان لڑکیوں کی عصمت دری ان کے رشتہ داروں کے سامنے کی گئی۔ رشتہ دار پاس کھڑے روتے رہے۔ کچھ لوگ برداشت نہ کر سکے اور خودکشی کر لی۔ بخارا کے قاضی بدرالدین اور امام رکن الدین یہ حیوانی تماشہ دیکھ سکے اور جنگ میں کود کر شہید ہو گئے۔

[2] ویمبرے لکھتا ہے کہ ترمز میں ایک عورت نے قتل ہونے سے پہلے رحم کی بھیک مانگی اور کہا اگر مجھے چھوڑ دیا جائے تو میں ایک قیمتی ہیرا دوں گی۔ اصل (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو پھر تم میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر میں جیت گیا تو مجھے میرے ساتھیوں سمیت
رہا کر دینا اگر ہار گیا تو جو جی میں آئے سلوک کر لینا۔

عمیر نے تیز نگاہوں سے تاتاری کی طرف دیکھا۔ کیا تم لوگ ہمارے قیدیوں
بھی ایسے مواقع فراہم کرتے رہے ہو۔ تمہارا جواب یقیناً نہیں میں ہوگا۔ تاہم مجھے تمہا
پیش کش منظور ہے۔ عمیر نے ایک سپاہی کو تلوار مہیا کرنے کو کہا اور اس نے اپنی تلوار
کر اس منگ باشی کو تھما دی۔ عمیر نے بھی ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار نکال لی تھی۔ س
پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ منگ باشی آگے بڑھ کر حملہ آور ہوا۔ عمیر نے اس کا وار تل
پر روکا اور پھر اپنی تلوار علیحدہ کرتے ہوئے اس پر پے در پے وار کر کے اسے کافی
دھکیل کر لے گیا تھا۔

تاتاری بدحواس ہو گیا تھا۔ اپنے حواس جمع کر کے پینترا بدلا اور نئے انداز
ایک دو وار کیے عمیر نے اسے بھی تلوار پر لیا اور اپنے بائیں ہاتھ سے تاتاری کا تلوار والا
پکڑ لیا۔ تاتاری نے اپنا بازو چھڑانا چاہا لیکن ناکام رہا۔ عمیر کی تلوار فضا میں بلند ہوئی
اسے خون میں نہلا گئی۔

عمیر نے اپنی تلوار لہرا کر تاتاری قیدیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو یہ بتا سکے کہ ہمارے سالار کو تمہارے لشکر میں
کرنے والا کون تھا۔ ایک تاتاری نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔ وہ ہمارا ایک منگ
ہے اس کا نام ارطائی ہے۔

وہ کہاں رہتا ہے؟

قلعہ طلم میں ہماری فوجوں کا سالار ہے۔ میں اس کے قریب ہی لڑ رہا تھا
تمہارے سالار کو زخمی کر کے چوگرد اپنا گھوڑا دوڑاتا رہا تھا۔ کیا ان اطلاعات کے عوض
مجھے معاف نہ کر دو گے۔

میں وہ ہیرا اس نے نگل رکھا تھا۔ تاتاری نے اس کا پیٹ چاک کر کے ہیرا نکال لیا
کے بعد سب مسلمان قیدیوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے۔

عمیر نے کوئی جواب نہ دیا اور ان تاتاریوں کے قتل کا حکم دیا۔ ترکوں کا ایک دستہ
حرکت میں آیا اور سارے قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور اس جگہ آیا جہاں جنگ ہوئی تھی۔ اپنے شہیدوں
دفن کرنے کے بعد عمیر گھوڑے سے اتر کر وہاں آیا جہاں طواس زخمی ہوا تھا۔ وہاں چوگرد
گھوڑوں کے سموں کے نشانات کو سونگھ کر پھر سوار ہوا اور لشکر دوبارہ جنوب مغرب کے
رخ پر کوچ کر رہا تھا۔

لشکر کے آگے آگے اب عمیر جا رہا تھا اور اس کے پیچھے ابونواس اور ہوازن تھے۔
عمیر کے ایک طرف خچر پر رکھی ہوئی طواس کی لاش تھی اور دوسری طرف امینہ اور اریطہ
دونوں ماں بیٹی اپنے خچر پر سوار تھیں۔ پانچ میل کا سفر بالکل خاموشی سے طے ہوا۔ کسی نے
کسی سے کوئی بات نہ کی۔ صرف گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اپنی بازگشت کے ساتھ
گونج رہی تھی۔

ایک چوراہے پر آ کر امینہ نے عمیر کو رکنے کے لیے کہا۔ عمیر نے تلوار بلند کی۔
دف پر چوٹ پڑی۔ نقارے بجے اور لشکر رک گیا۔ چوراہے سے ایک سڑک صیدابین
کی بستی کو جاتی تھی۔ جہاں امینہ کا گھر تھا۔ بائیں طرف صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر
صیدابین کی بستی دکھائی دے رہی تھی۔ اور دائیں ہاتھ شمال کی طرف پانچ چھ میل کے
فاصلے پر قلعہ طلم کے بلند برج دکھائی دے رہے تھے۔ امینہ نے عمیر کی طرف دیکھتے
ہوئے سلگتی اور ڈبڈباتی ہوئی آواز میں کہا۔

یہ سامنے میری بستی ہے۔ اب میں تمہیں خدا حافظ کہتی ہوں۔ کیا تم مجھے اپنا
نام نہ بتاؤ گے۔

میرا کوئی نام نہیں۔ ہم سب قوم کے گمنام سپاہی ہیں۔

کیا ایسا کرنے میں کوئی بہتری ہے؟

ہاں خاتون! ہم اپنے نام کسی کو نہیں بتاتے تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جنگ
کے دوران میں اور میرے سب جرنیل اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیتے ہیں یہ اس لیے
ہے کہ تاتاری ہمارے متعلق تجسس میں رہیں اور ایک طرح سے ان پر ہمارا رعب اور

ہیبت چھائی رہے۔ دوسرے فدائین ہمارے سخت دشمن ہیں پچھلے چند برسوں سے
ہمارا اگر وہ انہیں ناقابل برداشت نقصان پہنچا چکا ہے چونکہ وہ چھپ کر اپنے دشمنوں
کو قتل کرنے میں ماہر ہیں اس لیے ہم ان پر اپنا نام اور شکل ظاہر نہیں کرتے۔

کیا تمہارے مسکن کے لوگ بھی تمہیں نہیں پہچانتے؟

وہ سب مجھے پہچانتے اور میرے نام سے واقف ہیں۔

اگر فدائین ان سے تمہارا پتہ کریں پھر؟

فدائین اس وادی میں بھٹک تک نہیں سکتے۔ میرے مسکن سے تیس تیس کوس
باہر تک ہمارے جاسوس کبوتروں کے ذریعے ہمیں پل پل کی خبر دیتے ہیں اور وہ جانور
ان فدائین سے بھی زیادہ زہریلے ہیں۔ اگر کوئی دشمن مسکن میں گھسنے کی کوشش کرے تو
عموماً خود ہی اسے ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے دوست دشمن کی پہچان اس
طرح رکھتے ہیں جیسے اولاد اپنے ماں باپ کو پہچانتی ہے۔

تمہارے دشمن پھر تمہیں کس نام سے پکارتے ہیں۔

وہ مجھے کھلی آستینوں والا عرب یا موت کے مسافر کہتے ہیں۔

تمہارے ماں باپ بھی تمہارے ساتھ مسکن میں رہتے ہیں؟

میں ابھی چھوٹا سا تھا کہ میری ماں بخارا میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی تھی
میرا باپ اس گروہ کا پہلا سالار تھا۔ چار برس ہوتے وہ بھی تاتاریوں کے ساتھ ایک جنگ
میں شہید ہو گیا تھا۔

اس کا مطلب ہے تم اکیلے ہو؟

عمیر نے اپنے پیچھے لشکر کی طرف اشارہ کیا۔

یہ سب میرے بھائی ہیں۔

اریطہ ڈبڈبائی آنکھوں سے عمیر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امینہ گھٹی گھٹی سی آواز
میں پھر بولی۔

تم مجھے اپنی ہی ماں سمجھو بیٹے! اگر کبھی اس طرف آؤ تو مجھے اپنی ماں جان کر
میرے ہاں ضرور آنا۔ میرا گھر زردوزوں کے بازار میں ہے۔ وہاں تم کسی سے بھی پوچھ

وہ تمہیں میرے متعلق بتا دیں گے۔ کیا میں امید رکھوں کہ تم مجھے اپنی ماں سمجھ کر میرے
ہاں ضرور آؤ گے۔

عمیر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

میں کبھی ضرور آؤں گا۔

اریطہ اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ رہی تھی۔ کیوں؟ یہ تو اس کا
دل یا اس کے خدا کو علم ہوگا جو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ شاہراہ پر آگے
بڑھ گیا تھا۔ امینہ اور اریطہ دونوں اپنی خچر پر سوار آہستہ آہستہ اپنی بستی کی طرف جا رہی تھیں۔

سحر کی بڑھتی ہوئی روشنی جب چاروں سمت پھیل گئی اور سورج کی دمکتی ہوئی
پیشانی دور مشرق سے نمودار ہوتی ہوئی دکھائی دی۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے یرون
کے کنارے ایک ایسے راستے میں داخل ہو رہا تھا جس کے دونوں طرف آسمان سے
باتیں کرتے ہوئے پہاڑ تھے۔ اس راستے پر گزرتے ہوئے۔ جگہ جگہ ان کے کانوں میں یہ
صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایسی آوازیں جن میں آبشاروں کا ترنم تھا۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ
الْاَعْلٰی۔ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر پہرہ دینے والے ان کے محافظ انہیں سلامتی کا پیغام
دے رہے تھے۔ پانچ میل کا فاصلہ پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس تنگ راستے پر
چلتے ہوئے طے کرنے کے بعد لشکر ایک کھلے میدان میں نمودار ہوا۔ اب ان کے سامنے
دور دور تک زیتون، سیب، انجیر، انگور کے باغات اور لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔

ان باغات کے اندر دریائے یرون جوئے نور کی طرح بہتا ہوا دور پہاڑوں
کے اندر جا کر نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ دریا کی طرف سے بہتے پانی کے دھیمے راگ
اور ماہی گیروں کے ولولہ انگیز گیت سنائی دے رہے تھے۔ پہاڑوں سے گھرے ہوئے
باغات اور کھیتوں سے بھری ہوئی اس سبز زمین میں ہر طرف رنگینیاں، دلفریبیاں اور
رعنائیاں تھیں۔

ان باغات اور کھیتوں کے اندر جگہ جگہ بستیاں تھیں جہاں سے بے شمار مرد

اور عورتیں نکل نکل کر لشکر کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ دس میل لمبے اس میدان کو طے کرنے کے بعد اب سامنے اٹھارہ ہزار فٹ سے بھی اُونچے پہاڑ نمودار ہوتے تھے جن کے ایک طرف دریائے یرون ان سے ٹکراتا ہوا گزرتا تھا۔ لشکر اب ایک ایسے تنگ راستے کے ذریعے جس پر بیک وقت صرف دو سوار اکٹھے اپنے گھوڑے دوڑا سکتے تھے اس پہاڑی سلسلے میں داخل ہو رہا تھا۔ راستے کی دیواروں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قدرتی نہ تھا بلکہ انسانی ہاتھوں نے کاٹ کر اسے بنایا تھا۔

یہ ایک فرلانگ کا تنگ راستہ طے کر کے لشکر ایک کھلے میدان میں داخل ہوا جو چاروں طرف سے دیوار کی طرح سیدھے، بلند اور ناقابل عبور پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہی موت کے مسافروں کا اصل مسکن تھا۔ اس مسکن کے بیس میل باہر تک سب باغات اور کھیت ان کی ملکیت تھے۔ ان کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والے مرد عورتوں کا تعلق موت کے مسافروں سے تھا جو اپنے اور اپنے لشکر کے لیے دن رات محنت کر کے غذا اور پھل مہیا کرتے۔ دریا سے مچھلیاں پکڑنے والے ملاحوں کا تعلق بھی اسی مسکن سے تھا۔

لشکر جب پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس قدرتی قلعے میں داخل ہوا تو سامنے کچھ کچھ فاصلے پر دور دور تک پتھر کے بنے ہوئے مکانات دکھائی دے رہے تھے اور ہتھیاروں سے مسلح بے شمار مرد لشکر کے استقبال کو باہر نکل آئے تھے۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہیں مسکن کی حفاظت کے لیے وہاں رکھا جاتا تھا۔ ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہوگی۔ عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اپنے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔

مسکن کی حفاظت کرنے والے ان دو ہزار سپاہیوں کا سالار جو ایک عرب تھا اور کھلی آستینوں والی قبا پہنے ہوئے تھے بھاگتا ہوا عمیر کی طرف بڑھا۔ اس کا نام ہشام تھا۔ عمیر کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس نے طواس کی خچر پر لدی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

میرے آقا! کیا سالار شہید ہو گئے۔

عمیر منہ سے کچھ نہ بولا بڑے دُکھ سے اثبات میں اس نے گردن ہلا دی۔

عمیر جب گھوڑے سے اترا تو سفید رنگ کا چھوٹا سا ایک بچھیرا بھاگتا اور ہنہناتا ہوا۔ اس کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب آیا تو عمیر اسے پکڑ کر پیار کرنے لگا اور وہ اپنے ہونٹوں سے عمیر کے ہاتھ پونچھنے لگا۔ یہ عمیر کا اپنا بچھیرا تھا جسے وہ پال رہا تھا۔

سب سے پہلے طواس کی تجہیز و تکفین کی گئی اس کے بعد لشکر کھلے میدان میں آیا۔ جہاں زیتون، سیب اور انجیر کے درختوں کے نیچے ان کے لیے انواع اقسام کے کھانے لگے ہوئے تھے۔ شاید لشکر ابھی دور ہی تھا کہ جاسوس اس کی آمد سے آگاہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کھانا تیار ہو چکا تھا۔ سارا لشکر ٹولیوں کی صورت میں زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔

عمیر اپنے مکان کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا اس کے سامنے ابونواس، ہوازن، جراح شیبان، ایک عرب سالار ہشام ابونواس کا ایک بربری نائب جابر اور ہوازن کا ایک ترک نائب رباح بیٹھے بڑے غور سے عمیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عمیر نے ابونواس کو مخاطب کر کے کہا۔

ابونواس! تم ہوازن کے ساتھ کل دشتِ تاتار کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

ابونواس نے اپنے سر کو قدرے خم دیتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے میرے آقا!

عمیر پھر بولا۔

جابر! تم چند بربری افریقی ممالک کے دورے پر روانہ ہو کر وہ وہاں سے نئے رضا کاروں کو یہاں آنے پر آمادہ کریں۔ ہشام تم اسی طرح عربوں کو ارضِ حجاز اور رباح تم کچھ ترک ساتھیوں کو مصر بھیجو وہ دشت حجاز سے نئے صحرا نشین اور مصر سے ان ترکوں کو جمع کر کے یہاں لائیں جو اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے مصر میں پناہ لے چکے ہیں وہ لوگ ہمارے مقدس فرض سے شناسا ہیں۔ وہ ضرور ہماری مدد کو آئیں گے۔ نئے مجاہدین کو آنے پر میں کچھ عرصہ انہیں تربیت دوں گا اس کے بعد قلعہ طلم پر حملہ آور ہوں گا۔ میں

یہ قلعہ تاتاریوں سے چھین لینا چاہتا ہوں اس کا فائدہ ہمیں یہ ہوگا کہ ہم وہاں اپنے آزمودہ کار تین ہزار کے قریب سپاہی رکھ کر اس علاقے کے مسلمانوں اور وہاں سے گزرنے والے مسلم قافلوں کی بہتر طور پر حفاظت کر سکیں گے۔

میں خود بھی کل ایک مہم پر روانہ ہو رہا ہوں۔ میں اس منگ باشی سے انتقام لوں گا جس نے طواس کو شہید کیا تھا۔ ہشام اور جابر تم دونوں بھی میرے ساتھ چلو گے۔

ابونواس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

کیا میں اور ہوازن اس مہم میں شامل نہ ہو سکیں گے۔ تبریز تک پانچوں اکٹھے سفر کریں گے۔ اس منگ باشی سے انتقام لینے کے بعد میں اور ہوازن قزوین اور سمرقند کے راستے ہوتے ہوئے صحرائے گوبی کے ساتھ دشتِ تاتار کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور آپ ہشام اور جابر کے ساتھ مسکن لوٹ آئیں گے۔

عمیر نے تائید کی۔

تمہارا فیصلہ درست ہے۔ کل ہم پانچوں یہاں سے اکٹھے روانہ ہونگے شیبان! ہم پانچوں کے بعد مسکن کی حفاظت تمہارے ذمہ ہوگی۔ ساتھ والے کمرے سے ایک بربری جواں نمودار ہوا اور عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے آقا کھانا تیار ہے۔

ہشام، رباح، جابر اور شیبان اُٹھ کر باہر نکل آئے اور اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے کیونکہ وہ تینوں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ رہتے تھے۔ عمیر، ابونواس اور ہوازن کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ وہ اکیلے تھے اور تینوں ایک ہی عمارت میں اکٹھے رہتے تھے۔ وہ تینوں بھی وہاں سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آئے اور وہاں ایک چٹائی پر بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھانے لگے۔

●

عمیر ایک روز قصبہ صیدا بین کی اس سرائے میں داخل ہو رہا تھا جو بستی سے ایک فرلانگ باہر اس راستے کے کنارے تھی جو تاتاریوں کے قلعہ طلم کی طرف جاتی تھی۔

وہ راہب کے بھیس میں تھا اور اس کے گلے میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔
اس کے پیچھے پیچھے ابونواس، ہوازن، ہشام اور جابر تھے۔

عمیر گھوڑے سے اترا۔ گلے میں لٹکتی ہوئی سنہری صلیب اپنے ہاتھوں سے مسلتے ہوئے وہ سرائے کے مالک کے پاس آیا۔ سرائے کا مالک بھی عیسائی تھا کیونکہ اس کے گلے میں بھی صلیب لٹک رہی تھی۔ عمیر کو دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور بڑی تعظیم سے پوچھا۔

مقرب راہب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

عمیر نے چند نقرئی سکے نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ایک ایسا کمرہ دے دو جس میں میرے ساتھ میرے چار ساتھی بھی رہ سکیں۔ سرائے کے مالک نے سکے واپس لوٹاتے ہوئے بڑی عقیدت سے کہا۔

آپ مقدس مریم اور یسوع مسیح کے قابل قدر مبلغ ہیں آپ سے کچھ نہ لونگا۔

عمیر نے اصرار کیا۔

رکھ لو۔ یہ تمہارا حق ہے۔

سرائے کے مالک نے سارے سکے عمیر کی تھیلی میں ڈال لے۔ لکڑی کے چھوٹے سے ایک صندوق سے ایک چابی نکالی اور عمیر سے کہا۔

آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو کمرہ دکھا دوں۔ عمیر اس کے ساتھ ہو سرائے کے مالک نے اسے ایک کمرہ دکھا دیا۔ اتنی دیر تک ابونواس، ہوازن، ہشا اور جابر بھی وہاں پہنچ گئے۔ عمیر پھر سرائے کے مالک سے مخاطب ہوا۔

یہ سب میرے ساتھی اور مقدس مریم کے وفادار سپاہی ہیں۔ ہم تاتاریو کے خاقان اوغدائی خان کے پاس خیر سگالی کا پیغام لے کر دشت تاتار جا رہے ہیں۔ یہ دن تمہاری سرائے میں قیام کریں گے اس کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے میرے ساتھی تمہارے طویلے میں گھوڑے باندھ آئے ہیں۔ ان کے چارے کا بندوبس کرنے کے بعد ہمارے کمرے کے آتش دان میں آگ روشن کر کے کھانا بھجوا دو۔ سرا کا مالک احتراماً اپنی گردن کو جھکاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ عمیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کم

میں داخل ہو گیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ سب آتش دان کے پاس بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے کہ سرائے کے دروازے پر انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ عمیر چونک کر کھڑا ہو گیا اور کمرے سے باہر نکل کر دیکھا کچھ تاتاری سرائے کے دروازے پر رُک کر وہاں اپنے گھوڑے باندھ رہے تھے۔ عمیر کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سرائے میں داخل ہوئے اور ایک میز پر بیٹھ کر شراب پینے لگے۔ عمیر ان کے پاس سے گزر کر باہر نکلا۔ ان کے گھوڑوں کے پاس آ کر ایک بار بڑے محتاط انداز میں اپنے چوگرد دیکھا۔ پھر وہ نیچے جھک کر سارے گھوڑوں کی اگلی ٹانگیں اٹھا اٹھا کر ان کے سم سونگھنے لگا۔ اسے شاید مایوسی ہوئی تھی کیونکہ وہ سر جھکائے اپنے کمرے میں آ کر آتش دان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ باہر تاتاری شراب پی پی کر شور کر رہے تھے۔ وہ سارا دن عمیر نے مصروف گزارا اور جو بھی تاتاری سرائے میں داخل ہوتا وہ اس کے گھوڑے کے سم ضرور سونگھتا۔

دوسرے روز بھی وہ سارا دن تاتاری گھوڑوں کے سم سونگھتا رہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ جب دن گزر گیا اور شام کی سیاہی ماحول پر غالب آ رہی تھی۔ عمیر اسی طرح آتش دان کے پاس بیٹھا تاتاروں کے کسی نئے گروہ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ باہر سرد تیز اور برہم مزاج برفانی ہوائیں سرکشی اور بغاوت کے گیت گا رہی تھیں۔

پرسکون فضا میں گھوڑوں کی تیز ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ عمیر اُٹھ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا کچھ تاتاری اپنے گھوڑے باہر باندھ کر سرائے میں داخل ہوئے تھے۔ عمیر باہر آیا اور اندھیرے میں ان کے گھوڑوں کے سم سونگھنے لگا۔ ایک ابلق گھوڑے کے سم سونگھنے کے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ شاید وہ اپنے مقصد کو پا چکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہوا اور اس گھوڑے کی گردن تھپتھپاتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

انشاء اللہ! تمہارے مالک کی زندگی کی آج آخری رات ہو گی۔

ایک عزم اور نئے وقار کے ساتھ عمیر سرائے میں داخل ہوا اور ان تاتاریوں کے پاس آ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ انہیں دیکھتا رہا پھر اس کی برفانی طوفانوں جیسی

آواز سنائی دی۔ وہ ان تاتاریوں سے مخاطب ہوا۔

بورجی گون[1] کے وارثو! میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تمہارے خاقان اوغدائی خان کے پاس جا رہا ہوں کیا اس کے مزاج کے متعلق تم میں سے کوئی میری راہنمائی کر سکے گا۔ سارے تاتاری بڑی دلچسپی سے عمیر کی طرف دیکھنے لگے پھر ان میں سے ایک نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بیٹھو راہب! ہم تمہارے ساتھ تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ عمیر جب بیٹھ گیا تو اس تاتاری نے پھر پوچھا۔

تم کس سلسلے میں ہمارے خاقان سے ملنے جا رہے ہو۔

میں نے سن رکھا ہے کہ اوغدائی خان کشتی اور تیغ زنی کے مقابلے کرانے کا بے حد شوقین ہے۔ میں اپنے ساتھ دو ایسے جوان لے جا رہا ہوں جو کشتی اور تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ تمہارے خاقان کو خوش کرنے کے لیے میں خود بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔

اس تاتاری نے اور زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

کیا کر سکتے ہو تم؟

میں سوار کے کپڑے سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس کا گھوڑا کون سا ہے۔ انسانی ہاتھ دیکھ کر یقین اور اعتماد کے ساتھ ماضی قریب میں اس پر گزرے ہوئے نمایاں واقعات بیان کر سکتا ہوں۔

اس تاتاری نے فوراً اپنا ہاتھ عمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑی بیتابی کا اظہار کیا۔ لو میرا ہاتھ دیکھ کر میرے حالات بیان کرو۔ عمیر کھڑا ہو گیا۔

ٹھہرو! میں اپنے ساتھیوں سے کہہ آؤں کہ وہ کھانا کھا لیں اور میرا انتظار نہ کریں میں جانتا ہوں تمہارے پاس مجھے کافی دیر بیٹھنا پڑے گا۔

جاؤ کہہ آؤ۔ لیکن جلدی واپس آ جاؤ۔

---

[1] تاتاری بورجی گون نام کے وحشی کو اپنا روحانی جد اعلیٰ اور اپنے آپ کو اس کا وارث سمجھتے تھے۔

عمیر کمرے میں آیا اور آتش دان کے قریب کھڑے ہو کر اس نے سرگوشی کی۔

میں اپنا جال پوری طرح بچھا آیا ہوں۔ وہ منگ باشی جس کی ہمیں ضرورت ہے باہر بیٹھا ہوا ہے۔ ابونواس اور ہوازن تم دونوں پچھواڑے سے نکل کر اصطبل سے اپنے گھوڑے لیکر سرائے سے نکل جاؤ جب میں ان کے گھوڑوں کے پاس کھڑا ہوں۔ تو تم دونوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں آنا۔ ابونواس تم میری آنکھوں کی طرف نگاہ رکھنا جس کی طرف میں سر کا اشارہ کروں اسے اُٹھا کر تم اپنے گھوڑے پر بٹھا لینا اور اپنے گھوڑے کو صدا بین قصبے کی طرف ڈال دینا۔ تمہاری حفاظت کے لیے ہوازن تمہارے ساتھ ہو گا۔

ظاہر ہے دوسرے تاتاری تمہارا تعاقب کریں گے۔ اسی لمحہ میں شور کرنا شروع کر دوں گا کہ ارطائی کو فدائین اٹھا کر قلعہ الموت کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ میرا شور سُن کر ہشام اور جابر بھی بھاگ کر باہر آ جائیں گے اور اس طرح ہم تینوں بھی تاتاریوں کے تعاقب میں لگ جائیں گے۔ اور ان سے قصبے سے باہر ہی یا اگر تعاقب لمبا ہو گیا تو کسی گلی میں ان سے نمٹ کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اب میں باہر جاتا ہوں۔ ابونواس! تم اور ہوازن بھی پچھواڑے سے باہر نکل جاؤ۔ اور تاریکی میں کھڑے ہو کر میرا سرائے سے باہر نکلنے کا انتظار کرو۔

عمیر پھر تاتاریوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اسی تاتاری نے پھر اپنا ہاتھ عمیر کی طرف بڑھا دیا۔ لو میرے ماضی کے متعلق بتاؤ۔ اگر تم مجھے مطمئن کر سکے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم ہمارے خاقان کو خوش کر کے اپنی امیدوں سے کہیں زیادہ انعام حاصل کر سکو گے۔ عمیر نے تاتاری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

وہ اپنی کرسی کھسیٹ کر عمیر کے اور قریب ہو گیا۔

میرا نام ارطائی ہے۔

عمیر نے اس کے ہاتھ کو غور سے دیکھا اور بھاری آواز میں کہا۔

سنو ارطائی! تم اپنے لشکر میں منگ باشی ہو۔ کیا میں نے درست کہا؟

ارطائی نے حیرت سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے راہب!

کچھ عرصہ قبل تم اپنے کسی دشمن کو قتل کر چکے ہو جس کی حیثیت تمہارے دشمنوں میں خوب نمایاں تھی۔

ارطائی نے اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے کہا۔

تم سچ کہتے ہو راہب۔ تم بہت قیمتی انسان ہو ـــــ عمیر نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں تمہارا وہ دشمن کون تھا۔

وہ ہمارے ازلی دشمن موت کے مسافروں کا سالار اعلیٰ تھا۔

دوسرے تاتاریوں نے بھی جو تعداد میں بارہ تھے اپنے اپنے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا،

مقدس راہب! ہمارے متعلق بھی کچھ کہو۔

عمیر کھڑا ہو گیا۔ پہلے میں لباس سونگھ کر بتاؤں گا کہ تمہارے گھوڑے کون کون سے ہیں اس کے بعد میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر شراب پیوں گا اور تفصیل سے تمہیں تمہارے ماضی کے متعلق بتاؤں گا۔

ارطائی کھڑا ہو گیا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔

عمیر سارے تاتاریوں کے ساتھ سرائے سے باہر ان کے گھوڑوں کے پاس آ کھڑا ہوا پہلے اس نے ارطائی کا لباس سونگھا۔ پھر باری باری کئی گھوڑوں کی زینیں سونگھتے ہوئے اس نے ارطائی کے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ تمہارا گھوڑا ہے۔

ارطائی نے چلا کر کہا۔

چنگیز خاں کی سولدہ[1] کی قسم تم ایک بہترین مصاحب ثابت ہو سکتے ہو۔ ہمارا خاقان یقیناً تمہارے فن کی قدر کرے گا۔ اس کے بعد عمیر نے تین اور تاتاریوں کے لباس

---

[1] روح

اور گھوڑوں کی زینیں سونگھ کر انہیں ان کے گھوڑوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک بتا دیا تھا۔

جب وہ چوتھے تاتاری کے گھوڑے کو تلاش کر رہا تھا تو ایک طرف سے ابونواس اور ہوازن اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور عمیر کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اندھیرے میں عمیر نے اپنے سر کی حرکت سے ارطائی کی طرف اشارہ کیا۔ گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے ابونواس نے ہاتھ لمبا کر کے ارطائی کو بغل سے پکڑ کر اپنے آگے پھینک لیا اور اپنے گھوڑے کو صیدا یعین جانے والے راستے پر سرپٹ چھوڑ دیا۔ ہوازن نے بھی اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

عمیر زور زور سے شور کرنے لگا۔

ارطائی کو فدائین اٹھا کر لے گئے۔ ارطائی کو فدائین اٹھا کر لے گئے۔ دوسرے بارہ تاتاریوں نے اپنے اپنے گھوڑے کھولے اور ابونواس و ہوازن کا تعاقب کرنے لگے اسی لمحہ ہشام اور جابر کمرے سے نکل کر اصطبل کی طرف بھاگ رہے تھے۔

عمیر بھاگتا ہوا سرائے کے مالک کے پاس آیا۔ اور سخت بدحواسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

سنو! ارطائی کو فدائین اُٹھا کر لے گئے ہیں اس کے ساتھی ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی مدد کو جا رہا ہوں۔ وہ تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف تاتاریوں کی مدد کرنا ہم عیسائیوں کا فرض ہے۔ اگر تاتاریوں کا کوئی اور گروہ تمہاری سرائے میں آئے تو ان سے کہنا فدائین ارطائی کو اغوا کر کے قلعہ الموت کی طرف لے گئے ہیں۔

عمیر وہاں سے ہٹ کر اصطبل کی طرف بھاگا۔ وہاں ہشام اور جابر اس کے اور اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈال کر تیار کھڑے تھے۔ ایک لمبی چھلانگ کے ساتھ عمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے تاتاریوں کے تعاقب میں چھوڑ دیا۔ ہشام اور جابر اس کے پیچھے تھے۔ عمیر نے گھوڑے کی خرجین سے تیروں سے بھرا ہوا ترکش نکال کر پشت پر باندھ لیا تھا اور کمان پہلے ہی زمین سے لٹک رہی تھی۔ اپنی عبا کے نیچے سے اس نے اپنی دوزخی تلوار کھینچ لی اور چمکتی ہوئی ڈھال اپنے بائیں ہاتھ میں لے لی تھی۔ عمیر کی طرف دیکھتے

ہوئے ہشام اور جابر نے بھی اسی طرح اپنے آپ کو مسلح کر لیا تھا۔

ابونواس اور ہوازن نے مڑ کر پیچھے دیکھا تاتاری اپنے گھوڑوں کو مارتے پیٹتے ان کے تعاقب میں لگے ہوتے تھے اور ان کے پیچھے بالکل قریب ہی عمیر بھی ہشام اور جابر کے ساتھ آندھی اور بگولے کی طرح ان کی گرد سے ملا تاتان کے پیچھے پیچھے تھا۔ ارطائی نے جسے ابونواس اپنے سامنے دبوچے ہوتے تھا اپنا آپ چھڑا کر آزاد ہونے کی انتہائی کوشش کی لیکن ابونواس کی گرفت ایسی تھی جس سے چھٹکارا ناممکن تھا وہ اپنے بائیں ہاتھ سے گھوڑے کی باگ اور دائیں ہاتھ سے ارطائی کی گردن دبوچے ہوئے تھا۔

جیسا ہین میں داخل ہوتے ہوتے ابونواس نے مڑ کر پھر پیچھے دیکھا تاتاری اب فاصلہ کم کر چکے تھے اور اسی نسبت کے ساتھ عمیر بھی اپنا فاصلہ سمیٹ چکا تھا۔ زرد وزدوں کے بازار سے گزر کر ابونواس اور ہوازن ایک ایسی گلی میں داخل ہوتے جو قدرے تنگ تھی۔ ابونواس نے ارطائی کی ٹانگ پر اس زور سے مکہ مارا کہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ابونواس نے اسے گھوڑے سے نیچے پھینک دیا اور وہ گلی میں ایک دیوار سے لگ کر کراہنے اور آہ وزاری کرنے لگا۔ ابونواس اور ہوازن دونوں نے گھوڑے موڑے اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالتے ہوئے وہ مستعد ہو کر اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے۔ شاید وہ اس تنگ گلی میں تاتاریوں سے ٹکرانے کا عزم کر چکے تھے۔

تاتاری عمیر اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کی مدد کے لیے ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ لیکن جونہی وہ ابونواس اور ہوازن کے تعاقب میں اس تنگ گلی کے اندر داخل ہوتے عمیر بھوکے عقاب کی طرح ہشام اور جابر کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ تین تاتاریوں کے سر جب انہوں نے سر قلم کیے اور فضا میں ان کی چیخیں بلند ہوئیں اور سب تاتاریوں نے گھبراہٹ میں مڑ کر جب پیچھے دیکھا تو سامنے سے ابونواس اور ہوازن حملہ آور ہوتے اور دو تاتاریوں کو قتل کر کے وہ دوسروں پر حملہ آور ہوتے۔ محلے کے مرد اور عورتیں اپنے مکانوں کی کھڑکیوں، بالکونیوں اور چھتوں پر کھڑے ہو کر بڑے خوف و ہراس سے لڑنے والوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے اس علاقے میں تاتاریوں سے لڑائی اپنی موت کے مترادف تھی۔

عمیر اب تاتاریوں کے اندر گھس کر ان پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس کی تلوار کی ضربوں سے تاتاریوں کی ڈھالوں کے سینے پھٹ رہے تھے۔ وہ اب تک تین تاتاریوں کو ابدی نیند سلا چکا تھا۔ ابونواس اور ہوازن کے لڑنے کا انداز بھی ایسا تھا گویا وہ تلوار ہاتھ میں لے کر کٹنا نہیں کاٹنا جانتے ہوں۔ ہشام اور جابر آتش و آہن کا کھیل شروع کر چکے تھے۔ مقابلے پر اب صرف دو تاتاری رہ گئے تھے جن کے ساتھ ابونواس اور ہوازن ٹکرا رہے تھے یکلخت عمیر نے اپنی عبا کے اندر سے خنجر نکالا تاک کر اسے دیوار کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے ارطائی کی طرف مارا۔ ارطائی اپنا خنجر نکال کر ابونواس کی طرف پھینکنے والا تھا لیکن اس سے قبل ہی عمیر کا خنجر اس کی چھاتی میں پیوست ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے خنجر زمین پر گر گیا۔

ابونواس جو اپنے دشمن کو ختم کر چکا تھا یہ سارا منظر دیکھ چکا تھا وہ عمیر کے قریب آیا اس کی آنکھوں میں دور دور تک خلوص اور پیار تھا۔ اتنی دیر تک ہوازن بھی آخری تاتاری کو ختم کر کے عمیر کے قریب آ گیا۔ گلی میں تاتاریوں کی لاشیں جگہ جگہ بکھری ہوئی تھیں۔

عمیر گھوڑے سے نیچے اترا۔ ارطائی کے سامنے آ کر بیٹھا اور اس سے سرگوشی کی ارطائی! سنو ہم موت کے مسافر ہیں۔ تم نے ہمارے سالار کو شہید کیا تھا سو آج ہم نے اپنے سالار کا انتقام تم سے لے لیا ہے۔ عمیر نے اپنی تلوار لہرائی اور ارطائی کی گردن کاٹ دی۔

خون ٹپکتی ہوئی تلوار اپنے ہاتھ میں لیے جونہی عمیر مڑا سامنے والے مکان کا دروازہ کھلا اور اریطہ باہر نکلی۔ عمیر نے ستاروں کی ملگجی روشنی میں اریطہ کی طرف دیکھا وہ اس وقت برق کا شرارہ اور درج کا دُرِ مکنون لگ رہی تھی اس کا حسن صحرا کے قبیلے جیسا اور جسم کچنار کی کلی جیسا تھا۔ وہ عمیر کے قریب آئی پھر اس کی جلترنگ جیسی آواز سنائی دی۔

تم لوگ کون ہو؟ اریطہ عمیر اور اس کے ساتھیوں کو پہچان نہ سکی تھی۔ کیونکہ وہ سب اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ عمیر نے اپنی آواز بدل کر جواب دیا۔

ہم مسلمان ہیں اور موت کی تلاش میں یہاں تک آ گئے ہیں۔
کیا تمہارا تعلق موت کے مسافروں سے ہے۔

ہاں

اریطہ نے عمیر کے گلے میں لٹکتی ہوئی صلیب کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن تم۔

عمیر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں اس گروہ کا ایک ادنیٰ جاسوس ہوں اور اس کام کے لیے صلیب کا سہارا لیا ہے۔

اریطہ نے بڑے رحم انگیز استفسار سے پوچھا۔

کیا تمہارا سالار اعلیٰ جسے تم لوگ کھلی آستینوں والا عرب کہتے ہو تمہارے ساتھ ہے۔

عمیر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں

اریطہ اداس ہو گئی۔ اس کے دل میں لطیف جذبات کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا وہ تصور ہی تصور میں اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی وہ کیوں نہیں آیا۔ وہ کہاں ہے کب آئے گا۔ کیا اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے مل سکے جو دن رات خدا کے حضور اس کی سلامتی کے لیے دُعا مانگا کرتی ہے۔

اتنے میں دوسری سمت والے مکان کی کھڑکی سے کسی مرد کی آواز سنائی دی

اریطہ بیٹی یہ کون ہیں؟

اریطہ نے چونک کر کہا۔

چچا احمد! یہ موت کے مسافر ہیں۔ وہی جن کے سالار نے فدائین سے مجھے بچایا تھا۔

اس مرد کی آواز پھر سنائی دی۔

ٹھہرو! میں نیچے آتا ہوں۔ تاتاریوں کی لاشیں فوراً یہاں سے ہٹا دینا چاہئیں اگر ان کے ساتھیوں کو علم ہو گیا تو وہ صیدا بین کو آگ لگا دیں گے۔

اریطہ پھر عمیر سے مخاطب ہوئی اور عمیر کے گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا میں اس گھوڑے کو پہچانتی ہوں کیا یہ تمہارے سالار اعلیٰ کا گھوڑا نہیں

ہاں یہ گھوڑا میرے آقا کا ہے۔

کیا تم اپنے آقا کو میرا ایک پیغام پہنچا دو گے؟

کیا پیغام؟

اریطہ نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کھلی آستینوں والے عرب سے کہنا صیدا بین کی ایک گمنام لڑکی جو دن رات تمہاری سلامتی کے لیے دعا مانگا کرتی ہے۔ تمہیں سلام کہتی ہے۔

عمیر نے چہرے سے نقاب ہٹا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

میں اس گمنام لڑکی کا جس کا نام اریطہ ہے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عمیر کو دیکھ کر اریطہ کا صندلی جسم کانپ اُٹھا۔ اس کے چہرے پر محبت اور عقیدت کی روشنی تھی اور آنکھوں میں مایوسی کی جگہ پیار کی چمک تھی۔ اس کے دل کی لطیف دھڑکنیں عمیر کو دیکھ کر متلاطم طوفان کی شکل اختیار کر گئی تھیں اور اس کے نازک سرخ گالوں پر خوشگوار حرارت بکھر چکی تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں وہ صرف اتنا کہہ سکی۔

آپ؟ پھر وہ جنگلی ہرنی کی طرح پھلانگتی ہوئی اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ دروازے کے قریب ہی وہ امینہ سے ٹکرائی اور ماں! ماں! پکارتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ امینہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اریطہ نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ آ گئے ماں! وہ آ گئے۔

امینہ نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

میں تیری اور اس کی بات چیت سن چکی ہوں تو خوش قسمت ہے میری بچی!

اتنے میں دائیں طرف والے مکان سے وہی بوڑھا نکلا جسے اریطہ نے احمد کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ عمیر کے قریب آیا اور تاتاریوں کی بکھری ہوئی لاشوں کو پریشانی سے دیکھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

کیا تمہاری ان لوگوں سے کوئی دشمنی تھی۔

عمیر نے اپنی تلوار پونچھتے ہوئے کہا۔
تاتاری دنیا بھر کے مسلمانوں کے دشمن ہیں اور ہم اب ان سے ہر جگہ ٹکرانے کا تہیہ کر چکے ہیں
احمد نے فخر سے کہا۔
تم لوگوں کے عزائم قابل تحسین ہیں۔ اگر سارے مسلمان تمہارے موت کے مسافروں کی طرح سر پر کفن باندھ کر میدان میں اتر آئیں تو یقیناً وہ چنگیز خان کے اس دعوے کو غلط ثابت کر سکتے ہیں کہ تاتاری مسلمانوں کے لیے ایک عذاب ہیں۔ میں تم سے کھل کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی حویلی کا دروازہ کھلوا تا ہوں۔ تم سب وہاں بیٹھو۔ اتنی دیر تک میں محلے کے جوانوں کے ساتھ ان لاشوں کو ٹھکانے لگاتا ہوں۔
عمیر نے اپنی تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے کہا۔
ہم یہاں رکنا نہیں چاہتے۔ ورنہ تاتاری ہماری تلاش میں یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ ہم اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔ ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے فوراً بعد ہم یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ احمد تیز آواز میں لگاتار کئی جوانوں کو پکارنے لگا جس کے جواب میں ان گنت جوان گلی میں آ کھڑے ہوئے۔ احمد نے انہیں اپنے مکان کے پچھواڑے میں گڑھا کھود کر تاتاریوں کی لاشیں دفن کرنے کو کہا۔ کچھ جوان بھاگتے ہوئے اپنے گھروں کو گئے اور کدالیں لا کر احمد کے گھر کے پیچھے گڑھا کھودنے لگے کچھ جوان لاشیں اٹھا کر لے گئے پھر مسلمان عورتیں ہاتھوں میں پانی سے بھرے ہوئے برتن لیے نمودار ہوئیں اور خون آلود گلی کو اپنے پاؤں سے رگڑ رگڑ کر دھونے لگیں۔
ایلینہ اور اریطہ بھی باہر آئیں۔ ایلینہ نے عمیر کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔
بیٹے! تم رکو گے نہیں؟
نہیں ماں! ہمارا یہاں رکنا ہمارے لیے ہی نہیں اس قصبے کے لیے بھی خطرناک ہوگا۔ میں آپ سے رخصت کی اجازت چاہتا ہوں آپ دیکھیں گی عنقریب ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ میں کھل کر آپ کے پاس بیٹھ سکوں گا۔

ایلینہ نے اپنے پیچھے کھڑی اریطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
اریطہ ان کے لیے کچھ کھانے کا سامان لے آؤ۔ عمیر منع کرتا رہ گیا۔ پر اریطہ بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹی۔ اس کے سر پر سیب، انجیر، خشک گوشت اور پنیر سے بھری ہوئی ایک ٹوکری تھی۔
اریطہ عمیر کے گھوڑے کے پاس آئی ——— خرجین کھولنے کے لیے جب اس نے اپنا ہاتھ اندر ڈالا تو اس نے دیکھا خرجین میں مکئی کی خشک روٹی اور ستو تھے۔ اریطہ اداس ہوگئی شاید اس خیال سے کہ عمیر کو کھانے کے لیے ایسی سادہ خوراک میسر ہے پھر اس نے ان خیالات کو جھٹک دیا اور ٹوکری کی ساری چیزیں عمیر کے گھوڑے کی خرجین میں ڈال کر دوبارہ وہ عمیر کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ عمیر نے ایلینہ سے اجازت لی۔ ایک الوداعی نگاہ اریطہ پر ڈالی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اریطہ خالی ٹوکری ہاتھ میں لیے کسی بوسیدہ مجسمے کی طرح اداس کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔
صیدا بین سے نکل کر عمیر اس شاہراہ پر آ کھڑا ہوا جو وہاں سے نیشاپور کی طرف جاتی تھی۔ ابونواس اور ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔
تم دونوں اب یہاں سے اپنی پوری رفتار کے ساتھ قزوین کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہاں کچھ دن رک کر آرام کر لینا۔ وہاں سے سمرقند اور وہاں سے کوہستان الطائی اور صحرائے گوبی کے راستے دشتِ تاتار کی طرف چلے جانا۔ حاضر دماغی اور دانشمندی سے اپنا فریضہ ادا کرنا میں اور سب ساتھی یہاں تم دونوں کی واپسی کا بے تابی سے انتظار کریں گے۔ یاد رکھو تم دونوں میرا دایاں بازو ہو اور میں دل پر پتھر رکھ کر تم دونوں کو الوداع کہہ رہا ہوں۔ میں تم دونوں کا ایسی ہی بے تابی سے انتظار کروں گا جس طرح پیاسا بطخ بیتابی سے پانی کو تلاش کرتا ہے اور ابونواس تم اپنی خرجین میری خرجین سے بدل لو۔ اریطہ نے اس میں کھانے کی کافی چیزیں ڈال دی ہیں۔ راستے میں یہ تم دونوں کے کام آئیں گی۔
ابونواس نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

اس میں تھوڑا سا حصہ ہمیں دے دیں باقی آپ لے جائیں۔
نہیں تم سب یہ چیزیں رکھ لو۔ ہمیں راستے کی سراؤں سے کھانے کو بہت کچھ مل جائے گا۔
ابونواس نے عمیر کے قریب آتے ہوئے کہا۔
کیا یہ آپ کا حکم ہے؟۔
حکم سمجھو یا ایک بھائی کی التجا۔ بہرحال تم دونوں یہ سب چیزیں ساتھ لے جاؤ۔ اس میں میری خوشی اور خواہش ہے۔
ابونواس نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ عمیر کی خرجین سے اپنی خرجین بدل لی۔
عمیر ہشام اور جابر نے ابونواس اور ہوازن سے باری باری مصافحہ کیا اس کے بعد وہ جدا ہوئے اور مختلف سمتوں کو اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابونواس اور ہوازن کا رُخ قزوین شہر کی طرف تھا۔ عمیر اور اس کے ساتھی اپنے مسکن کی طرف جا رہے تھے۔

ابونواس اور ہوازن قزوین شہر میں دو دن رکنے کے بعد پھر اپنے سفر پر روانہ ہوئے پہلے بخارا آئے وہاں سے سمرقند اور پھر آگے انہوں نے اپنا رُخ شمال مشرق کی طرف کر لیا۔ اس طرح کوہستان الطائی کی طرف جانے کے لیے وہ شاہراہ ریشم[1] پر چڑھ گئے۔
کاشغر سے آگے اس جگہ جہاں کوہستان الطائی اور صحرائے گوبی ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں انہیں شمال کی طرف مڑ کر اس شاہراہ پر چڑھنا تھا جو یورپ کے دریائے وولگا اور

---

[1] یہ ریشم کی تجارت کی قدیم شاہراہ تھی۔ اس راستے مشرقی کار ریشم مغربی ممالک کو جاتا تھا یہ ریشم گہرے قرمزی رنگ میں رنگا جاتا اور اکثر پالمیرا کے تاجروں کے ہاتھوں فروخت ہوتا تھا۔ یہ شاہراہ چین کے دریا ہوانگ ہو سے شروع ہوتی تھی صحرائے گوبی کی طوفانی ہواؤں اور املی کے درختوں میں ہوتی کاشغر کی طرف آتی۔ یہاں یہ شاہراہ دو حصوں میں تقسیم ہوتی تھی ایک حصہ جسے جنوبی شاخ یا جونان لو کہتے تھے دنیا کی چھت (کوہ ہندوکش) سے گزرتی ہوئی سرد اور دیودار سے لدی ہوئی کشمیر کی وادی میں داخل ہوتی تھی۔ دوسری شاخ سمرقند کے قریب سے گزر کر گبند کے شہر مرو سے گزرتی ہوئی بحرہ قزوین کے نیچے آتی۔ یہاں یہ پھر دو حصوں میں تقسیم ہوتی تھی ایک حصہ قفقاز سے ہوتا ہوا بحرہ اسود اور دوسرا ملک شام سے گزر کر بحرہ روم کی طرف چلا گیا تھا۔

یورال سے لے کر دشتِ تاتار کے مشہور دریا کیرولان تک جاتی تھی اور پھر وہاں سے شمال کی طرف یہ سڑک تاریوں کی مشہور جھیل[1] بیکال تک چلی گئی تھی۔

لیکن یہاں آ کر وہ بھٹک گئے۔ چونکہ اس جگہ یہ شاہراہ طوفان کے خیابان میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے راستے کا صحیح تعین رات کے وقت نہ کر سکے اور صحرا کے اندر تک چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا ان کے سامنے افق تک گوبی کا ریگ اور بنجر صحرا پھیلا ہوا تھا۔ اس صحرا کی مٹی جلی ہوئی تھی اور ہر وقت آندھیاں اٹھتی رہتی تھیں۔ صحرا کے اندر اگر کوئی چیز اگتی تھی تو وہ صرف خاکستری رنگ کی املی اور نازک نازک خاردار جھاڑیاں جو صرف اونٹوں کی خوراک ہو سکتی ہیں اور جانوروں کی نہیں۔ اس صحرا میں شمال کی طرف جاتے ہوئے اگر کوئی مڑ کر دیکھے تو دور افق پر نیلے رنگ کے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ ان کی طرف کتنا بھی سفر کرتے جاؤ نزدیک نہیں آتے۔ کیونکہ مسافر صحرا کی بھول بھلیوں میں ہی گھومتا رہتا ہے۔ یہ پہاڑ تبت کی سطح مرتفع ہیں۔

دو دن تک وہ صحرا میں بھٹکتے رہے۔ ان کے پاس جو پانی تھا وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے صحرا سے نکلنے کی جدوجہد تیز کر دی تھی۔ تیسرے روز وہ صحرا کے اندر جا رہے تھے کہ زور کی سیاہ آندھی اٹھی اور صحرا میں ہر طرف ریت ہی ریت اڑنے لگی۔ ابونواس اور ہوازن کو کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ انہوں نے چہرے پوری طرح ڈھانپ رکھے تھے اور ایک دوسرے کو آوازیں دے کر قریب قریب رہتے ہوئے سفر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کوئی آدھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ابونواس کے کانوں میں ایسی آواز ٹکرائی جیسے گوبی کے اندھے اور بے حد و کنار صحرا کے اندر دور دور تک پراسرار ڈھول بجنے لگے ہوں اور اس کے ساتھ ریت کچھ اس طرح فضا میں اڑی جیسے صحرائے گوبی آسمان کو اٹھنے لگا ہو۔ ابونواس نے ہوازن کو پکارا مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ابونواس

---

[1] سائبیریا کے میدان کبیر کے جنوب میں ایک وسیع جھیل جہاں جاڑوں میں ٹنڈرا کے برف زار سے مختلف پرندے نقل مکانی کرتے اور تاتاری بڑے شوق سے ان کا شکار کھیلتے تھے۔

[2] صحرا کے اندر جب ریت کی چٹانیں پھٹتی ہیں تو ڈھول بجنے کی سی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

پریشان ہو گیا۔ اور اپنا گھوڑا ایک چکر کی صورت میں دوڑاتے ہوئے وہ زور زور سے پکارنے لگا۔

ہوازن! ہوازن! ہوازن!

لیکن اس کی آواز صحرائے گوبی کی وسعتوں میں کھو کر رہ گئی تھی اور ہوازن کی آواز سنائی نہ دی تھی۔ ابونواس نے اپنے گھوڑے کو اس سمت دوڑایا جس طرف سے آخری بار ہوازن کی آواز سنائی دی تھی اور اس طرف ہی چٹان ٹوٹی تھی۔ ابونواس نے اپنی آنکھوں سے نقاب ہٹا دیا اور ہوازن کو ڈھونڈنے لگا۔ ایک جگہ وہ رک گیا۔ اور گھوڑے سے نیچے کود گیا۔ سامنے ہی ہوازن کا گھوڑا کھڑا تھا۔ لیکن ہوازن وہاں نہ تھا۔

ابونواس بے چین اور بے کل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک جگہ گھوڑے سے قریب ہی اسے ہوازن کی عبا کا ایک حصہ دکھائی دیا۔ ابونواس بھاگتا ہوا وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ ہوازن ریت کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ابونواس نے عبا کا پلو جب اوپر اٹھایا تو نیچے ہوازن کا سر دکھائی دیا اس نے بیتاب ہو کر ہوازن کی ناک پر ہاتھ رکھا۔ ہوازن زندہ تھا۔ اور سانس کی گردش جاری تھی۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ابونواس نے ریت کے اندر ہاتھ ڈال کر ہوازن کو اس کے دونوں شانوں سے پکڑا اور ریت سے باہر کھینچ لیا۔

ابونواس پیچھے ہٹا۔ اپنے گھوڑے سے بندھا ہوا مشکیزہ دیکھا لیکن اس میں ایک بوند پانی نہ نکلا۔ ناچار وہ ہوازن کے گھوڑے کی طرف گیا لیکن اس کا مشکیزہ بھی خالی تھا وہ پھر اپنے گھوڑے کے پاس آیا خرجیں سے تین سیب نکال کر اپنے رومال میں لپیٹ کر انہیں اپنے بائیں گھٹنے پر رکھا اور پھر ان پر زور زور سے مکّے مار کر وہ سیبوں کو کوٹنے لگا جب سیب باریک ہو کر اور ان میں سے رس نکل کر رومال کو بھگونے لگا تو وہ اٹھ کر ہوازن کے پاس آیا۔ دونوں ہاتھوں سے خوب دبا کر سیبوں کا رس ہوازن کے منہ میں نچوڑا ہوازن نے آنکھیں کھول دیں اور ابونواس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کیا میں زندہ ہوں۔ یا محشر برپا ہو چکا ہے؟

ابونواس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

تم زندہ ہو ہوازن۔ صحرائے گوبی ابوتواس سے اس کا ساتھی اور بھائی نہ
چھین سکتا۔

ابوتواس نے ہوازن کا سر اپنی گود میں لیتے ہوئے پوچھا۔

تمہیں کیا ہو گیا تھا ہوازن! اور یہ صحرا میں بھیانک آوازیں کیسی ابھری

ہوازن نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

تیز آندھی کے باعث ریت کی چٹان ٹوٹی تھی۔

تم زخمی تو نہیں ہوئے۔

نہیں۔ ہوازن سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ میں ٹھیک ہوں۔

ابوتواس پھر اٹھا۔ پہلے کی طرح سیب کوٹ کوٹ کر ان کا رس ہوازن کو
اور خود بھی پیا۔ پھر دونوں وہیں بیٹھ کر سیب کھانے لگے۔ ان دونوں کے گھوڑے
بھوکے اور سخت پیاسے تھے۔ ابوتواس اٹھا اور دونوں گھوڑوں کو چارچار سیب
کھلا کر دوبارہ ہوازن کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ چند ساعتیں وہ وہاں بیٹھے رہے۔
کا طوفان اب کمزور پڑ گیا تھا تاہم وہ ابھی تک بے خبر تھے کہ ان کی منزل کس

ہوازن نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا۔

کاش عمیر ہمارے ساتھ ہوتا۔ تو وہ صحرا کی ریت اور خشک جھاڑیاں
کر بتا دیتا کہ ہم جیسے بھٹکے ہوئے اور ویرانہ نورد مسافروں کی منزل کس طرف ہے

ابوتواس نے بڑی عقیدت سے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو ہوازن عمیر ہمارے لیے دشمنوں کے سامنے پہاڑی نا
کا ایک مضبوط پتھر ہے وہ ایک شہباز ہے جو ہمارے آگے آگے اڑتا ہے۔ ہم
لیے وہ تکبیر کی نداؤں کا ایک شہر ہے جس کی صداؤں پر ہم بے دھڑک حملہ آور ہو

ہوازن نے مایوسی سے کہا۔

کیا اس صحرا سے نکلنا ممکن ہے؟

ہوازن کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ابوتواس کھڑا ہو گیا اور ذرا
ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

ادھر دیکھو ہوازن۔

ہوازن نے کھڑے ہو کر جب اس سمت دیکھا جدھر ابوتواس اشارہ کر رہا تھا۔
تواس نے دیکھا۔ ایک پرندہ فضاؤں میں اڑتا ہوا شمال مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ ابوتواس
نے چلا کر کہا۔

ہوازن جدھر یہ پرندہ جا رہا ہے ادھر ضرور کوئی آبادی ہے ہمیں فوراً اس
کے تعاقب میں لگ جانا چاہیئے۔ تم اگر اپنے گھوڑے پر سفر نہ کر سکو تو میرے پیچھے بیٹھ جاؤ
یاد رکھو یہ لمحہ ضائع کرنے کا نہیں شاید قدرت ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔

ہوازن نے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

تم فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح اپنے حواس میں ہوں۔ تم اپنے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔

دونوں سوار ہوئے اور اس سمت گھوڑے دوڑانے لگے۔ جدھر وہ پرندہ جا رہا تھا۔ جوں
جوں وہ ادھر جا رہے تھے اندھے صحرا کا طوفان کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ لگاتار آگے
بڑھتے رہے شام سے ذرا قبل وہ دونوں خوشی سے زمینوں پر اچھل پڑے۔ ریت ختم
ہو گئی تھی اور اب ان کے سامنے چکنی مٹی کا وسیع میدان تھا جس کے اندر ہری ہری
گھاس تھی۔ جب وہ اور آگے بڑھے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی ان کے سامنے نیلے
شفاف اور میٹھے پانی کی ایک جھیل[1] تھی اور دائیں طرف ایک کارواں شمال مغرب
کے رُخ پر جا رہا ہے۔ یہ وہی شاہراہ تھی جو تاتاریوں کے دشت کی طرف جاتی تھی۔
دونوں نیچے اترے گھوڑوں کو چرنے اور پانی پینے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ خود بھی وہ جھیل کے
کنارے بیٹھ گئے۔ جی بھر کر پانی پیا وہیں رومال بچھا کر انہوں نے اپنے سامنے خشک
گوشت، پنیر اور انجیر رکھے۔ اور اطمینان سے بیٹھ کر دونوں کھانے لگے۔ ایک رات
دونوں نے وہیں رک کر قیام کیا۔ ان کے گھوڑے بھی تازہ دم ہو گئے تھے اور اگلے روز
وہ پھر شمال مشرق کی طرف اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

❁

کوہستان الطائی میں سے گزر کر صحرائے گوبی کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ

---

[1] صحرائے گوبی کے اطراف میں کئی جھیلیں ہیں جن میں سے اکثر کھاری ہیں (ہیئر لڈ لیم)

سفر کرتے ہوئے ایک روز ابونواس اور ہوازن دشت تاتاریں داخل ہو رہے تھے۔ جب وہ ایک بہتے ہوئے چشمے کے پاس سے گزر رہے تھے تو دونوں رُک گئے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ دونوں وہاں بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔

اس وقت جب کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ تاتاریوں کا خاقان اوغدائی خان اور اس کا بڑا بھائی چغتائی وہاں سے گزرے ان کے ساتھ کچھ سپاہی بھی تھے۔ چغتائی نے جونہی انہیں وضو کرتے دیکھا۔ اس نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اوغدائی سے کہا۔ ان دونوں کو قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ یاسا[1] کی رو سے گرمیوں میں بہتے پانی میں ہاتھ منہ دھونا قانون کے خلاف تھا۔ اس کے علاوہ چغتائی کو مسلمانوں سے نفرت بھی تھی۔

چغتائی کی نسبت اوغدائی رحم دل تھا اس نے کہا ٹھہرو میں پہلے ان سے بات کر لوں اس نے گھوڑا آگے بڑھایا ان دونوں کے پاس آ کر نیچے اترا اور ابونواس کے پاس کھڑے ہوتے پوچھا۔

تم کون ہو؟

ابونواس نے سر گھما کر اسکی طرف دیکھا اور بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

ہم دونوں پہلوان ہیں اوغدائی خان کے پہلوانوں سے مقابلہ کرنے مصر سے آ رہے ہیں۔ ہم نے سنا ہے وہ اچھے پہلوانوں کی قدر کرتا ہے۔

اوغدائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

---

[1] یاسا۔ چنگیز خاں کا مرتب کیا ہوا ایک ضابطہ اخلاق تھا جسے تاتاری صحیفہ آسمانی کی طرح مقدس جانتے تھے۔ یاسا کی رو سے حرام کاری، عمداً دروغ گوئی اور جادوگری کی سزا موت تھی۔ آگ اور راکھ میں پیشاب کرنا، بہتے پانی میں کپڑے دھونا منع تھا۔ پاک ناپاک میں کوئی فرق نہ تھا۔ یاسا کے مطابق ہر مذہب کی عزت کی جاتی تھی کسی مذہب کا پابند ہونا ضروری نہ تھا۔ بہار اور گرما میں بہتے پانی میں گزرنا منع تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ آگ اور ہوا کی دیویاں ناراض نہ ہوں۔ بغیر حکم کے جنگ سے بھاگنے کی سزا بھی موت تھی۔

اگر تم دونوں پہلوان ہو تو میں تمہیں مرنے نہ دوں گا۔ سنو میرے ساتھ میرا بڑا بھائی چغتائی ہے۔ وہ تم دونوں کے قتل کا ارادہ کر چکا ہے کیونکہ ہماری مقدس کتاب یاسا کی رو سے گرمایں بہتے پانی میں ہاتھ دھونے کی ممانعت ہے۔ اوغدائی نے اپنے لباس کے اندر سے چاندی کی ایک سلاخ نکالی اور اسے ان کے سامنے پانی کے اندر گراتے ہوئے کہا۔

کل تمہیں جب میرے سامنے پیش کیا جائے تو تم دونوں یہ کہنا کہ ہم پانی میں ہاتھ منہ نہ دھو رہے تھے بلکہ چاندی کی وہ سلاخ ڈھونڈ رہے تھے جو ہم سے پانی میں گر گئی تھی۔

اوغدائی واپس آیا اور اپنے بڑے بھائی چغتائی سے کہا۔ بہتر یہی ہے کل انہیں میرے سامنے پیش کیا جائے پھر ان کا بیان سن کر انہیں سزا دی جائے اور یہی عدالت کا طریقہ کار بھی ہے۔

تاتاری سپاہی ابونواس اور ہوازن کو پکڑ کر لے گئے۔ اور انہیں ایک ایسے خیمے میں بند کر دیا گیا جس کے گرد سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ دوسرے روز انہیں وہاں سے نکالا گیا۔ اور ایک ایسے بڑے اور رنگین خیمے میں لایا گیا جہاں اوغدائی اور چغتائی دونوں بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ اوغدائی نے بڑے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

تم دونوں چشمے کے بہتے پانی میں ہاتھ منہ کیوں دھو رہے تھے۔

ابونواس نے فوراً اپنی بریت میں کہا۔

بڑے خاقان! ہم وہاں ہاتھ منہ نہ دھو رہے تھے بلکہ ہم سے وہاں چاندی کی ایک سلاخ گر گئی تھی وہ ڈھونڈ رہے تھے اوغدائی نے اور زیادہ برہم ہو کر کہا۔

بوگدو[2] کی قسم اگر یہ جھوٹ ہوا تو تم دونوں کو زندہ دفن کر دوں گا۔ اوغدائی نے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ وہاں جا کر چاندی کی سلاخ ڈھونڈیں۔ سپاہی چلے گئے اور وہ دونوں خیمے کے اندر ہی کھڑے رہے تھوڑی دیر بعد سپاہی واپس لوٹے ان کے ہاتھ میں چاندی کی ایک سلاخ تھی اور انہوں نے تصدیق کی کہ یہ سلاخ وہیں سے ملی ہے جہاں یہ دونوں ڈھونڈ رہے تھے۔

---

[1] ہیرالڈلیم نے تاتاریوں کی یلغار میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

[2] مغل چنگیز خاں کو بوگدو سمجھتے تھے۔ بوگدو۔ یعنی جاودانی آسمان کی ایک روح۔

اوغدائی نے یہ حجت پیش کی چونکہ مجرم غریب ہیں اس لیے بہتے پانی میں ان کا اپنی چاندی کی سلاخ کو تلاش کرنا ناجائز نہیں اور اس طرح انہیں معاف کرتے ہوئے اپنے پاس سے چاندی کی دس سلاخیں اور انعام میں دیں۔

اب وہ مسکرا رہا تھا۔ شاید اپنی اس ترکیب پر خوش تھا۔ ابلواس سے اس نے پھر پوچھا۔

تم دونوں ہمارے دشت میں کس غرض سے آئے ہو۔

ہم پہلوان ہیں اور خاقان کے پہلوانوں اور تیغ زنوں سے مقابلہ کرنے آئے ہیں

کہاں سے آئے ہو؟

مصر سے

مقابلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو۔ ہمارے پاس ایک ایسا پہلوان ہے جو بڑے بڑے طاقت ور اور ناقابلِ شکست پہلوانوں کی پسلیاں توڑ چکا ہے۔ اس کا نام پیلہ[1] ہے۔

ابلواس نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔

میں خاقان کے سامنے اسے اس طرح رگیدوں گا جس طرح ۔۔۔ جس طرح شیر اپنے شکار کو بھنبھوڑتا ہے۔ اوغدائی نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

اپنی کچھ صفات کہو۔

ابلواس نے دونوں مٹھیاں سختی سے بھینچتے ہوئے کہا۔

میں سپاہی کے سر پر رکھے خود پر مکا ماروں تو اسے دہرا کر کے رکھ دوں میرا باپ شمالی افریقہ میں ریچھوں سے کشتی لڑنے کا پیشہ کرتا تھا۔ میں بھی ہر قسم کے ریچھ سے

---

[1] اوغدائی نے ایران سے پہلوان منگائے تھے۔ صرف مضاف سے تیس پہلوان آئے تھے جن میں ایک پہلوان پیلہ نامی تھا۔ وہ بڑا تنومند اور طاقت ور تھا۔ اس نے دشت کے سب پہلوانوں کو ہرا دیا تھا۔ اور ایک تاتاری فوجی سردار کی پسلیاں چور چور کر دی تھیں۔ اوغدائی نے ایک خوبصورت کنیز پیلہ کو انعام میں دی۔

(ہیرالڈلیم)

کشتی لڑ کر اسے نیچا دکھا سکتا ہوں۔ کیسی بھی تلوار ہو میں اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر توڑ سکتا ہوں۔

اوغدائی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

جاودانی آسمان کی قسم اگر تم ایسے ثابت ہوئے تو میں تمہیں ایسی عزت دوں گا جس کا تم گمان بھی نہ کر سکو گے۔ کیا تمہارا ساتھی بھی پہلوان ہے۔

ہاں خاقان! یہ بھی پہلوان ہے۔ تلوار کے فن میں اسے کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا اس کی تلوار میں شرارے اور جسم میں برق ہے۔

اوغدائی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

تم دونوں نے یہ فن کس سے سیکھا۔

اپنے استاد سے جو ایک عقاب ہے۔ ہمارے درمیان پرواز کرتا ہے۔ شکار بھنبھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور تھک کر کہیں قیام نہیں کرتا۔ وہ کوہساروں کی طرح سخت اور شیر کی طرح بہادر ہے۔ وہ جب اپنے دشمن پر ضرب لگاتا ہے تو زمین کا سینہ دہل جاتا ہے۔

اوغدائی نے بڑے شوق سے پوچھا۔

اس کا نام کیا ہے۔

اس کا نام عمیر ہے اور وہ نیلی آنکھوں والا ایک عرب ہے۔

وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔

وہ بیمار تھا اس لیے ہمارے ساتھ نہ آ سکا۔

تمہارا اور تمہارے ساتھی کا کیا نام ہے۔

میرا نام ابلواس ہے اور میں بربری ہوں۔ میرے ساتھی کا نام ہوازن ہے اور یہ ترک ہے۔

تم دونوں سفر کے باعث تھکے ہوئے ہو۔ ایک ہفتہ آرام کرو۔ پھر تمہارے مقابلہ کا انتظام کیا جائے گا۔ اس دوران تمہیں کھانے کو وہی ملے گا جس کی تم خواہش کرو گے اور تم ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ہمارے خیموں میں رہو گے۔

اوغدائی کھڑا ہوگیا اور سپاہی ابونواس اور ہوازن کو بڑی تکریم کے ساتھ خیمے سے باہر لے گئے۔

●

اوغدائی، گہرے شفاف اور نیلے پانیوں والی جھیل بیکال کے کنارے اپنے زرنگار خیمے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا خیمہ تھا۔ جو باہر سے سونے کے ساتھ منقش تھا اور جس کے اندر دیواروں پر قیمتی غالیچے لٹک رہے تھے۔ اس خیمے میں ہزاروں آدمی جمع ہو سکتے تھے۔ اور اس کا نام سیرالاردو[1] (سنہری لشکر) رکھا گیا تھا۔

جھیل کے کنارے آبی پرندے جمع ہو رہے تھے۔ جنگلی مرغابیاں اور لمبی لمبی گردنوں والے سارس ٹنڈرا کے علاقے میں اپنے موسم گرما کے مسکنوں کو خیرباد کہہ کر چلاتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ آندھی کے تیز اور طوفانی جھکڑوں کے اندر ریت کے گراؤ زار اڑ رہے تھے۔

اوغدائی گھوڑی کے دودھ کو سڑا کر بنائی شراب پی رہا تھا۔ اس کے بائیں طرف اس کی بیوی تورا کینہ بیٹھی ہوئی تھی اور دائیں طرف اس کا بڑا بھائی اور دشت کا گھوڑا چغتائی[2] بیٹھا تھا۔ دائیں طرف ہی ذرا ہٹ کر اوغدائی اور چغتائی کے سب سے چھوٹے بھائی تولائی[3] کی بیوی سیورقطنی بیگی[4] اور اس کے دائیں بائیں اس کے چاروں بیٹے منگو قبلائی

---

[1] سیرالاردو

[2] مغل زبان میں چغتائی کے معنی گھوڑا ہیں۔ [3] دس ہزار سپاہیوں کا سالار

[4] اوغدائی خان ایک جنگ سے لوٹتے ہوئے دیار چین عبور کرتے ہوئے بیمار ہوگیا تھا۔ دشت کے چادوگروں نے اسے نہلایا تاکہ اس کی بیماری دور ڈالیں۔ تولائی نے وہ پانی پی لیا جس سے اوغدائی کا جسم دھویا گیا تھا۔ اسے اوغدائی سے سخت محبت تھی اور وہ اوغدائی کی بیماری پی کر اسے صحت مند دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے جادوانی آسمانی سے التجا کی کہ وہ اپنی طاقت سے اوغدائی کو اچھا کر دے اور اس کے بدلے مجھے لے لے۔ کہتے ہیں اوغدائی تندرست ہو گیا۔ اور تولائی خاں مر گیا۔

[5] بیگی فارسی کے لفظ بیکی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں شہزادی۔

ہلاکو اور ادیق بوغا بیٹھے تھے۔ سیورقطنی بیگی بہادر اور ذہین عورت تھی۔ اس کا تعلق ترک نسل کے کرائت قبیلے سے تھا۔ وہ بے حد حسین اور ذکی تھی۔ دائیں طرف ہی ذرا اور آگے چنگیز خان کا بہادر مصروف اور ہر دلعزیز جرنیل سوبودائی بیٹھا تھا۔ درمیان میں کشتی کے لیے جگہ خالی تھی اور ارد گرد لاکھوں تاتاری مرد اور عورتیں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سوبودائی کے بائیں ہاتھ لکڑی کا ایک پنجرہ رکھا تھا جس میں دشت کا ایک خونخوار ریچھ بند تھا۔ اوغدائی نے شراب پیتے پیتے جام اوپر اٹھاتے ہوئے ذومعنی انداز میں سوبودائی کی طرف دیکھا اور سوبودائی نے اپنے قریب بیٹھے تومان باشی[1] سے پہلوانوں کو اکھاڑے میں لانے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد تاتاری دشت کا رستم پیلہ اور ابونواس کو سوبودائی کے پاس لایا گیا۔ ابونواس چمڑے کا لنگوٹ بنیان پہنے ہوئے تھا۔ سوبودائی کھڑا ہوا اور دونوں کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اس نے کہا۔

ہتھیار استعمال کرنے کے سوا تمہیں ایک دوسرے کو ہر طرح سے مارنے، رگیدنے اور پچھاڑنے کی اجازت ہوگی۔ کشتی کا فیصلہ خاقان خود کرے گا۔ اب تم دونوں میدان میں اتر کر کشتی شروع کرو۔

پیلا میدان میں اترا اور چکر لگانے لگا۔ ابونواس میدان کے اندر جا کر کعبہ کی طرف منہ کر کے سربسجدہ ہوا اور بڑے عجز اور انکساری سے کہا۔

اے میرے رب! میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر ابونواس شیر کی طرح جست لگا کر اٹھا اور دھاڑتی ہوئی آواز میں تکبیر بلند کرتا ہوا پیلہ کی طرف بھاگا۔ پیلہ نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ابونواس کی چھاتی تن گئی تھی اپنا فولادی ہاتھ پیلہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔

اس کے نام جس نے محمدؐ کو ہم گناہ گاروں کے لیے ہدایت کا شمع اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا سوبودائی کے قریب ہی بیٹھا ہوا ہوازن ابونواس کی ہر حرکت بڑے غور اور اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ اس طرح جیسے وہ سب کچھ اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو رہا ہو

ہاتھ جدا کرتے ہی پیلہ بڑی تیزی سے جھکا اور ابونواس کو اس کی کمر سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دینا چاہا لیکن اسی لمحہ ابونواس بھی حملہ آور ہو چکا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ

---

[1] تومان باشی کے معنی ہیں دس ہزار سپاہیوں کا سالار

جوڑے اور پوری قوت سے پیلہ کی گردن پر مارتے ہوئے سخت ضرب لگائی۔ پیلہ لڑکھڑاتا ہوا آگے گز پیچھے لڑھک گیا تھا۔

باہر بیٹھے ہوازن نے پوری قوت سے چلاتے ہوئے کہا۔

دشت کے بھیڑیے میرا مقابلہ ہمارے بربری شیر سے ہے اگر کہیں بھیڑیا شیر سے جیتا ہو تو آج تو بھی جیت جائے گا۔ ورنہ میرے کو ہمارا دل کا یہ شیر پھاڑ دے گا۔ ہوازن نے یہ الفاظ بلیغ عربی زبان میں کہے تھے لہٰذا تاتاری اسے سمجھ نہ سکے۔

ابونواس اور پیلہ پھر ایک دوسرے سے قریب ہوتے پیلہ نے ابونواس کی بغل کے نیچے ایک ہاتھ ڈالا اور دوسرا اس کی ٹانگ پر رکھ کر شاید اس نے ابونواس کو اٹھا کر پچھاڑ دینے کا ارادہ کیا تھا اس کے ساتھ ہی ساتھ ابونواس نے اپنا بایاں بازو پیلہ کی گردن کے گرد بائیں طرف سے گھمایا اور دوسرے ہاتھ سے پیلہ کی ران پکڑی تھی اب دونوں ہی ایک دوسرے کے داؤ سے بچنے کی خاطر زور لگا رہے تھے۔

دونوں زور آزمائی کرتے کرتے زمین پر بیٹھ گئے تھے۔ شاید وہ لمحہ دونوں کے لیے قیمتی تھا کہ وہ دونوں اپنے پکڑے ہوئے داؤ نہ چھوڑ رہے تھے۔ دفعتاً ابونواس نے اپنا دایاں گھٹنہ زور سے زمین پر مارا۔ اپنی پوری قوت جمع کر کے تکبیر بلند کی اور بیٹھے ہی بیٹھے پیلہ کو اٹھایا اور اپنے سر کے اوپر لہراتے ہوئے پیچھے پھینک دیا۔

اوغدائی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام خالی کرتے ہوئے اپنے پاس بیٹھے اپنے بھائی چغتائی سے کہا یہ بربری شاہین صفت ہے اس کی غراہٹ بھیڑیے جیسی اور حملہ کرنے کا انداز درندوں جیسا ہے یہ یقیناً پیلہ کو پچھاڑ دے گا۔

پیلہ زمین پر گرنے کے بعد ابھی اٹھ کر سیدھا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ابونواس تیزی سے مڑا درندے جیسی ایک لمبی جست لی اور پیلہ کو اپنے نیچے دبوچ لیا تماشائیوں کو محظوظ کرنے کی خاطر تھوڑی دیر تک وہ پیلہ کو اپنے نیچے رگیدتا رہا۔ پھر ایک جھٹکے سے اسے پچھاڑ دیا اور پیلہ کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

اوغدائی کے اشارے پر سوبودائی نے ابونواس کو پیلہ کی چھاتی سے اتارتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپتھپا کر کہا۔

بربری شیر! تم جیت گئے ہو آؤ خاقان تمہیں بلاتا ہے۔ سوبودائی کے ساتھ ابونواس اوغدائی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اوغدائی کھڑا ہوا اور ابونواس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تم نے اپنی جو صفات بیان کیں تھیں ان پر پورے اترے ہو۔ آج کے بعد ہمارے دشت میں تمہاری حیثیت ایک معزز مہمان کی ہوگی۔ اب تم اپنے ساتھی کو میدان میں اتارو اس کے مقابلے میں ہمارا تومان باشی آ رہا ہے۔

ابونواس ہوازن کے پاس آیا ہوازن کھڑا ہوا اور ابونواس کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ پیلہ دشت کی چٹان سمجھا جاتا تھا۔ تم نے اس چٹان کو اس طرح توڑا ہے جس طرح صحرائے گوبی میں تیز آندھی نے ریت کی چٹان کو توڑا تھا۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ ابونواس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب تم مسلح ہو کر میدان میں اترو۔ تمہارے مقابلے میں ایک تومان باشی آ رہا ہے۔ ہوازن علیحدہ ہوا۔ اپنے جسم پر ذرہ اس نے پہلے ہی پہن رکھی تھی سر پر خود رکھا۔ اپنی ڈھال اور چمکتی ہوئی وزنی تلوار لہرائی۔ ایک دبدبے اور وقار کے ساتھ وہ میدان میں اترا۔ مخالف سمت سے ایک مسلح تاتاری بھی میدان میں آ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ اور چمکتی ہوئی دو تلواریں ڈھالوں سے ٹکرا کر شور کرنے لگیں۔ تاتاری بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا جب کہ ہوازن نے ہلکے پھلکے وار کر کے اپنے آپ کو صرف گریز اور بچاؤ تک محدود رکھا ہوا تھا۔ اس موقع پر ارد گرد بیٹھے لاکھوں تاتاریوں کو یقین ہو چکا تھا کہ ان کا تاتاری جیت جائے گا۔ اوغدائی تک نے اپنے بھائی سے کہہ دیا۔

یہ ترک ہمارے تومان باشی سے مار کھا جائے گا۔ بشرطیکہ اس کے لڑنے کے اس طریقے میں کوئی راز پنہاں نہیں۔ صرف ابونواس ہی اس کی کارکردگی پر مسکرا رہا تھا۔

جب تاتاری میں تھکاوٹ کے آثار پیدا ہونے لگے ہوازن اس بھوکے شیر کی طرح بپھر گیا جس کی کچھار میں شکار خود بخود گھس آیا ہو۔ گریز، بچاؤ اور دفاع کے سارے حربوں کو خدا حافظ کہہ کر وہ جان لیوا حملوں پر اتر آیا تھا۔ یوں محسوس ہونے لگا تھا گویا اس کی تلوار سے شرارے اٹھ رہے ہوں اور کسی نے اس کے جسم میں برق بھر دی ہو۔

وہ ایسے خطرناک اور جان لیوا حملے کرنے لگا تھا جن کی اس سے امید تک نہ کی جا سکتی تھی۔

اس کی تلوار فضاؤں میں حملہ کرتی ہوئی سائیں سائیں کر رہی تھی۔ وہ اب اس تومان باشی کو اپنے آگے آگے یوں بھگا رہا تھا جس طرح بھوکے بھیڑیے کے سامنے کمزور اور بزدل لومڑی بھاگتی ہے۔

ہوازن ایک جگہ رکا۔ دو خطرناک وار تاتاری پر کیے جنہیں اس نے بڑی مشکل سے اپنی ڈھال پر لیا تھا۔ ہوازن نے آخری وار کرنے کے بعد اپنی تلوار اس کی ڈھال پر ہی رہنے دی اور اپنی ڈھال کے ساتھ تاتاری کے جسم کے مختلف حصّوں پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ تاتاری کو اپنی تلوار سے حملہ کرنے کی ہوش نہ رہی تھی اور ہوازن کی ڈھال کی ضربوں سے اس کے جسم پر زرہ ہونے کے باوجود اس کے دونوں شانے پھٹ گئے تھے۔ اور خون بہنے لگا تھا۔ ہوازن کی صرف چند اور ضربیں وہ برداشت کر سکا اور زمین پر گر گیا۔ ہوازن نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور میدان سے نکل کر ابونواس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ تاتاری سپاہی میدان میں داخل ہوتے اور اس تومان باشی کو اٹھا کر لے گئے۔

اوغدائی نے اشارے سے سوبودائی کو اپنے پاس بلایا اس کے کان میں کچھ کہا۔ اور اس نے واپس آ کر ابونواس سے پوچھا۔

خاقان پوچھتا ہے کیا تم دشت کے ریچھ سے ابھی لڑنے کو تیار ہو۔

ابونواس نے اپنی چھاتی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

ابھی اور اسی وقت تیار ہوں۔

تو پھر میدان میں جا کر کھڑے ہو جاؤ۔

ابونواس نے اپنے بازو پر چمڑے کے جوشن پہن لیے جن پر جگہ جگہ لوہے کی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پھر وہ میدان کے وسط میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ تاتاری ریچھ کا پنجرہ گھسیٹتے ہوئے میدان میں لے آئے۔ بیس مسلح تاتاری سپاہی ابونواس اور ریچھ کے پنجرے کے گرد اس احتیاط کے تحت حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے تھے کہ مبادا ریچھ میدان سے نکل کر تماشائیوں پر حملہ کر دے۔

جونہی پنجرے کا دروازہ کھلا اور ریچھ غراتا ہوا باہر نکلا ابونواس نے اسے برہم

اور برانگیختہ کرنے کے لیے اس کے نتھنوں پر زور کا ایک مکا مارا۔ ریچھ فوراً پچھلے دونوں پنجے ہوا میں مارتا ہوا ابونواس پر حملہ آور ہوا۔

ابونواس آگے بڑھا۔ اپنا بایاں بازو جس پر لوہے کی پتریاں لگا ہوا جوشن چڑھا ہوا تھا ریچھ کے منہ میں ڈال دیا۔ ریچھ لوہے کی پتریاں چبانے لگا اور اسی دوران میں ابونواس نے کئی سخت اور فولادی مکے ریچھ کے پیٹ کے نیچے نازک حصے میں مارے ریچھ بری طرح بلبلا اٹھا تھا۔

ابونواس اب بڑی تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ اس نے ریچھ کے کندھوں پر جماتے ہوا میں اچھل کر اس کے اُوپر سے لہراتا ہوا ریچھ کے پیچھے آیا اپنے دونوں ہاتھ سختی سے اس کی گردن کے گرد لپیٹ کر وہ اس کی ریڑھ کی ہڈی پر اپنے آہنی گھٹنوں کی سخت ضربیں لگانے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ ریچھ نڈھال ہونے لگا ہے تو اس نے اپنے دونوں بازوؤں کا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ریچھ کا گلا گھونٹ کر اسے ختم کر دیا اور میدان سے باہر نکل آیا۔ سوبودائی ایک بار پھر ابونواس اور ہوازن کو اوغدائی کے سامنے لے گیا۔ اوغدائی نے دونوں سے ہاتھ ملا کر مسکراتے ہوئے کہا

میں نے اپنے دل میں تم دونوں کا جو معیار مقرر کیا تھا تم دونوں اس پر پورے اترے ہو۔ میں تم دونوں کو اپنے لشکر میں تومان باشی کے عہدے پر فائز کرتا ہوں اور تاتاری لشکر میں ایک غیر تاتاری کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اب تم دشت میں آرام کرو۔ ایک ماہ بعد پھر تمہارے مقابلے ہوں گے۔ سوبودائی ان کی رہائش کا ایسا ہی بندوبست کرو جیسا ہمارے تومان باشیوں کا ہوتا ہے۔ اوغدائی اپنی بیوی اور بھائی کے ساتھ چلا گیا۔ تماشائی بھی اُٹھ کر اپنے اپنے خیموں کی طرف جانے لگے۔

اپنی جگہ واپس آ کر جونہی ابونواس نے کرسی پر پڑے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا کر پہننا چاہے ایک نوعمر تاتاری لڑکی اس کے قریب آئی۔ ایک رومال ابونواس کی چمڑے کی بنیان میں اڈستے ہوئے کہا۔

تمہاری کامیابی پر میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں۔

ابونواس نے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی جس کے

کیا؟

کوئی تاتاری لڑکی مسلمان بھی ہوسکتی ہے؟

میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ بہرحال بعد میں اس کی تصدیق کریں گے دونوں ایک ہی خیمے میں داخل ہوگئے۔

دوسرے روز شام سے پہلے ابونواس اور ہوازن اپنے خیمے سے نکلے۔ ان کے سامنے تاتاریوں کے مردم خیز دشت میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی بھیڑ کے سیاہ گنبد نما خیمے تھے۔ دشت میں اس وقت تیز آندھی چل رہی تھی۔ ہوا کی مار سے جھیل بیکال کا پانی جھاگ بن رہا تھا اور چھوٹی چھوٹی موجیں کناروں سے ٹکرا رہی تھیں۔

جب وہ دونوں دریائے کیرولان کے قریب طاقت کے پہاڑ برخان کالدون کی طرف جارہے تھے جس کے اوپر صنوبر کے گھنے درختوں کے اندر چنگیز خان کی قبر ہے تو انہوں نے دیکھا صحرائے گوبی کی طرف سے تاتاریوں کا کوئی کارواں دشت میں داخل ہورہا تھا۔ وہ سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایک قافلہ تھا جس کے پیچھے گرد کے بادل اٹھ رہے تھے۔ اونٹوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ آندھی کی ریت سے بچنے کے لیے ان کے منہ پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ کارواں کے اندر نقارے بج رہے تھے جو زینوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور نقارے بجا کر وہ ریگستان کے بھوتوں کو بھگاتے تھے۔

ابونواس اور ہوازن پھر آگے بڑھنے لگے۔ برفانی دیوتاؤں کی سرزمین ٹنڈرا سے مختلف انواع کے پرندے طاقت کے پہاڑ برخان کالدون پر صنوبر کے درختوں میں آکر پناہ لے رہے تھے۔ درختوں کے بیچوبیچ انہیں کسی کے گیت گانے کی آواز سنائی دی۔ کوئی گا رہا تھا۔ پرانے گیت۔ جنہیں وہ دونوں سمجھ نہ سکتے تھے۔ اس لیے کہ گانے والا دور تھا اور آواز مدھم سی تھی۔

بال اس کے گھٹنوں تک لمبے تھے جن میں اس نے سونے کے پھول گوندھ رکھے تھے۔ وہ بھیڑ کے چمڑے کے اونچی ایڑی والے جوتے اور شوخ رنگ کا چمڑے کا پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔ وہ صرف لمحہ بھر کو ابونواس کے سامنے رکی پھر برفانی رینڈیر کی طرح بھاگتی ہوئی دوسری عورتوں میں مل کر ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

ابونواس نے رومال اپنی بنیان کے اندر سے کھینچا۔ وہ ایک نہ کیا ہوا باریک کپڑے کا رومال تھا جس سے دھیمی دھیمی خوشگوار خوشبو اٹھ رہی تھی۔ رومال کو غور سے دیکھتے ہوئے ابونواس چونک پڑا۔ رومال پر اسے کوئی تحریر دکھائی دی تھی۔ ابونواس نے رومال کو کھول کر دیکھا۔ اس پر باریک رسم الخط کے ساتھ ترکی میں لکھا تھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ تم دونوں کی فتح یقیناً عظیم ہے لیکن اس سے تمہارے مخالفین میں حسد بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ اور وہ آمادہ فساد ہوکر تنہائی میں تم دونوں کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ اس لیے تم دونوں محتاط رہو۔ جہاں تمہارے حاسد ہیں وہاں تمہارے مداح بھی ہیں جو ہر لمحہ تم دونوں کی حفاظت کریں گے۔

ابونواس نے کپڑے پہنے اور خط کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اتنی دیر تک سوبودائی وہاں آگیا ان دونوں کو ساتھ لے کر وہ خیموں کے شہر میں آئے اور دونوں کے لیے دو ایسے خیموں کا بندوبست کیا گیا۔ جیسے تاتاری تومان باشی کا خیمہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں خیمے ان خیموں کے قریب تھے جن کے اندر چنگیز خان کے سب سے چھوٹے بیٹے تولائی خاں کی بیوہ سیورقطتی بیگی اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ رہتی تھی۔

سوبودائی جب انہیں ان کے خیمے دکھا کر چلا گیا تو ابونواس نے ہوازن سے کہا۔

جس لڑکی نے ہمیں محتاط رہنے کو کہا ہے اس کے الفاظ میں درد اور سچائی کی جھلک ہے۔ رات کے وقت اپنے اپنے خیمے میں سونے کے بجائے کیا ہمیں ایک ہی خیمے میں نہ سونا چاہیئے۔

ہوازن نے اس کی تائید کی۔ رات کو ہمیں ایک خیمے میں باری باری سونا چاہیئے اس لڑکی کی تنبیہ کے مطابق ہمیں ضرور محتاط رہنا چاہیئے۔ لیکن ایک بات میں نہیں سمجھ سکا۔

جب وہ چنگیز خان کی قبر کے پاس کھڑے تھے تو فضاؤں کو چیرتا ہوا، بھاری آہنی نوک کا ایک تیر ابونواس کے قریب آکر زمین میں پیوست ہو گیا۔ دونوں نے جب اس طرف دیکھا جدھر سے تیر آیا تھا تو وہاں وہی لڑکی کھڑی تھی جس نے انہیں محتاط رہنے کے لیے رومال پر خط لکھ کر دیا تھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا حسن لعل بدخشاں جیسا تھا اور اس کے چہرے پر حیات بخش مسکراہٹ تھی ہوا کے تیز جھونکوں میں صنوبر کے درخت تلے کھڑی وہ طائر فردوس لگ رہی تھی۔ پھر اس نے کمان کندھے پر لٹکائی اور رینڈیر کی طرح بھاگتی ہوئی گنبد نما خیموں کی طرف چلی گئی۔

ابونواس نے تیر کھینچا اس کے سر پر ایک کپڑا بندھا ہوا تھا جس پر یہ تحریر تھی۔

آج رات تم دونوں سیلور قطتی کے یورت (خیمہ) میں آؤ۔ وہ تم سے اہم بات کرے گی۔ جس میں تم دونوں کی بھی بہتری ہے۔ جب اندھیرا ہو جائے اور تمہارے خیموں کے سامنے سے جلتی ہوئی ایک مشعل گزرے اس مشعل کے پیچھے پیچھے تم دونوں سیلور قطتی کے یورت میں آجانا۔

ابونواس نے کپڑا تہ کر کے جیب میں ڈال لیا اور دونوں واپس چل دیئے جب وہ خیموں میں واپس آئے تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن ہو گئے تھے۔ جن کے گرد بیٹھ کر تاتاری بوڑھے داستان گوؤں سے بھیڑیئے کی نیلی مادہ کی منظوم کہانیاں سُن رہے تھے۔ جو ان کی مورث اعلیٰ تھی، کچھ داستان گو پرانے وقتوں کے ان انسانوں کی کہانیاں بیان کر رہے تھے جو خبیث ارواح سے لڑا کرتے تھے۔ ابونواس اور ہوازن وہاں رکنے کے بجائے اپنے خیمے میں چلے گئے۔

کھانا کھانے اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد ابونواس اور ہوازن اپنے خیمے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باہر قطب شمالی سے اُٹھ کر ٹنڈرا اور سائبیریا کے میدانوں سے ٹکرا کر آتی ہوئی برف کی سی ٹھنڈی ہوائیں شور مچا رہی تھیں۔ خیمے پھڑ پھڑا رہے تھے اور صنوبر کے بلند و بالا درخت ان بھیڑیوں جیسی آوازیں پیدا کر رہے تھے جس کے پیچھے خبیث روحیں ان کا شکار کرنے کو دوڑ رہی ہوں۔

ابونواس چونک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے اس کے خیمے پر آسمانی بجلی گر پڑی ہو۔ اسے خیمے سے باہر روشنی دکھائی دی تھی۔ ہوازن بھی کھڑا ہو گیا تھا دونوں خیمے کا پردہ کھول کر باہر نکلے۔ اُن سے تھوڑی دور آگے سیاہ رنگ کا ایک ہیولہ چلا جا رہا تھا اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی ایک مشعل تھی جو تیز ہوا میں پھڑ پھڑا رہی تھی اور بجھتے بجھتے پھر جل اٹھتی تھی۔ وہ دونوں اس مشعل بردار کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

چند خیموں کے پاس سے گزرنے کے بعد مشعل بردار ایک ایسے خیمے کے پاس رک گیا جو ایک مکان کی طرح بڑا اور وسیع تھا۔ وہ بھی اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ مشعل بردار جو ایک دراز قد تاتاری تھا رازدارانہ لہجے میں بولا۔

اندر چلے جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ابونواس اور ہوازن نے مشعل کی روشنی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کوئی فیصلہ کیا پھر اپنی تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ پردہ اٹھا کر خیمے میں داخل ہوئے۔

خیمے میں سامنے سیلور قطتی بیٹھی تھی اس کے دائیں طرف ایک ایسی عورت تھی جس کی شکل سیلور قطتی سے ملتی تھی اس عورت کے دائیں طرف دو لڑکیاں تھیں ان کی شکلیں بھی آپس میں ملتی تھیں۔ شاید بہنیں ہوں۔ ان میں سے ایک تو وہی تھی جس نے ابونواس اور ہوازن کو سیلور قطتی کے خیمے میں آنے کی دعوت دی تھی۔ دوسری کوئی اور تھی سیلور قطتی کے بائیں طرف اس کے چاروں بیٹے منگو، قبلائی، ہلاکو اور اویک بونما بیٹھے ہوئے تھے۔

ابونواس اور ہوازن جونہی خیمے میں داخل ہوئے سیلور قطتی کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے بھی کھڑے ہو گئے۔ سیلور قطتی نے آگے بڑھ کر دونوں کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے اپنے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میری بہن[1] ہے پھر اس نے ان دونوں لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے

---

[1] یہ وہی عورت ہے جس پر اوغدائی کے قتل کا شک کیا گیا تھا لیکن بعد میں ایک تاتاری سردار کے سمجھانے پر یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔

ہوتے کہا یہ دونوں میری بہن کی لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے وہ جو تمہیں پیغام پہنچاتی
ہے اس کا نام کولان ہے۔ دوسری اس سے چھوٹی ہے اور اس کا نام حمورا ہے۔ چ
برس قبل یہ دونوں بہنیں مسلمان ہوگئی تھیں تاہم میں اور میری بہن نستوری عیسائی
اس کے باوجود مجھے مسلمانوں سے ہمدردی ہے اور میں انہیں اچھا سمجھتی ہوں کیو
میں المالیق کے باغیچوں میں مسلمانوں کے اندر رہی ہوں اور وہیں میرے بچے تعلیم
پاتے رہے ہیں ـــ ابونواس نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

لیکن ہم دونوں کو کس مقصد کے تحت بلایا گیا ہے۔

سیورقطتی نے بغیر کسی تمہید کے کہہ دیا۔ تمہارے ساتھ ایک سودا کر
کے لیے۔

کیا سودا

ہمارا ایک لشکر عنقریب مغرب کی طرف حملہ کرنے کے لیے روانہ ہ
والا ہے اس میں چغتائی اور اوغدائی بھی اپنے لڑکوں کو روانہ کر رہے ہیں۔ میں چاہتی
میرا بیٹا منگو بھی اس لشکر میں ایک سالار کی حیثیت سے شامل ہو کر نام پیدا کرے
تم دونوں اس کے محافظ کے طور پر کام کرو اور اسے بہتر جنگی تربیت بھی دیتے ر

کیا اوغدائی ہمیں دشت سے نکلنے دے گا۔ وہ ساری زندگی ہم دو
اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے میں نے کئی بار اس سے واپس جانے کی اجازت لی مگ
نہیں مانا۔

لشکر کے ساتھ تم دونوں کو روانہ کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔

تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ایک سودا کرتا ہوں۔

کیا۔

مغربی مہم میں حصہ لینے کے بعد ہم دونوں قفقاز کے راستے مصر کی طرف
گھر روانہ ہو جائیں گے۔

کیا تم دونوں واپس یہاں آنا پسند نہ کرو گے؟

نہیں۔

تو پھر تمہیں اُسکی اجازت ہوگی۔

بس تو اب یہ سمجھ لو کہ ہم ہر جگہ تمہارے بیٹے کی حفاظت کریں گے۔ سیورقطتی
مطمئن دکھائی دے رہی تھی ابونواس ہوازن کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گیا۔ جب وہ
اپنے خیمے کے پاس آئے تو ان کے پیچھے کوئی بھاگتا ہوا آیا۔ انہوں نے مڑ کر جب دیکھا
تو وہ کولان تھی۔ قریب آکر ابونواس کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے میٹھی اور سہانی
آواز میں کہا۔

کیا کل صبح تم مجھے برخان کالدوں کی چوٹی پر ملو گے۔ پھر وہ واپس مڑی اور
بھاگتے ہوئے کہا میں وہاں تمہارا انتظار کروں گی۔ اندھیرے میں کولان جب ان کی
نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ دونوں بھی اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔

دوسرے روز ہوازن اپنے خیمے میں ہی رہا۔ تاہم ابونواس برخان کالدوں
کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ پہاڑ کی چوٹی پر گیا تو اس نے دیکھا وہاں ایک پتھر
پر کولان بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پہاڑ کے پس منظر میں دریائے کیرولان کی
سرکش موجیں کناروں سے سر ٹکرا رہی تھیں اور ان کی پشت پر جھیل بیکال کا نیلا اور
شفاف پانی چمک رہا تھا۔ کولان کے قریب آکر ابونواس نے پوچھا۔

تم نے مجھے یہاں کس لیے بلایا ہے۔

کولان نے اپنے سامنے ایک دوسرے پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔ بیٹھو پھر بتاتی ہوں۔

ابونواس بیٹھ گیا۔ کہو کیا بات ہے؟

کیا تم جانتے ہو میں مسلمان ہوں؟

ہاں مجھے علم ہے۔

تو پھر میں تم سے پوچھتی ہوں۔ تم اس دشت میں کس ارادے سے آئے ہو؟

ابونواس چونک پڑا۔ کیا مطلب؟

تم گھبرا کیوں رہے ہو۔ تمہارا راز افشا نہیں ہو سکتا۔ میں تمہاری رازدار رہوں گی
اور ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گی۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے۔

کیا تمہارا تعلق بغداد سے ہے۔

نہیں میرا بغداد سے کوئی تعلق نہیں۔

کیا تم قاہرہ کے جاسوس ہو؟

نہیں۔

تو پھر قلعہ الموت کے فدائی ہو گے؟

ہرگز نہیں۔

پھر تم کس مقصد کے تحت اس دشت میں داخل ہوئے ہو۔ اگر تمہارا یہاں آنے کا کوئی مقصد نہیں۔ تو پھر مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں سمجھوں گی تم نے مجھے مایوس کیا ہے اور مسلمان سو رہے ہیں جب کہ شاہ فرانس تاتاریوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اب تک راہبوں کے بھیس میں اپنے دو جاسوس بھیج چکا ہے۔

میرا یہاں آنا ایک راز ہے۔

کولان نے چونک کر پوچھا۔ کیا تم مجھے اس راز سے آگاہ نہ کرو گے۔

یہ راز صرف میں ایسی لڑکی سے کہہ سکتا ہوں جو میری بیوی بننا پسند کرے اور یہ راز صرف راز ہی نہیں ایک انوکھی داستان بھی ہے۔

اگر میں تمہاری بیوی بننا پسند نہ کروں پھر؟

پھر یہ انوکھی داستان اپنے سینے میں چھپاتے میں مصر کی طرف لوٹ جاؤنگا جہاں میرا آقا کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا میرا انتظار کر رہا ہو گا۔

کیا تم غلام ہو؟

نہیں۔

پھر تم نے اپنے کس آقا کا ذکر کیا ہے۔

وہ میرا آقا ہی نہیں۔ میرا محسن، میرا دوست اور میرا بھائی بھی ہے۔

کیا وہ کوئی مشہور ہستی ہے؟

ہاں وہ ایک بے بدل جرنیل ہے جب وہ اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کی تلوار کی ضرب سے زمین کا سینہ دہل جاتا ہے۔ جنگل میں سفر کرتے ہوئے وہ کائی،

گھاس اور جھاڑیاں سونگھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ کس مقام پر ہے۔ وہ ایک ایسا شیر ہے جو اپنے جنگل کے سارے جانوروں کی حفاظت کرتا ہے وہ ایک عقاب ہے جس کی پرواز لامتناہی ہے۔ تم اسے میری قوم کا ایک گمنام مجاہد کہہ سکتی ہو۔

کیا وہ تم سے بھی طاقت ور ہے؟

ہاں۔

کولان نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

اگر میں تمہاری بیوی بننا پسند کروں۔ تو کیا تم وہ انوکھی داستان مجھ سے کہہ دو گے۔

ضرور کہہ دوں گا۔

تو پھر سنو ابونواس! میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ اور میری چھوٹی بہن تمہارے ساتھی سے محبت کرتی ہے۔ کیا اب وہ انوکھی داستان تم مجھ سے کہہ دو گے۔

پہلے میرے چند سوالوں کا جواب دو۔

پوچھو

اگر کبھی تاتاری مسلمانوں سے ٹکرائیں تو تمہارے جذبات کیا ہوں گے۔

سنو! میں پہلے مسلمان ہوں پھر تاتاری۔ ایسی اگر کوئی جنگ ہو تو میری ہمدردیاں اپنی مسلم قوم کے ساتھ ہوں گی۔ اوغدائی تاتاریوں کا خاقان اور میرا رشتہ دار ہے۔ لیکن میری نگاہوں میں ایک حقیر ترین مسلم سپاہی اوغدائی سے زیادہ افضل اور عزیز ہے۔ سنو ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ملتِ اسلامیہ سے ایک رشتہ ہے۔ ایک ایسا ناطہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ جب تم دشت میں داخل ہوئے تھے اور مجھے خبر ہوئی تھی کہ دو مسلم پہلوان مقابلے کی غرض سے دشت میں داخل ہوتے ہیں تو یقین جانو میں اور میری چھوٹی بہن رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں تم دونوں کی کامیابی کے لیے دعا مانگا کرتی تھیں۔ ابونواس نے دیکھا کولان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ابونواس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

سنو کولان! میرا تعلق مسلمانوں کے اس گروہ سے ہے جسے لوگ موت کے مسافر کہتے ہیں۔ یقیناً تم نے بھی اس گروہ کے متعلق سنا ہوگا۔

ہاں دشت میں اس گروہ کا اکثر ذکر ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو ان کے ٹھکانے کا علم نہیں حالانکہ وہ تاتاریوں کے دستوں کو کئی بار شکست دے چکے ہیں۔ اس گروہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے۔

میں اور ہوازن دونوں سالار اعلیٰ کے نائب ہیں۔

سالار اعلیٰ کون ہے؟

وہ ایک عرب ہے اور اس کا نام عمیر بن حزام ہے۔ وہ میں اور ہوازن تینوں ہی بخارا کے رہنے والے ہیں تمہارے چنگیز خان کے سپاہیوں نے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری ماؤں، بہنوں کی عزت لوٹ کر انہیں قتل کیا۔ اس وقت ہم تینوں بچے تھے۔ عمیر کی ماں کو اس کے سامنے زمین پر لٹا کر تلوار سے اس کے جسم کے چار ٹکڑے کیے گئے تھے۔ ہم تینوں نے اپنی آنکھوں سے بخارا کے قاضی بدرالدین اور امام رکن الدین کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ ہم تینوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ ہمارے گھروں کے سب افراد قتل کر دیئے گئے جن میں عمیر کی ماں ایک بھائی اور بہن تھے۔ میرے ماں باپ اور دو بہنیں ماری گئیں۔ ہوازن کے ماں باپ اور دو جوان بھائی قتل کیے گئے۔ صرف ہم تینوں کو لے کر عمیر کا باپ خزام وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے بے گھر مسلمان جوانوں کو جمع کیا اور موت کے مسافروں کے گروہ کی بنیاد رکھی۔ ابونواس نے دیکھا کولان رو رہی تھی اور آنسو اس کی قمیض کو تر کر رہے تھے۔ ابونواس نے پوچھا۔

کولان! کیا یہ ظلم نہ تھا؟

کولان نے ہچکیوں میں کہا۔

یہ بربریت ہے۔ چنگیز خان انسان نہیں درندہ تھا۔

بس یہی ہے وہ راز اور انوکھی داستان جو میں نے تم سے کہہ دی ہے۔

کولان کچھ کہنے والی تھی کہ ڈھلوان سے ایک تاتاری سپاہی نمودار ہوا۔ کولان خاموش رہی۔ سپاہی نے قریب آکر ابونواس سے کہا۔

تمہیں خاقان نے بلایا ہے۔

ابونواس اور کولان خیموں کی طرف چل پڑے۔ کولان اپنے خیمے میں چلی گئی اور ابونواس اس سپاہی کے ساتھ اوغدائی کے خیمے میں داخل ہوا۔ اندر ہوازن سیورقطتی اور اوغدائی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابونواس بھی ان کے درمیان جا کر بیٹھ گیا۔ اوغدائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے بھائی کی بیوہ سیورقطتی چاہتی ہے کہ اپنی چھوٹی بہن کی دونوں لڑکیوں کی شادی تم دونوں سے کر دے۔ کیونکہ وہ بھی مسلمان ہیں کیا تمہیں یہ رشتے پسند ہیں۔

ابونواس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

میں انکار کی جرأت کیونکر کر سکتا ہوں۔

اس کے علاوہ سیورقطتی چاہتی ہے کہ تم دونوں منگو کے ہمراہ ہمارے اس لشکر کے ساتھ جاؤ جو مغربی یورپ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ میں تم دونوں کو اس کی اجازت دیتا ہوں لیکن وہیں سے تم اپنے گھر جا کر اس پہلوان کو بھی اپنے ساتھ لے کر واپس آؤ گے جسے تم دونوں اپنا استاد کہتے ہو اور جس کا نام تم نے عمیر بتایا تھا تم اس کا وعدہ کرتے ہو۔

ابونواس نے دونوں ہاتھ چھاتی پر باندھتے ہوئے کہا۔

میں وعدہ کرتا ہوں۔

اب تم دونوں اپنے خیمے میں چلے جاؤ کیونکہ تمہاری شادی کی تیاریاں شروع کی گئی ہیں۔ ابونواس اور ہوازن اُٹھ کر باہر نکل گئے۔ شام سے پہلے پہلے ابونواس کی شادی کولان سے اور ہوازن کی شادی حمورا سے ہوگئی۔ نکاح اس عبدالرحمٰن نام کے مسلمان نے پڑھائے تھے جو تاتاری سلطنت میں مالیات کا مشیر تھا اور اوغدائی کی موت کے بعد اس کے بیٹے قویوق نے اسے اور ایک ایرانی کنیز فاطمہ کو اپنے مشیروں کے ٹھکانے پر قتل کر دیا تھا۔

بہار کے آخری ایام اور گرما کی آمد تھی۔ پرندوں نے گھونسلے بنانا شروع کر دیئے تھ
لمبے گھنے درختوں کی چھاؤں اب اچھی لگنے لگی تھی۔ عمیر اپنی کوہستانی پناہ گاہ میں نئے رضا
کو تربیت دے رہا تھا۔ ارضِ حجاز سے دو ہزار عرب، مصر سے ڈیڑھ ہزار مہاجر ترک ا
افریقہ سے ایک ہزار کے لگ بھگ بربری رضا کار تبلیغ کے ذریعے لائے گئے تھے
اب عمیر انہیں بڑی جانفشانی سے تربیت دے رہا تھا۔ ہشام، جابر، رباح اور شیبا
تربیت دینے میں اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

دوپہر کے وقت جب کہ عمیر مجاہدوں کو سرپٹ گھوڑے پر سوار ہونے
تربیت دے رہا تھا۔ ایک دم اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور رک کر آ
کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا پچھیرا بھی اس کے گھوڑے کے قریب رُک گیا تھا۔ عمیر
بایاں ہاتھ آنکھوں پر جما کر فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے ایک کبوتر کی طرف دیکھ
اس کبوتر نے تربیت کے میدان کے اوپر ایک چکر لگایا پھر اپنے پَر باندھ کر اس نے فضا
ایک گہرا غوطہ لگایا اور میدان میں پتھروں سے بنے ہوئے ایک اُونچے برج پر بیٹھ گیا
عمیر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برج کی طرف اسے سرپٹ دوڑایا۔ شیب

ہشام، جابر اور رباح بھی اس کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ جب وہ برج
کے نیچے آ کر گھوڑوں سے اترے تو ایک عرب برج کی سیڑھیاں اتر کر ان کے قریب آیا
اس کے ہاتھ میں وہی کبوتر تھا جو تھوڑی دیر قبل وہاں اترا تھا۔ شاید وہ برج پر کھڑا پہرہ دے
رہا تھا۔ عمیر کے قریب آ کر اس نے ایک کاغذ عمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میرے آقا! شمالی سرحد کے پاسبانوں کا پیغام آیا ہے۔

عمیر نے اس سے کاغذ لے لیا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

ایک شخص ہمارے مسکن میں داخل ہوا ہے۔ اپنے متعلق کچھ نہیں بتاتا، سالار
اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس ایک خچر ہے جس پر ایک منقش چمڑے کا صندوق ہے،
اپنا نام رکن الدین بیبرس بتاتا ہے۔ ایک آنکھ خراب ہے۔ بائیں ہاتھ سے تلوار چلاتا ہے
اور چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہے۔ بار بار ایک ہی بات کرتا ہے۔ مجھے موت کے
مسافروں کے سالار اعلیٰ کے پاس لے چلو۔ دو محافظ اسے قلعہ کی طرف لا رہے ہیں۔

پہریدار نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کبوتر ہوا میں چھوڑ دیا اور وہ فضاؤں کو چیرتا ہوا
جدھر سے آیا تھا ادھر ہی روانہ ہو گیا۔ عمیر مجاہدوں کے پاس آیا، انہیں آرام کرنے کا حکم دیکر
اپنا گھوڑا شمال کے رُخ پر سرپٹ دوڑانے لگا، ہشام، جابر، شیبان اور رباح بھی اس
کے ساتھ تھے۔ عمیر نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

سنگلاخ اور ناقابل عبور چٹانوں سے گھرے ہوئے اپنے قلعے سے نکل کر عمیر اپنے
ساتھیوں کے ساتھ پانچ میل تک آگے گیا ہو گا کہ دریائے میرون کے کنارے اسے اپنے
دو سپاہیوں کے درمیان ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ایک خوبصورت گھوڑے
پر سوار تھا اور اس کے پیچھے ایک خچر تھا جس کی لگام گھوڑے کی زین سے بندھی ہوئی تھی۔
خچر پر ایک منقش چمڑے کا صندوق لدا ہوا تھا۔ عمیر نے دیکھا نووارد اپنے چہرے پر
نقاب ڈالے ہوئے تھا۔

جب وہ ایک دوسرے سے قریب ہوتے تو مسکن کے ایک محافظ نے
عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجنبی کے کان میں کہا۔

وہ سامنے ہمارے سالارِ اعلیٰ آ رہے ہیں۔

اجنبی گھوڑے سے اتر پڑا اور پیدل چلتا ہوا آگے بڑھا۔ عمیر بھی اس کی تعظیم کیلئے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کے فوراً بعد ہشام، جابر، رباح اور محافظ سپاہی بھی اپنے گھوڑوں سے کود چکے تھے۔ اتنے میں شیبان گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ ایک ہی جست میں گھوڑے سے اترا اور عمیر کے قریب کھڑا ہو گیا۔

اجنبی قریب آیا۔ اس نے بھی اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا۔ عمیر کے سامنے آکر وہ رکا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میرا نام ـــــ عمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

یہاں آنے سے قبل ہی میں آپ کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ آپ کا نام رکن الدین بیبرس ہے قپچاق ترک ہیں۔ آپ کی ایک آنکھ خراب ہے۔ بائیں ہاتھ سے تلوار چلاتے ہیں اور مصری فوج کے ایک امیر ہیں۔

بیبرس نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔

آپ کا جاسوسی نظام میری امیدوں سے کہیں زیادہ منظم، مؤثر اور کارگر ہے یقیناً آپ ہی وہ شخص ہیں جسے میں اپنا راہنما کہہ سکتا ہوں۔

عمیر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

اگر آپ مصری افواج کے سپہ سالار فخرالدین یا اس کے معتمد خاص قتز کے کہنے پر کسی مقصد کے تحت آئے ہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی وہ ہمیں اور ہم ان دونوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ اگر ان دونوں کا بس چلے تو وہ ہمیں اس سرزمین سے باہر نکال دیں۔ وہ دونوں منتقم مزاج اور خودسر ہیں اور مجھے ان پر اعتماد نہیں وہ دونوں ایسی لومڑیاں ہیں جن سے اتحاد نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بھولے بسرے لوگ ہی سہی لیکن مذہب ملت کا درد ضرور رکھتے ہیں۔

بیبرس نے چند قدم اور آگے بڑھ کر کہا۔

فخرالدین سے میرا ابھی کوئی تعلق نہیں۔ قتز میرا دوست ضرور ہے لیکن میں اس قابل اعتماد خیال نہیں کرتا۔ میں اپنے طور پر تمہارے ساتھ ایک اہم فیصلہ کرنے آیا ہوں بالکل یوں جس طرح ایک بھائی اپنے بھائی سے ملنے آتا ہے۔ بیبرس نے اپنا ہاتھ مصافحہ

کے لیے آگے بڑھایا۔ لیکن عمیر نے اسے کھینچ کر گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

اگر آپ بھائی بن کر آگئے ہیں تو میرے گلے لگ جائیے۔ آپ دیکھیں گے ہم ہر مصیبت میں آپ کے پہلو بہ پہلو ہوں گے۔ اب آپ اپنا مدعا کہیئے جس کے تحت یہاں آئے ہیں۔

بیبرس نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

پہلے میری خچر پر لدے ہوئے چمڑے کے صندوق کو کھول کر دیکھو۔ پھر بات کا آغاز کرتا ہوں۔ عمیر آگے بڑھا اور صندوق کھولا وہ سونے کی ڈلیوں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ عمیر نے سوالیہ نگاہوں سے بیبرس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ کیا ہے؟

بیبرس اس کے قریب آتا ہوا بولا۔

میں ایسے بہت سے اور صندوق بھی یہاں لاؤں گا۔ انہیں میری امانت کے طور پر یہاں رکھتے جائیے۔ میرا دل کہتا ہے ایک ایسا وقت آئیگا۔ جب مجھے تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اس وقت یہ جمع کی ہوئی دولت میرے کام آئے گی اور اس سے میں ایک ایسی فوج تیار کروں گا جو وحشی تاتاریوں کا رُخ موڑ دے گی اور میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ اس جرار لشکر کے مقدمۃ الجیش کے سالار آپ ہوں گے۔ گو تاتاری ایک بار سمرقند سے دریائے سندھ اور ہرات سے لے کر موصل تک سارے علاقے میں خون کی ندیاں بہا کر واپس جا چکے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں وہ دوبارہ لوٹیں گے اور پہلے سے کہیں زیادہ مہیب اور وحشی ثابت ہوں گے۔ قبل اس کے ایسا وقت آئے ہمیں تاتاری سیلاب کے آگے مضبوط بند باندھ لینا چاہیئے۔ جو دولت میں یہاں جمع کروں گا اس میں سے آپ جتنی چاہیئے اپنے ساتھیوں کی تعداد بڑھانے پر خرچ کر سکتے ہیں۔ مجھے یہاں آکر خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو لوہے کی لگامیں ڈال رکھی ہیں اور انہیں گھوڑے اور کمان کے بل جینا سکھا دیا ہے۔

بیبرس جب رکا تو عمیر نے پوچھا۔

آپ نے اتنی دولت کہاں سے اکٹھی کی؟

قاہرہ کے حماموں میں جو امیر کبیر عورتیں نہانے آتی ہیں ان کے زر و
جواہرات چراتا ہوں قلعہ الموت کی جنت کا خزانہ بھی مجھ سے محفوظ نہیں۔ اس
دولت کا کچھ حصّہ میں نے بغداد سے بھی حاصل کیا تھا۔

عمیر نے بڑے شوق سے پوچھا۔

اہل بغداد کے حالات کیسے ہیں؟

بیبرس نے دکھ سے کہا۔

بغداد کے آسمان پر ابتلا کی گھٹائیں چھا چکی ہیں۔ اسلامی تمدن وہاں تھک
چور ہو چکا ہے۔ وہاں عقابوں کے نشیمن میں گدھ پرورش پا رہے ہیں۔ وہ لوگ زند
موت کے فلسفہ سے نا آشنا اور ان میں زندہ رہنے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ بغ
عالم اسلام کا ایسا چراغ ہے جس میں تیل ختم ہو چکا ہے۔

عمیر نے اداس لہجے میں کہا۔

اگر بغداد پر اسی طرح تباہی کی آگ اور مایوسی کا اندھیرا چھایا رہا اور ان کے اف
تاریکی میں ڈوبے رہے تو ان کا روزِ حساب قریب ہے۔ قدرت زیادہ دیر تک کسی
قوم کی اجتماعی بے حسی برداشت نہیں کرتی۔ گدھ صرف وہاں آتے ہیں۔ جہاں مردار ہو
آندھیاں ایسے درختوں کو اکھاڑتی ہیں جن کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہوں۔ اگر اہل بغداد ا
بھی نہ سنبھلے تو پھر قیامت تک سوتے رہیں گے۔ اس پر آشوب دور کے باوجود جب
کہ عالم اسلام پر ایک مایوس کن جمود طاری ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ اگر ہم دو
مل کر جاگتے رہے تو بہت جلد اس منزل کو پالیں گے جس کی ہمیں تلاش ہے۔

بیبرس نے عمیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے گرم جوشی کا اظہار کرتے
ہوئے کہا ہم دونوں کی منزل ایک ہے۔ ہم امید کی ایک نئی روشنی لے کر اُٹھیں گے
یقین کیجئے میری جبلت مجھے کھینچ کر آپ کے پاس لائی ہے۔

عمیر نے عقیدت مندی سے کہا۔

میں اور میرے ساتھی ایک عرصے سے ایسے راہنما کا انتظار کر رہے ہیں
مسلم قوم کا نجات دہندہ بن کر اُٹھے۔ اگر قدرت اس بلند مقصد کے لیے آپ کو
انتخاب کر چکی ہے تو میں اپنے مسکن میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور میرے
سب سپاہی آپ کے ایک معمولی اشارے پر اپنی زندگی کی آخری بازی ہنسی

مسکراتے ہوئے لگا جائیں گے۔ مجھے کسی عہدے کا لالچ نہیں میں حجاز کا ایک معمولی
باشندہ ہوں میں نے تلوار کی چھاؤں میں پرورش پائی اور اپنے مذہب اور ملت
کے لیے لڑتا ہوا تیروں کی بارش میں ابدی نیند سو جاؤں گا اور یہی میری زندگی کا حاصل
ہے۔

بیبرس کی نگاہیں پرنم ہو گئی تھیں۔ عمیر کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے
بڑی ارادتمندی سے کہا۔

میں آپ کے گھوڑوں کی جولان گاہوں اور ان چراگاہوں کو سلام کرتا ہوں۔
جہاں آپ کے سپاہی اپنے گھوڑے چراتے ہیں۔ آپ جہد و عمل میں مجھ سے بہت
آگے ہیں۔ آپ میرے راہنما ہیں جس طرح آپ مسلم قافلوں کی حفاظت کر رہے ہیں کوئی
عام آدمی یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ اس لحاظ سے آپ عظیم تر ہیں۔

عمیر نے بڑی عاجزی سے کہا۔

میں تو قوم کا ایک گمنام مسافر ہوں۔

اور میں اس گمنام مسافر کو اسلام کہتا ہوں۔ کیا ہم دونوں کے لیے یہ بہتر ہو گا کہ
ہم اپنے نقاب اتار کر اپنے اصل چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے ہو جائیں
اس میں کوئی قباحت بھی نہیں جب کہ ہم دونوں بھائی بن چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بیبرس
نے نقاب اتار دیا۔

عمیر نے بھی اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ بیبرس نے اسے دیکھا اور
دیکھتا رہ گیا۔ پھر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں نے تو سمجھا تھا آپ ایک معمر جرنیل ہوں گے۔ لیکن آپ تو لڑکے نکلے۔
آپ نے اس کم عمری میں جو مقام حاصل کیا وہ قابل تعریف ہے۔ میں نے آپ کی
بہت تعریف سنی تھی اور آپ کو دیکھ کر ہر بات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ کیا آپ اپنے
ساتھیوں سے میرا تعارف نہ کرائیں گے۔ عمیر نے ہشام، شیبان، جابر اور رباح
سے بیبرس کا تعارف کرایا۔ بیبرس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

آپ کے نام کے ساتھ میں نے دو اور نام بھی سن رکھے ہیں۔ لیکن ان ناموں
کے چہرے ابھی تک میں نہیں دیکھ سکا۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ نام ابونواس اور ہوازن ہوں گے۔

بالکل یہی ہیں وہ نام کیا میں آپ کے ان دو بے بدل جرنیلوں کو نہ دیکھ سکو
وہ ایک مہم پر گئے ہوئے ہیں۔

کہاں ؟

دشتِ تاتار۔ وہاں سے وہ مجھے تاتاریوں کے ہتھیاروں اور ان کے جنگی طریقوں کے متعلق بھیجیں گے اور میں ان اطلاعات کے مطابق اپنے سپاہیوں کو تربیت دوں گا تاکہ آنے والے دور میں اگر ہمیں وسیع پیمانے پر ان سے لڑائیوں کا سلسلہ شروع کرنا پڑے تو ہم ان کی جنگی چالوں کو سمجھ کر ان کا مؤثر جواب دے سکیں۔ آیئے اب قلعہ نما مسکن میں چلیں باقی باتیں وہاں ہوں گی۔

بیبرس گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ عمیر بھی ایک چھلانگ کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا اور ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہشام! چمڑے کا یہ صندوق بیت المال میں جمع کرا دو۔

وہ سب مسکن میں آئے۔ عمیر اور بیبرس نے پہلے مل کر کھانا کھایا۔ پھر اُٹھ کر آئے اور عمیر اسے بلند ٹیلے پر لے جا کر مسکن کے چاروں طرف ہوئے بلند برج دکھا لگا جہاں ہر وقت اس کے سپاہی دشمن پر نگاہ رکھنے کے لیے پہرہ دیتے تھے۔ سیاہ پتھر پر بیٹھے ہوئے بیبرس نے عمیر سے کہا۔

میں آپ سے ایک اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

عمیر اس کے قریب دوسرے پتھر پر بیٹھ گیا۔ کہنے۔

چنگیز خاں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سب سے بڑے بیٹے جوچی[1] کو روس کے علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا تھا جو انہوں نے فتح کیے تھے۔ جوچی چنگیز خاں کی زندگی میں ہی مر گیا تھا۔ وہ گنٹھیا کا مریض تھا۔ اب اس علاقے پر جوچی کا بڑا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا باتو خاں حکمران ہے۔ باتو خاں کا ایک چھوٹا بھائی ہے جس کا نام برقائی خاں ہے جو اسلام کے گمنام مبلغوں کے ہاتھوں اسلام قبول کر چکا۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ خود کبھی وقت نکال کر اس کے پاس جائیں اور اس سے تعلقات پیدا کریں۔ مستقبل میں تاتاریوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم برقائی خاں کی مدد سے تاتاریوں کو تاتاریوں سے ٹکرا کر فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ باتو نے برقائی کو قفقاز کے کنارے کی چراگاہوں کا مالک بنا دیا ہے جہاں وہ مسلمانوں سے ملتا ہے اور عبادت کرتا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ بڑا دردمند اور مسلمانوں سے محبت کرنے والا ہے۔ اس کا مسلمان سوتا ہمارے لیے اچھا شگون ہے۔ کیا آپ میری رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔

عمیر نے بیبرس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

میں ضرور برقائی کے پاس جاؤں گا۔ میں انہیں تمام خطرات سے آگاہ کروں گا۔ جو مسلمانوں کو پیش آ سکتے ہیں۔ مجھے دشتِ تاتار سے ابونواس اور ہوازن کے خط کا انتظار ہے ان کی اطلاعات پہنچنے کے بعد میں کچھ عرصہ اپنے جوانوں کو ان کی بھیجی ہوئی اطلاعات کے مطابق تربیت دوں گا۔ اس کے بعد برقائی کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

بیبرس پھر بولا۔

مجھے آپ، ابونواس اور ہوازن کے متعلق کافی معلومات پہنچ چکی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ تینوں بخارا کے رہنے والے ہیں اور کس قدر مظالم کے تحت آپ لوگ وہاں سے بھاگے تھے۔ بیبرس کی آواز بھاری ہو گئی۔ میرے حالات بھی تم تینوں سے مختلف نہیں ہیں۔ میرے بھی ماں باپ تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے اور میں زبردستی تاتاریوں کی فوج میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ بعد ازاں میں غلام بنا کر وینس کے بردہ فروشوں کے ہاتھوں فروخت ہوا۔ انہوں نے مجھے دمشق میں لا کر چار سو روپے میں بیچ دیا۔ جس شخص نے مجھے خریدا اس نے اس وجہ سے مجھے قبول نہ کیا کہ میری ایک آنکھ خراب ہے۔ پھر ایک ترک امیر نے مجھے اپنا غلام بنا لیا اور ا

---

[1] چنگیز کے چار بیٹے تھے۔ جوچی، چغتائی، اوغدائی اور تولائی۔ جوچی چنگیز کی جائز اولاد نہ تھا۔ چنگیز کی بیوی بورتائی کو اس کے دشمنوں نے اغوا کر لیا تھا۔ چنگیز نے بورتائی کو لڑ کر دوبارہ حاصل کیا۔ راستے میں جو ہوا۔ چنگیز نے بچے کو دیکھ کر کہا یہ ہمارا مہمان ہے لہٰذا اس کا نام جوچی (مہمان) پڑ گیا۔ چونکہ اپنی ماں کے واقعات جوچی کے ذہن میں تھے۔ لہٰذا وہ دوسرے بھائیوں سے دور دور رہتا تھا۔ اس لیے چنگیز نے اسے روس کے دور دراز علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

کے بعد مصری فوج میں شامل ہو گیا۔ میدانِ جنگ اور پردہ فروشوں کے بازاروں کا فا
التحصیل ہوں۔ عربی، یونانی، ترکی حتیٰ کہ تاتاریوں کی زبان پر بھی عبور رکھتا ہوں۔ اپنے
خود جاسوسی کرتا ہوں۔ آپ پہلے شخص ہیں جس سے میں اس قدر قریب ہوا ہوں میں
سن رکھا ہے آپ، ابونواس اور ہوازن بھی کافی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔

ہم تینوں عربی، ترکی اور تاتاریوں کی زبان پر پوری دسترس رکھتے ہیں اور
زبانیں میرے باپ نے ہمیں سکھائی تھیں ——— عمیر ایک دم خاموش ہو گ
ایک سوار اس برج کی طرف سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا تھا جس برج پر جا سو
کرنے والے کبوتر آ کر اترا کرتے تھے۔

وہ سوار عمیر اور بیبرس کے قریب آ کر رکا۔ گھوڑے سے اترا اور عمیر
قریب ہوتا ہوا بولا۔

میرے آقا! صلیبی نائٹ پانچ ہزار لشکر کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہو
ہیں مغرب کی طرف ہماری آخری بستی سے وہ ابھی دس میل دور ہیں۔

عمیر نے غراتے ہوئے پوچھا۔

وہ حملے کی وجہ کیا بتاتے ہیں۔

ان کی کچھ لڑکیاں شاید فدائین اٹھا کر لے گئے تھے۔ انہوں نے ہم پر شک
اور ہماری آخری بستی میں ان کے دس سپاہی داخل ہوئے اور وہاں سے انہوں
مسلمان لڑکیوں کو اٹھا کر لے جانا چاہا لہٰذا ہمارے محافظوں نے انہیں قتل کر دیا
اب ان کا لشکر انتقام لینے کے لیے آ رہا ہے جس جاسوس نے خبر بھیجی ہے
صلیبی لشکر کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ پھر اس نے ایک کاغذ عمیر کی طرف بڑ
دیا یہ اس جاسوس کا خط ہے۔

عمیر خط پڑھنے لگا۔ بیبرس بھی کھڑا ہو گیا اور اپنی نگاہیں کاغذ کی تحریر پر
دیں۔ خط پڑھنے کے بعد عمیر نے تہ کر کے اس سپاہی کو لوٹا دیا پھر اپنے دونوں ہاتھ
کے گرد جمائے اور بلند آواز میں چلاتے ہوئے پکارا۔

اَلصَّاعِقَۃ!

پہاڑی قلعے کے چاروں طرف بنے ہوئے بلند برجوں پر پہرہ دینے والے
سپاہی عمیر کی آواز کے جواب میں زور زور سے پکارنے لگے تھے۔ اَلصَّاعِقَۃ!
اَلصَّاعِقَۃ! قلعے میں ان سپاہیوں کی آوازیں اپنی بلند بازگشت کے ساتھ گونج
اٹھی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے ڈیڑھ ہزار عرب گھوڑوں پر سوار اپنی سفید عبائیں لہراتے
ہوئے اپنے گھروں سے نکلے اور تنگ راستے سے ہوتے ہوئے قلعے سے باہر نکل گئے
وہ اپنی عباؤں اور عماموں کے نیچے زرہ اور خود پہنے ہوئے تھے۔

عمیر نے پھر پکارا

اَلرَّعْب!

برجوں پر پہرہ دینے والے سپاہی پھر زور سے پکارنے لگے۔ اَلرَّعْب!
اَلرَّعْب اور جواب میں ترکوں کا ایک لشکر برق کے شراروں کی طرح نمودار ہوا۔ ان
کی تلواریں چمک رہی تھیں اور گھوڑے کلیلیں کر رہے تھے وہ بھی عربوں کے پیچھے
پیچھے قلعے سے باہر نکل گئے۔

عمیر نے تیسری بار پکارا

اَلْاَسَدُ!

پہرہ دینے والے سپاہیوں کی آوازیں پھر بلند ہوئیں اور ایک بربری لشکر
غراتا ہوا نمودار ہوا اور عقاب کی طرح جھپٹتا ہوا ترکوں کے پیچھے پیچھے قلعے سے باہر نکل گیا
اس کے بعد شیبان کی سرکردگی میں جراحوں کا دستہ نکلا جو عربوں، ترکوں اور بربروں
پر مشتمل تھا۔

عمیر نے بیبرس کو مخاطب کیا۔

آپ میرے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں ان نائٹوں کی کجی درست کر کے بہت
جلد واپس لوٹتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں میں انہیں یروشلم کے سر تحت الثرا یں اتار
دوں گا اور ثابت کر دوں گا کہ انہوں نے ایک معمولی پہاڑی گروہ کو نہیں آندھیوں اور
طوفانوں کو لڑنے کے لیے آواز دی ہے۔ صلیبیوں کا یہ لشکر ایک عارضی طوفان ہے

معمولی سیلاب کا ایک ریلا ہے جس کے سامنے میں جب چاہوں جہاں چاہوں بند باندھ دوں۔

بیبرس نے دیکھا۔ عمیر جو تھوڑی دیر قبل رحم و محبت کا پیکر لگ رہا تھا بدل گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پہاڑوں کی عظمت اور سمندر کی ہیبت تھی اور پورے سپاہیانہ وقار کے ساتھ ایک ارضی دیوتا کی طرح بیبرس کے سامنے کھڑا تھا۔ بیبرس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

میں آپ کے ساتھ جنگ میں حصہ لوں گا۔ میں آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مصیبت میں آپ اکیلے نہیں مصر آپ کے ساتھ ہے۔ عمیر اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔

تو پھر آیئے میرے ساتھ!

عمیر جب گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ بیبرس نے پریشانی سے کہا۔

آپ زرہ اور خود نہیں پہنیں گے۔

عمیر مسکراتا رہا۔

میں اور میرے عرب ساتھی عبا اور عمامے کے نیچے زرہ اور خود پہنتے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر میرے ساتھ آیئے۔

دونوں گھوڑے پر سوار جب کوہستانی پناہ گاہ سے باہر نکلے تو بیبرس نے دیکھا پورا لشکر ایک کھلے میدان میں کھڑا تھا۔ درمیان میں عرب تھے ان کے دائیں طرف ترک اور بائیں ہاتھ بربری تھے۔ عربوں کے آگے ہشام، ترکوں کے آگے رباح اور بربریوں کے آگے جابر کھڑا تھا۔

بیبرس کے ساتھ عمیر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا جب لشکر کے آگے آیا تو اپنی تلوار بے نیام کر کے فضا میں بلند کی تو پورا لشکر اس کے پیچھے تباہ کن آندھی بجلی اور رعد کی طرح حرکت میں آ گیا تھا۔

اپنی بستیوں میں سے گزرتے ہوئے عمیر نے رباح کی طرف دیکھتے ہوئے دائیں طرف اور پھر جابر کی طرف دیکھتے ہوئے بائیں طرف اشارہ کیا اور دیکھتے

دیکھتے رباح ترک لشکر کے ساتھ دائیں طرف اور جابر بربری سپاہ کے ساتھ بائیں جانب کے پہاڑی [illegible] میں روپوش ہو گیا۔ اب دو ہزار عرب جن کے آگے عمیر بیبرس اور ہشام تھے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے سیدھے مغرب کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ طوفانی انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔

جب وہ اپنی سرحد سے باہر پانچ میل تک آگے گئے تو انہیں اپنے سامنے صلیبی لشکر دکھائی دیا۔ عمیر نے اپنے سر کے اوپر اپنی تلوار گھمائی۔ عربوں نے ایک فلک شگاف تکبیر بلند کی اللہ اکبر! دونوں لشکر بڑی خونخواری سے آگے بڑھے اور پہاڑوں سے گھرے ہوئے ایک کھلے میدان کے اندر آپس میں ٹکرائے۔ عمیر اور ہشام کی کارکردگی میں عرب اس والہانہ انداز کے ساتھ حملہ آور ہوتے تھے جیسے وہ ان کی زندگی کی آخری جنگ ہو اور پھر انہیں ایسا مقدس فریضہ ادا کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ عمیر نے دیکھا بیبرس اس کے پہلو بہ پہلو بائیں ہاتھ سے تلوار چلاتا ہوا طوفان کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا جو بھی صلیبی نائٹ اس کے قریب آتا چیختا چلاتا موت سے بغل گیر ہو جاتا تھا۔

عین اس وقت جب کہ صلیبی لشکر تعداد میں کم عربوں کے لشکر کو گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دائیں طرف سے رباح ترکوں کے ساتھ اور بائیں جانب سے جابر بربریوں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ دونوں لشکروں نے پہاڑوں پر چڑھنے کے بعد ایک ساتھ اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں اور دائیں بائیں سے صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے۔

صرف ایک ساعت تک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس کے بعد صلیبی لشکر میں پسپائی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ عمیر کے اشارے پر موت کے مسافروں نے ایک ساتھ تکبیر بلند کی اور پوری قوت و جوش سے حملہ کیا۔ صلیبیوں کے پاؤں اکھڑ گئے وہ مڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

عمیر نے اپنے لشکر کے ساتھ پانچ میل تک ان کا اس طرح تعاقب کیا جس طرح بھیڑیے خوفزدہ بارہ سنگوں کے گلے کا پیچھا کرتے ہیں۔ پھر ایک جگہ اس نے اپنے لشکر کو روکا اور ہشام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس جاسوس کو بلاؤ جس نے اس حملے کی اطلاع دی تھی۔

ہشام لشکر کے اندر روپوش ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس جاسوس کو لیکر آیا جس نے حملے کی اطلاع دی تھی۔ وہ اس وقت راہب کے لباس میں تھا اور گلے میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ اس نے نزدیک آکر عمیر کو سلام کیا۔ عمیر نے بڑی شفیق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کیا تم نے اس حملے کی اطلاع دی تھی؟

اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

ہاں میرے آقا!

عمیر نے گھوڑے کی خرجین سے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور اس جاسوس کو تھماتے ہوئے کہا۔ اسے اپنے انعام کے طور پر قبول کرو۔ اگر تم لوگ اسی طرح کام کرتے رہے تو میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہ کر سکے گی ــــ

لشکر نے واپس کوچ کیا جب وہ ایک چوراہے پر آئے تو بیرس نے عمیر سے کہا۔

عمیر! مجھے اب اجازت دو۔

عمیر نے تعجب سے کہا۔

کیا آپ ہمارے ہاں قیام نہ کریں گے؟

نہیں۔ مجھے بہت جلد مصر پہنچنا ہے۔ اب میں تمہیں قدم قدم پر ملتا رہوں گا اور تمہارے پاس قیام بھی کرتا رہوں گا ــ بیرس نے عمیر کے ساتھ مصافحہ کیا اور قاہرہ جانے والی شاہراہ پر جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف جا رہا تھا۔

۱۲۳۶ء کے موسم گرما میں جب کہ شمال کے اندھے صحرائے گوبی کے اردگرد گھاس مرجھانا شروع ہوگئی تھی۔ ایک جرار تاتاری لشکر یورپ پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ ابونواس، ہوازن اور دونوں کی بیویاں کولان اور حمورا بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ چغتائی کے دو لڑکے بوری اور بائیدار، اوغدائی کے بھی دو لڑکے قویوق اور قاندو اس لشکر میں شامل تھے۔ حسین اور عقل مند سیورقطتی نے اپنے بڑے بیٹے منگو کو اس مہم میں روانہ کیا تھا جب کہ قبلائی کو اس نے چینی مہم کے لیے چن رکھا تھا۔ تاہم اپنے دو چھوٹے بیٹوں ہلاکو اور ادیق بوغا کو اس نے اپنے پاس رکھا تھا۔

اس لشکر کا سالار اعظم برقائی کے بڑے بھائی باتو کو بنایا گیا تھا۔ گو باتو کا سالار اعظم ہونا برائے نام ہی تھا کیونکہ اصل اختیارات چنگیز خان کے نامور جرنیل سوبودائی کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے باوجود باتو کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ کیونکہ چنگیز خان کے پوتوں میں وہ سب سے بڑا تھا اور اس تقرری کا حق دار تھا۔ یہ لشکر جس کی تعداد ایک لاکھ تھی اس نے باتو کے پاس جاکر دریائے دولگا کے کنارے قیام کرنا تھا۔ جہاں باتو کا لشکر بھی اس میں شامل ہونا تھا۔ اور پھر اس اجتماعی لشکر کو باتو کی سرکردگی میں

یورپ پر حملہ آور ہونا تھا۔

لشکر کے اندر ہزاروں چھکڑے تھے جنہیں تبت کے یاک کھینچ رہے تھے۔ منگو کی جنگی رتھ کے پیچھے ابونواس اور ہوازن کا چھکڑا تھا جس کے اندر کولا اور حمورا تھیں۔ ابونواس اور ہوازن گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ یہ چھکڑا اس قدر لمبا اور چ تھا کہ اسے لکڑی کی دیوار کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ایک حصّہ ابونواس کولان کے لیے اور دوسرا ہوازن اور حمورا کے لیے۔ سب سے آگے سوبودائی اور ا کا لشکر تھا اور اس کے پیچھے دیگر تاتاری شہزادے اپنے دستوں کے ساتھ حرکت کر رہے تھے۔

صحرائے گوبی کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا تاتاریوں کا لا کوہ التائی کے دروں میں داخل ہوا۔ لشکر کے آگے آگے زور زور سے ڈھول بج رہے تھے۔ کیونکہ پہاڑوں کے اندر سفر کرتے ہوئے جب انہیں اپنی آوازوں کی بازگشت سنائی دیتی تو وہ یہ سمجھتے کہ وہاں بھوت ہیں لہٰذا ان بھوتوں کو بھگانے کے لیے ڈھول پیٹتے تھے۔

کوہ التائی میں سے گزرنے کے بعد جب لشکر سی بیر کے جنگلوں میں داخ ہوا تو شمال کی طرف سخت اور تیز اندھیوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک لشکر جہا تھا وہیں رک گیا۔ ابونواس اور ہوازن ابھی سوچ ہی رہے تھے کیا ہونے والا ہے کہ کولان نے چھکڑے سے باہر سر نکالتے ہوئے ابونواس کو پکارا۔ وہ دونوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب اس کے قریب آئے تو کولان نے پریشانی سے کہا۔

دونوں اندر آجاؤ۔ بوران چل پڑی ہے۔ اپنے گھوڑوں کو چھکڑے سے باندھ دو۔

ابونواس نے کولان کی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی میں پوچھا۔ یہ بوران کیا ہو

یہ شمال کی طرف سے چلنے والی تیز آندھی کا نام ہے جو منحوس سمجھی جاتی ہے۔ ا لمحہ کولان کے پیچھے حمورا نمودار ہوئی۔ چھلانگ لگا کر وہ چھکڑے سے نیچے کودی او دونوں کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر چھکڑے سے باندھتے ہوئے اس نے منیٹھی نگاہ

سے ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جلدی جلدی چھکڑے کے اندر چلے جائیے۔

ابونواس نے اپنے گھوڑے سے خرجین اتار لی اور اسے اٹھائے وہ ہوازن کے ساتھ چھکڑے میں داخل ہو گیا۔ گھوڑے باندھنے کے بعد حمورا بھی چھکڑے پر چڑھ گئی تھی۔ ابونواس اور ہوازن کولان کے قریب چھکڑے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حمورا بھی ان کے قریب آکر بیٹھ گئی تھی۔ ابونواس نے اپنی خرجین سے کاغذ قلم نکالا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کولان نے حیرت اور جستجو سے پوچھا۔

کیا کرنے لگے ہیں؟

میرے آقا نے جو اطلاعات بھیجنے کو کہا تھا وہ میں حاصل کر چکا ہوں اور انہیں اب اپنے آقا کو بھجواتا ہوں۔

کیسے بھجوائیں گے؟

ابونواس نے پھر خرجین کے اندر ہاتھ ڈالا اور موٹے دھاگوں سے بنی ایک تھیلی نکالی جس کے اندر دو کبوتر بند تھے۔ کولان کو تھیلی دکھاتے ہوئے ابونواس نے کہا۔

ان کے ذر[illegible]

کولان خاموش [illegible]۔ ابونواس نے لکھنا شروع کیا۔

میرے آقا! میں یہ خط آپ کو سی بیر کے جنگل سے بھیج رہا ہوں۔ تاتاری دن کے وقت سرخ اور کالی جھنڈیوں سے اور رات کی تاریکی میں مشعلوں کے اتار چڑھاؤ سے اپنی فوج کی رہنمائی کرتے ہیں اور اسی طریقے سے اپنے سپاہیوں کو ہدایات جاری کرتے ہیں اور ان اشاروں کے ذریعے ہی حملہ اور پسپائی ہوتی ہے۔ دو قسم کی کمانیں استعمال کرتے ہیں ایک کمان بہت بڑی ہے جس کے ذریعے زمین پر بیٹھ کر تیر چلائے جاتے ہیں۔ دوسری چھوٹی ہے جس سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہی بیٹھے کام لیا جاتا ہے۔ استعمال سے قبل کمانوں کو روغن لگا کر کمان خانے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ کمان خانہ سوار کے بائیں طرف لٹکا رہتا ہے۔ دونوں قسم کی کمانوں پر بیلوں

کے سینگوں کی پتلی پتلی چپٹیاں چڑھا کر انہیں مضبوط کیا جاتا ہے جس کے باعث وہ
تیر دور پھینکتی ہیں۔ ترکش سوار کے دائیں طرف ہوتا ہے اور سپاہی انگلیوں کی چٹکی سے
بڑی آسانی کے ساتھ دوڑتے ہوئے گھوڑے پر تیر نکال لیتا ہے۔ ان کے تیر بھی دو
قسم کے ہیں۔ ایک بڑے تیر جن کی نوک بھاری اور چوڑی ہوتی ہے اور یہ زرہ بکتر بھی
کاٹ کر جسم میں گھس جاتے ہیں۔ دوسرے ہلکے پھلکے زہریلے تیر ہیں۔

تیر انداز اپنی انگلیوں پر چربی کی مالش کرتے ہیں وہ بیشک دن رات تیر
چلاتے رہیں ان کی انگلیاں تھکتی نہیں۔ ان کی تلوار ہم جیسی ہے مگر روغن میں ڈبو کر رکھتے
ہیں۔ میں اس وقت ہوازن کے ساتھ اس تاتاری لشکر میں سفر کر رہا ہوں جو یورپ پر حملہ آور
ہونے کو نکلا ہے۔ میں اور ہوازن نے شادی بھی کر لی ہے اور ہم دونوں کی بیویاں بھی ہمارے
ساتھ ہیں۔ میری بیوی کا نام کولان اور ہوازن کی بیوی کا نام حمورا ہے۔ لشکر دریائے دولگا
کے کنارے جا کر رکے گا۔ جہاں چنگیز خاں کے سب سے بڑے پوتے باتو اور اس کے
چھوٹے بھائی برقائی خاں کے لشکر بھی شامل ہوں گے۔ پھر یہ متحدہ لشکر باتو کی کمانداری
میں یورپ پر حملہ کرے گا۔ میں اور ہوازن منگو کے لشکر میں شامل ہیں۔ دریائے دولگا
کے کنارے پہنچ کر ان سے جان چھڑانے کی کوئی ترکیب کروں گا۔ میں بہت جلد آپ
کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

ابوناصر نے خط لکھ کر تہ کیا۔ پھر ایک کبوتر نکال کر خط اس کے پاؤں سے
باندھا اور اسے ہوا میں چھوڑ دیا۔ کبوتر جنگل سے نکل کر ہوا میں بلند ہوا۔ پھر جنوب
مغرب کے رُخ پر بڑی تیزی سے پرواز کرنے لگا۔

شمال کی تیز آندھی کے باعث تاتاری لشکر شام تک سی بیر کے جنگل میں رُکا
رہا۔ جب اندھیرا پھیل گیا اور آندھی تھمی تو لشکر نے پھر کوچ کیا۔ سی بیر کے جنگل سے
نکل کر لشکر جھیل بالکش کے شمالی کناروں کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا کوہ یورال کی طرف
بڑھا جسے تاتاری دنیا کا کمر بند کہا کرتے تھے۔

کوہ یورال کے دروں میں سے گزرنے کے بعد لشکر تھوڑی دور تک دریائے
یورال کے کنارے کنارے سفر کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنا رُخ شمال مغرب کی طرف کیا

اور دریائے دولگا کے کنارے آ رکا۔ جہاں باتو اپنے چھوٹے بھائی برقائی کے
کے ساتھ لشکر کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

باتو خاں نے بڑے شرمیلے پن سے سوبودائی اور دوسرے تاتاری شہزادوں کا
استقبال کیا۔ وہ پیدل چلتا ہوا ان کے استقبال کو آگے بڑھا کیونکہ وہ دوسرے شہزادوں
سے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا باپ جوچی چنگیز خاں کی بیوی
بورتا کی ناجائز اولاد تھا۔ اسی لیے چنگیز خان کے آخری دور میں جوچی مغربی دشت میں چلا
گیا تھا۔ جہاں ایک طرح سے وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس طرح باتو بھی شرمسار
تھا کہ وہ ایک ناجائز باپ کی اولاد ہے لیکن برقائی کی حالت مختلف تھی وہ مسلمان ہو
چکا تھا۔ اور اسلام قبول کر چکنے کے بعد اس کے دل میں ان اوہام کے لیے کوئی
جگہ نہ تھی۔

بہر حال باتو نے اپنے مہمانوں کو دریائے دولگا کے کنارے زریں شامیانے
میں ٹھہرایا۔ طلا کار کپڑے کا یہ قیمتی اور چمکتا ہوا شامیانہ سراتے اُردو یا زریں خیل
کہلاتا تھا۔ باتو نے ضیافت میں ہزاروں جانور ذبح کیے اس خیال سے کہ عالی قدر
تاتاری شہزادے اس سے ناراض نہ ہوں۔

دریائے دولگا جو شمال کے برفانی مرغزاروں سے نکل کر بحرہ قزوین میں
گرتا ہے اس کے کنارے کنارے دُور تک خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا تھا اور جہاں
نگاہ کام کرتی تھی بیلوں کے چھکڑے اور جنگی رتھیں کھڑی تھیں۔

رکن الدین بیبرس کی خواہش کے مطابق برقائی سے ملنے عمیر اپنے مسکن سے
نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور کسی کو اس نے ساتھ نہ لیا تھا۔ قلعہ کی حفاظت اس نے ہشام
شیبان، جابر اور رباح کو سونپ دی تھی۔ اپنے مسکن سے نکل کر وہ پہلے تبریز آیا۔
وہاں سے اس نے شمال کی طرف کوچ کیا۔ جارجیائی کے راستے وہ سرائے استراخان
یا بہاں اس نے ٹھہر کر اپنی خوراک اور گھوڑے کے چارے کا بندوبست کیا۔ پھر اس

نے اپنا رُخ بدلا اور بحیرہ کیسپین (بحرہ قزوین) کے کنارے وہ اس جگہ آیا، جہاں دریائے دولگا بحرہ کیسپین میں گرتا ہے یہاں سے وہ شمال کی طرف کوچ قیام کرتا ہوا دریائے دولگا کے کنارے کنارے آگے بڑھتا رہا۔

ایک روز شام سے ذرا پہلے عمیر دریائے دولگا کے کنارے تاتاریوں کے خیموں کے شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کے سر پر آہنی خود کے اوپر عربوں کا روائتی عمامہ تھا۔ اور اپنی فولادی زرہ کے اوپر اس نے کھُردرے کپڑے کی سفید عبا پہن رکھی تھی چھکڑوں اور جنگی رتھوں کے بیچوبیچ گزرتے ہوئے اس نے ایک تاتاری سے برقائی کے متعلق پوچھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔

برقائی کے زرنگار اور شامیانہ نما خیمے کے قریب آکر عمیر نے دیکھا۔ ابونواس اور ہوازن بھی اس خیمے میں داخل ہو رہے تھے۔ عمیر نے کسی مصلحت کے تحت انہیں آوا نہ دی اور اپنی اسی رفتار سے گھوڑے کو چلاتا وہ برقائی کے زرنگار خیمے کے پاس آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر پہرہ دینے والے سپاہی سے کہا۔

مجھے برقائی خاں سے ملنا ہے۔

سپاہی نے پہلے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر استفساراً پوچھا۔

کیا تم مسلمان ہو؟

ہاں۔ میں مسلمان ہوں۔

پہرہ دار نے بڑی نرمی سے کہا۔

کہاں سے آتے ہو۔

مصر سے

پہریدار نے عمیر کا ہاتھ تھام لیا اور خیمے کے باہر چھوٹے سے ایک شا کے نیچے اسے آبنوس کی ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

برقائی نے ابھی ابھی دو مسلمان پہلوانوں کو بلایا ہے ان کا تعلق بھی مصر سے اور انہوں نے چنگیز خاں کے دشت میں تاتاریوں کے سب سے بڑے پہلوانوں پہلا ایک فوجی افسر کو شکست دی تھی۔ برقائی انہیں دیکھنے کا مشتاق تھا۔ وہ منگو کے

کے ساتھ آج صبح ہی یہاں پہنچے ہیں اور برقائی نے انہیں اپنے پاس بلا لیا ہے برقائی کو فخر ہے کہ وہ دو مسلمان ہیں وہ ان سے ملنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہے۔ وہ فارغ ہوں تو پھر آپ اندر چلے جائیں۔

عمیر نے پہریدار کی طرف غائر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تم تاتاری نہیں ہو۔ شاید ——

پہریدار خود بول پڑا۔ میں ترک ہوں اور ——

عمیر نے اس کی بات اچک لی —— اور مسلمان ہو؟

ہاں مسلمان ہوں۔ ٹھہرو میں تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ تمہارا لباس اور تمہارا گرد آلود چہرہ اس بات کے غماض ہیں کہ تم لگاتار دور دراز سے سفر کرتے آرہے ہو۔ عمیر نے اسے روکا۔

ٹھہرو! میں ملاقات سے قبل کچھ نہ کھاؤں گا — مگر پہریدار بھاگتا ہوا ایک چھوٹے خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

ابونواس اور ہوازن برقائی کے خیمے میں داخل ہوتے۔ سامنے آبنوس کی ایک مرصع کرسی پر خوب سڈول جسم اور بھاری رعب دار چہرے والا برقائی بیٹھا تھا اور اس کے سامنے شیخ شمس الدین باخوری بیٹھے تھے جن کے ہاتھوں برقائی نے اسلام قبول کیا تھا وہ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابونواس اور ہوازن نے آگے بڑھ کر دونوں سے مصافحہ کیا اور دونوں اس کے بائیں پہلو میں بیٹھ گئے۔ خیمے میں جگہ جگہ چاندی کے عودان جل رہے تھے جن کی خوشبو خیمے کے ماحول کو پراسرار بنائے ہوئے تھی اور اس خاموشی میں برقائی کی آواز ابھری۔

کیا تم ہی ابونواس اور ہوازن ہو جنہوں نے تاتاری پہلوانوں کو شکست دی تھی۔

ابونواس نے جواب دیا۔

ہاں۔ میرا نام ابونواس اور میرا ساتھی ہوازن ہے۔

اور تم دونوں مصر کے رہنے والے ہو۔

ہاں!

کس مقصد کے تحت چنگیز کے دشت میں گئے تھے۔ یاد رکھو مجھے ٹالنے کی
کوشش نہ کرنا، اور پھر میں مسلمان ہوں ایک مسلمان بھائی سے وہ راز چھپا کر نہیں رکھ
جس میں ملت کا فائدہ ہو۔ کہو تم دونوں کس مقصد کے تحت وہاں گئے تھے۔ اگر تمہارا
مقصد صرف وہاں جا کر کشتی لڑ کے انعام اور نام حاصل کرنا تھا تو مجھے تم سے مل کر بڑ
ہی خوشی ہوگی کہ تم دونوں مسلمان ہو اور اچھے پہلوان ہو اور اگر تمہارے اس طویل سف
کے پس منظر میں مسلمانوں کے لیے کوئی بہتری پوشیدہ ہے تو تم دونوں میرے لیے غیر
ترین ہوگے۔ اب بولو تم کیا جواب دیتے ہو۔

ابونواس نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں ایک مقصد کے تحت وہاں گئے تھے اور ہمارا کام وہاں سے فوج
نوعیت کی اطلاعات حاصل کرنا تھا۔

کس کے لیے؟

اپنے سالارِ اعلیٰ کے لیے۔

وہ کون ہے۔ کیا اس کا تعلق مصری فوج سے ہے۔

نہیں وہ قوم کا ایک گمنام مجاہد ہے۔ اس کا نام عمیر بن خزام ہے اور وہ
ان پرندوں کی طرح آزاد ہے جو جھیلوں کے کنارے اڑتے اور چہچہاتے ہیں۔

برقائی نے ابونواس کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھا۔

اس کا مقصد کیا ہے؟

وہ اسلام کے دشمنوں کے سامنے ایک ایسا بند باندھنا چاہتا ہے
ٹوٹ نہ سکے۔ ایک ایسا حصار قائم کرنا چاہتا ہے جسے لادینی قوتیں گرا نہ سکیں۔

اس کا مسکن کہاں ہے؟

دریائے یردن کے کنارے۔ لوگ عموماً اسے اور اس کے ساتھیوں کو موت
کے مسافر کے نام سے جانتے ہیں۔

برقائی اور اس کے سامنے بیٹھے شمس الدین نے تعجب سے ایک ساتھ کہا۔

موت کے مسافر؟

برقائی کے چہرے پر جستجو اور اطمینان کی ملی جلی لہریں بکھر گئیں۔

یہ نام میرا جانا پہچانا ہے۔ کیا عمیر بن خزام جسے تم نے اپنا سالارِ اعلیٰ کہا ہے۔
بہادر اور شجاع ہے اور کیا وہ اسلام کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔

ابونواس نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔

وہ فولاد کی طرح سخت اور شرارِ برق کی طرح تیز رفتار ہے۔ اس کے حواس ان
درندوں کی طرح تیز ہیں جو میلوں دور سے اپنے شکار کی بو سونگھ لیتے ہیں۔ وہ ہماری
راتوں کی آنکھ کا تارا اور نور کا ایک روشن دھارا ہے۔ آج تک کوئی دشمن میدانِ جنگ
میں اسے شکست نہیں دے سکا۔ وہ دشمنوں کے لیے ایک طوفان اور دوستوں
کے لیے نور کی ایک کرن ہے ——

ابونواس کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ برقائی کے خیمے کے باہر پہرہ دینے والا ترک
اندر داخل ہوا تھا۔ وہ سیدھا آگے آیا اور برقائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

باہر ایک اجنبی مسلمان کھڑا ہے۔ وہ آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔ ملاقات
سے قبل اس نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کسی دور دراز کے شہر سے
آیا ہے اور اس کے کپڑے اور چہرہ گرد آلود ہے وہ ایک خوب قد آور اور مضبوط جسم
کا انسان ہے اور اپنا نام عمیر بن خزام بتاتا ہے۔

برقائی نے حیرت سے کہا۔

عمیر بن خزام؟ — شیخ شمس الدین جو قوم کے گمنام مبلغ تھے بڑے شوق
سے دروازے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ابونواس اور ہوازن ایک ساتھ چونک کر
کھڑے ہو گئے۔ ابونواس نے پریشانی میں کہا۔

میرے آقا اور یہاں؟ پھر اس نے پہریدار سے پوچھا۔

کیا نوواردجس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ نیلی آنکھوں والا عرب ہے؟

ہاں!

کیا وہ سر پر عمامہ اور جسم پر کھردرے کپڑے کی عبا پہنے ہوتے ہے ؟۔

ہاں !

ابو نواس نے بیتاب ہو کر کہا۔

پھر وہی میرا سالار ہے۔ میں اسے اندر لاتا ہوں۔

برقائی پھر بولا اور ابو نواس سے کہا۔

تم بیٹھ جاؤ۔ پھر اس نے غصّے کا اظہار کرتے ہوئے پہریدار سے کہا۔

اسے تم نے باہر کیوں روکا ہے۔ اسے ایسی ہی تعظیم کے ساتھ اندر لاؤ جیسی تم تاتاری شہزادوں کی کرتے ہو۔

پہریدار باہر نکل گیا اور چند ثانیوں بعد وہ عمیر کے ساتھ اندر داخل ہوا ابو نواس اور ہوازن عمیر کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ برقائی اور شیخ شمس الدین جو ابو نواس اور ہوازن کی آمد سے قبل وہاں بیٹھے برقائی کو دینی تعلیم دے رہے تھے دونوں کھڑے ہو گئے۔ برقائی نے ہاتھ بڑھا کر پُرجوش مصافحہ کیا۔ عمیر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے تاتاریوں کی زبان میں برقائی سے کہا۔

میں سچین (عاقل) اور بگھاتر (بہادر) برقائی کو سلام کرتا ہوں۔ برقائی کے بعد عمیر نے شمس الدین سے مصافحہ کیا اور بعد میں وہ باری باری ابو نواس اور ہوازن سے بغلگیر ہوا تھا۔ برقائی نے اسے اپنے بائیں پہلو میں بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

تم نے میرے پاس آنے کی تکلیف کیسے کی ؟

عمیر کا سر جھک گیا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔

ہچکچاؤ نہیں۔ تمہارے ساتھی پہلے ہی تمہارے متعلق مجھے بہت کچھ بتا چکے ہیں کھل کر بات کرو۔ یہاں بیٹھا ہر شخص اور باہر پہرہ دینے والے سب ترک مسلمان اور قابلِ اعتماد ہیں۔ یہاں تم ہر راز کی بات کہہ سکتے ہو۔

عمیر نے آہستہ آہستہ سر اُوپر اُٹھایا اور بھاری آواز میں کہا۔

میں ایسے شخص کی تلاش میں یہاں آیا ہوں جو آنے والے پرآشوب دور میں مسلم قوم کا نجات دہندہ ثابت ہو۔

برقائی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اس کے لیے تم نے بغداد کا رُخ کیوں نہ کیا۔ وہاں ایک طاقتور خلیفہ حکمران ہے۔ عمیر نے دبی دبی اور گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

آپ کی غلط فہمی ہے۔ بغداد میں قوم کے اکابر غفلت کی ایسی نیند سو چکے ہیں۔ جس سے انہیں جگانا ناممکن ہے۔ وہ غداروں اور ملت فروشوں کے وجود سے بے خبر ہیں۔ وہ ایسے دُہن رکھتے ہیں جو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں کر سکتے وہ ایسے لوگ ہیں جو بیٹھ کی طرف اپنی منزل رکھتے ہیں۔ برقائی نے بڑی عاجزی سے کہا۔

مجھ سے تم کیا چاہتے ہو ؟

ایک یقین دہانی۔

کل کو اگر کوئی اور تاتاری چنگیز خاں کے روپ میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو آپ ہماری مدد کریں گے۔

برقائی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

تم جانتے ہو میں نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے اور اس کی خبر ابھی تک میرے بھائی ہلاکو کو بھی نہیں ہے۔ میں ابھی تک چھپ کر نماز ادا کرتا ہوں۔ مستقبل میں اگر میں اپنے گرد مسلمانوں کو جمع کر سکا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میں ہر اس قوت سے ٹکراؤں گا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ خواہ حملہ کرنے والا میرا سگا بھائی کیوں نہ ہو۔ میں اس کے سامنے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کی بساط کھول دوں گا۔

عمیر نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں بڑی بیتابی سے اس خوبصورت صبح کا انتظار کروں گا۔ جب آپ دریائے دولگا کے کنارے مسلمانوں کی ایک نئی قوت بن کر ابھریں گے اور ہمارے لیے ہلاکو سوہیلی مایوسی کی گھٹائیں ختم ہو جائیں گی۔

برقائی کے سامنے بیٹھے شمس الدین نے پہلی بار زبان کھولی۔

تم ایک بہادر باپ کا خون ہو۔ تمہاری زندگی اور تمہارا مقصد دونوں عظیم ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ رزم گاہیں جن کا انتخاب تم کر چکے ہو۔ عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ اس عالم کو صرف عقیدت سے دیکھتا رہا۔ برقائی نے اُسے چونکا دیا۔

تم کتنے روز یہاں قیام کرو گے؟

میں کل صبح یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ ابونواس اور ہوازن بھی میرے ساتھ جائیں گے۔ میں عجلت میں ہوں ورنہ کچھ روز میں ضرور یہاں قیام کرتا۔ مجھے فوراً واپس جا کر ایک نئے معرکے کی تیاری کرنا ہے۔

کیسا معرکہ؟

آذربیجان میں ظلم کے قلعے پر حملہ جہاں سے نکل کر تاتاری مسلمان شہروں اور کاروانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

کیا منگو ابونواس اور ہوازن کو جانے کی اجازت دے گا۔

ابونواس نے جواب دیا۔

یہ اجازت میں حاصل کروں گا۔ آپ کچھ دیر عمیر کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔ مجھے امید ہے کہ میں بڑے احسن طریقے سے منگو کو آمادہ کر لوں گا۔

برقائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جاؤ! عمیر کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ لیکن جلد لوٹنا شام کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔ اگر منگو اجازت نہ دے تو بھی مجھے اطلاع کر دینا میں خود اس سے بات کروں گا۔

عمیر، ابونواس اور ہوازن اُٹھ کر باہر آئے۔ اور تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر۔ دائیں جانب چل دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خیمے کے سامنے وہ گھوڑوں سے اترے اور اس خیمے میں داخل ہوئے۔ اندر کولان اور حمورا بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ابونواس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے خوشی کے اظہار میں کہا۔

بوجھو کون آیا ہے؟

کولان اور حمورا حیرت اور پریشانی میں عمیر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ابونواس نے خود ہی عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ دیا۔

میرے آقا عمیر بن خزام!

کولان اور حمورا کے چہرے پر اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔ ابونواس نے پھر کہا ہوازن تم عمیر کے ساتھ یہیں بیٹھو میں منگو سے بات کر کے لوٹتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ابونواس باہر نکلا اور خیموں کی قطاروں میں سے ہوتا ہوا منگو کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ اکیلا بیٹھا گھوڑی کا دودھ پی رہا تھا۔ ابونواس جب اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو منگو نے انسان کی کھوپڑی سے بناتے ہوئے اس پیالے کو جس سے وہ گھوڑی کا دودھ پی رہا تھا ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

کیسے آتے ہو ابونواس!

ابونواس نے آواز میں غایت درجہ کی نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

میں اپنے شہر جانے کی اجازت لینے آیا ہوں۔ تاکہ میں اس پہلوان کو اپنے ساتھ لا سکوں جو ہم دونوں کا استاد ہے اور جسے لانے کا وعدہ میں نے اوغدائی خاں سے کر رکھا ہے آپ اسے اور اس کی شجاعت دیکھ کر خوش ہوں گے اور یہ اوغدائی کا حکم بھی ہے کہ اسے ساتھ لایا جائے۔ یہاں سے میرا شہر قریب ہے میں اسے بہت جلد لا سکتا ہوں۔

منگو نے اونگھتے ہوئے کہا

کب تک لوٹو گے؟

بہت جلد۔ شاید آپ کے یہاں سے کوچ کرنے سے قبل ہی میں لوٹ آؤں۔ میں اور ہوازن دونوں جائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ میری التجا ٹھکرا دے اور ہوازن اسے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ کولان اور حمورا اس لیے ہمارے ساتھ جائیں گی کہ ہم انہیں اپنے گھر چھوڑ آئیں جہاں وہ آرام کریں میں انہیں جنگ میں اپنے ساتھ گھسیٹنا اچھا نہیں سمجھتا۔

کب تک جانا چاہو گے؟

کل صبح!

جاؤ مگر جلد لوٹ آنا۔

ابونواس کھڑا ہو گیا۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔

ابونواس وہاں سے نکل کر اپنے خیمے میں آیا۔ عمیر اور ہوازن کو ساتھ لیا اور تینوں پھر برقائی کے پاس آئے۔ شام کا کھانا انہوں نے برقائی کے ساتھ کھایا۔ تینوں نے بڑی بیتابی سے لشکر میں بسر کی اور دوسرے روز صبح ہی صبح وہ کولان اور حمورا کے ساتھ دریائے دولگا کے کنارے کنارے جنوب کی سمت اپنے مسکن کو ہو گئے تھے۔

عمیر، ابونواس، ہوازن، کولان اور حمورا کے ساتھ دریائے یرون کے کنارے کنارے اپنے قلعے کی طرف جا رہے تھے۔ کولان اور حمورا گھوڑوں کی بگھی میں سفر کر رہی تھیں اور وہ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ جب وہ اپنے مسکن کی حدود میں داخل ہوتے تو راستے کے دونوں جانب بلند پہاڑوں پر پہرہ دینے والے عمیر کے جاسوس زور زور سے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کرنے لگے آج انہوں نے سُبْحَانَ رَبِّیَ اعلیٰ اعلیٰ پکار کر سلامتی کا پیغام نہ دیا تھا۔

اللہ اکبر کی پہلی صدا سن کر عمیر جہاں تھا وہ اپنے گھوڑے کو روک کر کھڑا ہو گیا۔ ابونواس اور ہوازن بھی رک گئے۔ اور پریشانی سے پہاڑ کی اس چوٹی کی طرف دیکھنے لگے جہاں سے اللہ اکبر کی پہلی صدا سنائی دی تھی۔ کولان جو بگھی کے گھوڑوں کو ہانک رہی تھی فوراً اس نے باگیں کھینچیں اور گھوڑے رک گئے۔ اب راستے کے دونوں جانب قلعے کی سمت دور دور تک اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

اتنے میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک عرب جاسوس نمودار ہوا اور بڑے بڑے پتھر پھلانگتا ہوا عمیر کی طرف نیچے اترنے لگے۔ اچانک جاسوس جہاں تھا وہیں

رک گیا۔ سامنے رباح اپنا سرخ گھوڑا بگٹٹ دوڑاتا ہوا عمیر کے پاس آکر رکا تھا
نے بیتابی سے پوچھا۔
کیا ہوا؟
رباح نے عمیر سے قریب ہوتے ہوئے کہا۔
میرے آقا! ہشام لشکر کو لے کر قلعہ طلم کی طرف کوچ کر چکا ہے۔
کیوں؟
قلعہ طلم کا جو نیا تاتاری حاکم آیا ہے اس نے قریب کی مسلم بستیوں کی جوان
کنواری لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا جب مسلمانوں کا ایک
اس کے پاس گیا اور اس کے رویے کے خلاف سخت احتجاج کیا تو اس نے قلعہ
کے چاروں طرف دس میل کے اندر ساری بستیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی اور جو
لڑکیوں کو قیدی بنا کر قلعے میں لے گیا۔ میرے آقا! ہشام نے لشکر کے ساتھ کوچ
کے غلطی تو نہیں کی؟ کچھ بزرگ لوگوں نے کہا تھا کہ ایسا حادثہ پہلے کبھی نہیں ہوا کہ
کی غیر موجودگی میں لشکر حرکت میں آیا ہو۔ لہٰذا عمیر کا انتظار کیا جائے۔ لیکن ہشا
نے کہا میں ضمانت دیتا ہوں آقا ناراض نہ ہوں گے لہٰذا ہشام کے حکم پر لشکر حرک
میں آگیا اور مجھے وہ مسکن کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔
عمیر، ابونواس اور ہوازن سخت غصے کی حالت میں کھڑے تھے۔ عمیر
دانت پیستے ہوئے کہا۔
ہشام نے لشکر کے ساتھ کوچ کر کے میری خواہش کے مطابق قدم اٹھایا ہے
میں اس کے اس اقدام پر خوش ہوں۔ کیا روانگی سے قبل اس نے راستے کی حفاظ
کے لیے جاسوس روانہ کیے تھے۔
ہاں میرے آقا! جاسوس ایک دن پہلے روانہ ہوئے تھے۔
تمہارے پاس یہ خبر کیسے پہنچی۔
ہمارا اپنا جاسوس وہاں سے یہ خبر لایا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے تبا
اور جلی ہوئی مسلم بستیوں کو دیکھا ہے۔ اس کے پاس صدا بین کی ایک لڑکی کا خط

تھا جس میں اس لڑکی نے ہم سے مدد کی التجا کی تھی۔
اس لڑکی نے اپنا نام کیا لکھا تھا۔
اس نے اپنا نام نہ لکھا تھا۔ خط کے آخر میں تحریر تھا۔ صیدا بین کی ایک
گمنام لڑکی۔
ابونواس نے کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔ یقیناً وہ ہماری بہن اریطہ کا خط ہوگا۔
تاتاریوں نے اگر ہماری مسلم بستیوں کو تباہ و ویران کیا ہے تو خدا کی قسم ہم طلم کی اینٹ سے
اینٹ بجا دیں گے۔
عمیر نے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑتے ہوئے ابونواس اور ہوازن سے کہا۔
تم دونوں کولان اور حمورا کو لے کر قلعے میں چلے جاؤ اور مسکن کی حفاظت کرو۔
میں لشکر کے پیچھے جاتا ہوں مجھے امید ہے میں انہیں طلم پہنچنے سے قبل جالوں گا۔
ہوازن نے پرزور احتجاج کیا۔
یہ کیسے ہو سکتا ہے میرے آقا! ابونواس اور ہوازن آپ کو تنہا کیسے چھوڑ
سکتے ہیں۔ پھر ہوازن نے رباح سے مخاطب ہو کر کہا۔
رباح! تم بھی کو قلعے میں لے جاؤ۔ یہ ابونواس اور میری بیویاں ہیں انہیں اسی
عمارت میں ٹھہراؤ جس میں ہم تینوں رہتے ہیں اور ہم لشکر کے پیچھے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ
ہی اس نے اپنے گھوڑے کو موڑتے ہوئے عمیر سے کہا۔
چلیے سیدی!
ابونواس بھی اپنے گھوڑے کو موڑ چکا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ تینوں تبریز
کی طرف جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے دھول اڑاتے ہوئے
شمال مشرق کے رخ پر اُڑے جا رہے تھے۔
ایک بستی کے قریب جب کہ عمیر، ابونواس اور ہوازن دریائے فرات کا پل
پار کر رہے تھے انہوں نے دیکھا ان سے آگے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ان کا
لشکر جا رہا تھا۔ جب وہ لشکر سے نزدیک ہوتے تو پچھلے سپاہیوں نے ان تینوں کو
دیکھ لیا۔ پھر لشکر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کی آمد کی خبر ہو گئی اور

لشکر رک گیا۔ وہ تینوں جب لشکر میں داخل ہوئے تو چاروں طرف تکبیر کی فلک شگاف صدائیں بلند ہونے لگیں۔

وہ تکبیروں کے جواب میں ہاتھ لہراتے ہوئے لشکر کے آگے آگے شیبان ہشام اور جابر نے ان سے مصافحہ کیا۔ لشکر نے دوبارہ کوچ کیا اس حالت میں کہ آگے عمیر تھا۔ اس کے پیچھے ابونواس اور ہوازن اور ان دونوں کے پیچھے ہشام، جابر اور شیبان تھے۔ لشکر اب عمیر کی سرکردگی میں پہلے کی نسبت زیادہ تیز رفتاری سے حرکت میں آیا تھا۔ تیز ہواؤں میں عربوں کی لہراتی عبائیں، ترکوں کے چمکتے خود اور جفاکش بربریوں کے عضیلے آبنوسی چہرے ایک طوفان کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ ایک ایسا تباہی کی آگ کا طوفان جو اپنے راستے میں کانٹوں کے انبار جلا کر راکھ کر دے۔ شدت کا ایک ایسا طوفان جس کا کوئی راستہ نہ روک سکے۔ ظلم پہنچتے ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ تاتاری باہر نکل کر حملہ آور ہونے کے بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ عمیر کے حکم پر لشکر حرکت میں آیا اور رکدالوں کی مدد سے قلعے کے گرد دمدمے بنانے شروع کر دیئے۔ قلعے کے برجوں سے تیروں کی تیز بوچھاڑ ماری گئی۔ مگر موت کے مسافر ڈھالوں کی اوٹ میں دمدمے بناتے رہے۔

اچانک اس وقت جب کہ مسلمان دمدمے بنانے میں بری طرح مصروف تھے۔ قلعے کا دروازہ کھلا اور تین ہزار تاتاری سوار اپنے گھوڑوں کو مارتے پیٹتے اور تیزی سے دوڑاتے ہوئے حملہ آور ہوئے ابھی وہ دور ہی تھے کہ ان مسلمان جاسوسوں کے اشاروں پر جو دشمن پر کڑی نگاہ رکھنے پر مامور تھے جنگ کے نقارے بج اٹھے مسلمانوں نے دمدمے بنانے بند کر دیئے اور فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر ہتھیاروں سے لیس ہو گئے۔ چاروں طرف سے عرب، ترک اور بربری سمٹ کر حملہ آور ہوئے گھمسان کا ایک معرکہ ہوا۔ تاتاری اپنے ساتھیوں کو تیزی سے قتل ہوتے دیکھ کر پسپا ہوئے اور قلعے کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور مارتے پیٹتے بڑی تیزی سے ان کی تعداد کم کرنے لگے۔ تاتاری بدحواسی کے عالم میں اندھا دھند گھوڑے دوڑاتے قلعے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ شام تک دمدمے

بنا کر مکمل کر دیئے گئے اور سپاہی ان کی آڑ میں تیروں کے ڈھیر اپنے پاس جمع کر کے بیٹھ گئے۔

قلعے کے شمال کی طرف فوج کی کمان ہشام کو سونپی گئی۔ جنوب کی طرف جابر اور مغرب کی طرف ایک ترک جرنیل تھا۔ عمیر، ابونواس اور ہوازن مشرق کی سمت تھے جہاں قلعے کا صدر دروازہ تھا۔ جہاں سے نکل کر تاتاری حملہ آور ہوتے تھے۔ عمیر نے ایک بار اپنے گھوڑے پر قلعے کا چکر لگایا۔ حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد وہ ہشام کے پاس آکر رکا اور اسے اس جاسوس کو بلانے کے لیے کہا جس نے مسلم بستیوں کی تباہی کی خبر دی تھی۔ ہشام نے ایک سپاہی کو بھیجا اور تھوڑی دیر بعد وہ اس جاسوس کو لے آیا عمیر کے پاس آکر اس جاسوس نے بڑے ادب سے عمیر کو سلام کیا اور مؤدبانہ کھڑا ہو گیا۔ عمیر نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے پوچھا۔

میرے نام تمہیں خط کس لڑکی نے دیا تھا۔

مجھے اس نے اپنا نام نہیں بتایا میرے آقا۔ وہ صیدابین کی کوئی گمنام لڑکی ہے تمہیں وہ کہاں ملی تھی۔

صیدابین کی کچھ لڑکیاں، چند معمر مرد اور عورتیں بچ گئے ہیں۔ بستی کے چار گھروں کے اندر تہ خانے تھے اور وہ لوگ ان تہ خانوں میں ابھی تک محفوظ ہیں۔ میں جب تباہ شدہ صیدابین کا جائزہ لے رہا تھا تو وہ لڑکی تہ خانے سے نکل کر مجھے ملی تھی۔

کیا تم وہ تہ خانہ جانتے ہو جہاں سے وہ لڑکی نکلی تھی۔

میں جانتا ہوں میرے آقا!

آؤ میرے ساتھ۔ ہشام! تم مشرق کی طرف صدر دروازے پر جا کر فوج کا نظم و ضبط سنبھالو۔ میں تھوڑی دیر تک واپس آتا ہوں۔ ابونواس اور ہوازن بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔ یہاں شمال کی طرف اپنی جگہ کسی اور کو مقرر کر دو۔

تاریکی میں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے عمیر، ابونواس اور ہوازن اس

جاسوس کے ساتھ صیدا میں آئے۔ وہ جاسوس عمیر کو کسی تہ خانے کا پتہ بتا
ہی لگا تھا کہ عمیر کی نظر ستاروں کی مدھم روشنی میں ایک بوڑھے شخص پر پڑی
ملبے کے اندر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمیر جب اس کے نزدیک ہوا تو
نے دیکھا وہ بوڑھا احمد تھا وہی احمد جس کا گھر اریطہ کے گھر کے سامنے تھا اور جہ
نے عمیر اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے والے تاتاریوں کی لاشیں ٹھکانے لگا
تھیں۔ عمیر نے اسے پکارا۔

چچا احمد! کیا تلاش کر رہے ہو؟

احمد کھڑا ہو گیا اور خوشی و دکھ کے ملے جلے جذبات میں کہا۔

تم آ گئے بیٹے! اریطہ نے تمہیں مدد کے لیے پکارا تھا۔ وہ دن رات تمہار
انتظار کرتی رہی ہے اور پوری پوری رات تمہارے آنے کی دعائیں مانگا کرتی ہے
شاید قدرت اس کی دعائیں قبول کر چکی ہے۔ پر تم تو صرف اپنے ان تین ساتھیوں
کے ساتھ ہی آئے ہو؟

نہیں چچا! میں اپنے لشکر کے ساتھ آیا ہوں۔ ہم نے حلم کا محاصرہ کر لیا ہے
تاتاری ایک بار کھلے میدان میں ہم سے مقابلہ کر کے پسپا ہو چکے ہیں۔ اب میں ان پ
باقاعدہ حملہ شروع کرنے والا ہوں۔

احمد ایک طرف لپکا۔ ٹھہرو! میں اریطہ کو تمہاری آمد کی اطلاع کرتا ہوں۔ وہ
بے حد خوش ہو گی۔ احمد رک گیا اور دکھ سے کہا۔

پر تمہیں ایک خبر سن کر دکھ بھی ہو گا۔

وہ کیا؟

اریطہ کی ماں کو تاتاریوں نے قتل کر دیا ہے اور وہ جفاکش لڑکی اس دنیا میں
اب اکیلی رہ گئی ہے۔ عمیر کا سر غم سے جھک گیا تھا۔ احمد پھر آگے بڑھا۔ ملبے میں سے
گزرتا ہوا وہ ایک جگہ کا نیچے جھک کر ایک پتھر اٹھایا وہاں تہ خانے کو جانے
والا راستہ نمودار ہوا تھا۔ احمد نے سوراخ کے اندر منہ لیجاتے ہوئے زور سے کہا

اریطہ بیٹی! سب کو ساتھ لے کر باہر آ جاؤ۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ چکا

ہے اور حلم کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ احمد پیچھے ہٹا اور دوبارہ عمیر کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔
چند لمحوں بعد اریطہ تہ خانے سے نکلی اور اس کے پیچھے پیچھے بے شمار عورتیں تہ خانے
سے نکل پڑیں ان میں جوان کم ادھیڑ عمر زیادہ تھیں۔

ستاروں کی مدھم روشنی میں عمیر نے اریطہ کی طرف دیکھا اس کے لباس میں
سادگی کے باوجود پرکاری اور نفاست تھی۔ اس کے چہرے پر ماضی کی ایذاؤں کلفتوں
کے دھندلکوں کے پیش منظر میں اب خوشی کے آنسوؤں، نغموں اور قہقہوں کا سیلاب تھا
اس تاروں بھری رات میں جب کہ آسمان سے شبنم بڑی تیزی سے گر رہی تھی
اریطہ عمیر کے سامنے کھڑی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر وہ کچھ نہ کہہ پائی۔ اس کی زبان
جیسے باندھ دی گئی ہو۔ عمیر جو اس کے لیے روشنی کا مینار تھا۔ وہی عمیر جسے اس نے ہمیشہ
اپنے دل کے آسمان کے ستاروں میں دیکھا تھا۔ جو شاہراہ حیات کے چوراہے
پر کھڑا اسے ہمیشہ پکارا کرتا تھا جس کے انتظار میں اس نے پہروں جلمائے اور
ڈوبتے ستاروں سے باتیں کی تھیں۔ وہ اس عمیر سے کچھ نہ کہہ پائی جس کے وجود سے
اس کے دل کی قندیلیں روشن تھیں۔ اس کے دل اور ذہن میں سنیئرہ کاری شروع
ہو گئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ اس کا استقبال کرنا چاہتی تھی لیکن ——— وہ
تو پر کٹے پنچھی کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔ عمیر اسے دیکھے جا رہا تھا پر وہ تو اس
آہوئے حرم کی طرح خاموش اور ساکن کھڑی تھی جسے کوئی خطرہ نہ ہو ——— پھر
——— پھر عمیر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

اریطہ! مجھے تمہاری ماں کے مرنے کا دکھ ہے۔

اریطہ رو پڑی۔ اس کے آنسوؤں میں شکوؤں کی ایک دنیا آباد تھی۔ اور دل
زور زور سے دھڑک کر عمیر سے کہہ رہا تھا۔ تم میرے ہو۔ جب تم میرے ساتھ ہو
مجھے کوئی غم اور دکھ نہیں۔ آنسو پونچھ کر اریطہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک بوڑھی
عورت آگے بڑھی اور گردن کے قریب سے عمیر کی عبا پکڑ کر زور سے کھینچتی ہوئی وہ
بڑھیا غصے میں آگ اور گندھک کے دھماکے کی طرح پھٹ پڑی۔

تم ——— تم کیسے بھائی ہو جو تاتاریوں کے ہاتھوں اپنی مسلم بہنوں کی عصمتیں

نہیں بچا سکتے تم کیسے مسلمان اور موت کے مسافر ہو جو اپنی ماؤں اور بہنوں کی پکار پر بروقت لبیک نہیں کہہ سکتے بڑھیا نے زور سے عمیر کی عبا پکڑ کر پھاڑ دی پھر اس کی زرہ پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے وہ بچاری روتی ہوئی ہچکیوں میں کہنے لگی۔

تم کیوں اس وقت یہاں نہ تھے۔ تم کیوں دیر سے آئے ہو۔ کاش تم اسوقت یہاں ہوتے۔ تم دیر سے جاگے ہو۔ آہ ——— بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر رو دی عمیر نے بھیگی پلکوں کے ساتھ گردن جھکا رکھی تھی۔ اریطہ آگے بڑھی۔ بڑھیا کے ہاتھ سے عمیر کی عبا چھڑا کر اس نے بڑھیا کو علیحدہ کرتے ہوئے اپنے بہتے آنسوؤں میں عمیر سے

یہ احمد چچا کی بہن ہے۔ تاتاریوں نے اس کے دونوں بیٹوں کو اس کے سامنے قتل کیا اور ان کا خون ایک گلاس میں بھر کر اسے پینے کو کہا۔ جب اس نے پینے سے انکار کیا تو اس کا منہ کھول کر اس کے بیٹوں کا خون زبردستی اس کے منہ میں انڈیلا گیا۔ اپنے بیٹوں کی وحشیانہ موت پر یہ اپنے حواس کھو چکی ہے۔ کیا میں امید رکھوں آپ اس کے سلوک پر اپنا دل میلا نہیں کریں گے۔

عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ بڑھیا ابھی تک ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اریطہ اپنے آنسو پونچھنے لگی تھی۔ عمیر کے پہلو میں کھڑے ابونواس اور ہوازن اپنی بھیگی پلکوں کے ساتھ اس بڑھیا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سامنے کھڑی ساری عورتیں اور بوڑھا احمد سب رو رہے تھے۔

اچانک عمیر نے اپنا سر ایک جھٹکے سے اُوپر اٹھایا اور دھاڑتی ہوئی آواز میں اریطہ سے پوچھا۔

اریطہ! کس نے اس کے بیٹوں کا خون اس کے منہ میں انڈیلا؟

اریطہ نے اس بڑھیا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ قلعہ طلم کے تاتاری سپہ اور اس کے چھوٹے بھائی نے۔

عمیر کی حالت اس وقت ان آندھیوں جیسی تھی جو ریت کے تودے اُٹھا کر لے جاتی ہیں۔ اور آبادیوں کو دفن کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس نے سر گھمایا اور پہلے جیسا

بھیانک آواز میں کہا۔

ابونواس اور ہوازن! یہ حکم ہر سپاہی کے کانوں تک پہنچا دو کہ طلم کے تاتاری سالار اور اس کے بھائی کو ہر صورت میں زندہ گرفتار کیا جائے۔ جواب میں ان دونوں کے سر جھک گئے تھے۔ عمیر نے پھر احمد سے کہا۔

احمد چچا! کیا یہاں ایسا کوئی اور تہ خانہ بھی ہے۔

احمد اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا عمیر سے قریب ہوا۔

یہاں ایسے تین اور تہ خانے بھی ہیں جن میں بستی کے کچھ مرد چھپے ہوئے ہیں۔

تو پھر جا کر انہیں بھی یہ خوش خبری سنا دو کہ طلم کا محاصرہ ہو چکا ہے وہ اب آزادی سے باہر نکل کر گھوم پھر سکتے ہیں۔ عمیر جب اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے مڑا تو اریطہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

ٹھہریئے!

عمیر مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اریطہ نے اپنی تیز دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

آپ کہاں جا رہے ہیں؟

میں واپس جا کر جنگ کی باقاعدہ ابتدا کروں گا۔

کیا میں جنگ میں شریک نہ ہو سکوں گی۔ میں اگر لڑ نہیں سکتی تو اپنے بھائیوں کی مرہم پٹی تو کر سکتی ہوں۔ میری طرح اور بہت سی عورتیں بھی یہ کارِ خیر انجام دے سکتی ہیں۔

عمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

آج کی رات میں صرف انہیں بری طرح جنگ میں مصروف رکھوں گا۔ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش میں کل صبح سے شروع کروں گا۔ آج کی رات میں کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہ دوں گا کل صبح سے جو بھی لشکر کی خدمت کے لیے آئے گا میں اسے منع نہیں کروں گا۔

عمیر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور طلم کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابونواس اور ہوازن اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ قلعے کے صدر دروازے کے پاس آ کر عمیر گھوڑے سے اترا۔

تین سپاہی بھاگتے ہوتے آگے بڑھے اور ان کے گھوڑے پکڑ کر پیچھے لے گئے
سپاہی خاموشی سے دمدموں کی آڑ میں بیٹھے ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے مو
لکڑی کی پہیوں والی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جو چاروں طرف سے بند تھیں اور ان کے ا
ان گنت سوراخ تھے جن میں سے سپاہی اندر بند ہو کر دشمن پر تیر اندازی کر سکتے تھے
ان لکڑی کے چھکڑوں کے پیچھے ذرا دور جہاں قلعے سے برسائے جانے والے
نہ پہنچ سکیں وہاں لشکر کے گھوڑے کھڑے تھے اور وہیں کچھ سپاہی سامان رسد
کے لیے خیمے نصب کر رہے تھے۔

عمیر ایک دمدمے کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا اور ہشام سے کہا۔

ہشام! تم اپنے محاذ پر چلے جاؤ۔ ابونواس اور ہوازن تم دونوں ایک با
قلعے کے گرد چکر لگاؤ اور اپنے سپاہیوں سے کہو جب میں فضا میں جلتے ہوئے
پروں کا تیر چھوڑوں گا قلعے میں آتشی تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دیں۔ حتیٰ الوسع
کوشش کریں کہ تیر کسی سپاہی کو ہدف بنا کر چلایا جائے۔ فجر کی نماز کے بعد جب
میری طرف سے تکبیریں بلند ہوں اور نقارے بجیں تو بند چھکڑوں میں پوری قوت
سے قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کل صبح کا سورج ہمیں طلم کے اندر لڑتا
ہوا دیکھے۔

ہشام اپنے محاذ پر چلا گیا ابونواس اور ہوازن بھی وہاں سے اُٹھے اور سپاہیوں
کو عمیر کے احکام پہنچانے روانہ ہو گئے تھے۔

●

پوری رات دونوں طرف سے ایک دوسرے پر تیروں کی بارش ہوتی رہی
اسلامی سپاہ نے باری باری فجر کی نماز ادا کی اور اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر
فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں۔ جب سارا لشکر نماز سے فارغ ہو چکا تو عمیر کے محافظ
دستے کے طور پر لڑنے والے سپاہیوں نے عمیر کے اشارے پر بیک آواز ہو کر کئی
بار تکبیریں بلند کیں جس کے جواب میں طلم کے چاروں طرف اللہ اکبر کی روح فرسا

آوازیں گونجنے لگی۔ پھر صدر دروازے کے سامنے جہاں عمیر، ابونواس اور ہوازن تھے
ایک ساتھ کئی نقارے بج اٹھے۔ اور جلتے پروں کا ایک تیر فضا میں چھوڑا گیا۔

سپاہیوں کی آدھی تعداد اُٹھ کر لکڑی کے چھکڑوں کو قلعے کی طرف کھینچنے لگی
اور آدھے سپاہی دمدموں کی اوٹ میں بیٹھے قلعے پر تیروں کی بارش کرتے رہے۔ چھکڑوں
کو دھکیلنے والے سپاہی چھکڑوں کی اوٹ میں تھے لہٰذا وہ تاتاری تیروں سے محفوظ
تھے۔ چھکڑوں کو قلعے سے بالکل قریب لے جانے کے بعد سپاہی تیروں سے بھرے
ہوتے ان چھکڑوں میں محفوظ ہو کر بیٹھ گئے اور جو تاتاری سپاہی قلعے کے برجوں سے
نکل کر باہر تیر برسانے کی کوشش کرتا چھکڑوں میں بیٹھے سپاہیوں کے تیر ان کا
جگر چیر دیتے اور وہ قلعے کی فصیل سے باہر آ گرتے۔ سپاہیوں سے بھرے ہوئے
دس چھکڑے قلعے کے صدر دروازے کے سامنے رک گئے تھے ان کی کمان ابونواس
کر رہا تھا۔ عمیر اور ہوازن ایک ہی چھکڑے میں بیٹھے تھے ان کے ساتھ پندرہ سپاہی
بھی تھے اور یہ چھکڑا صدر دروازے کے دائیں طرف آ کر رک گیا تھا۔

عمیر اور ہوازن چھکڑے سے نکل کر ڈھالوں کی اوٹ میں فصیل کے قریب
آئے اور اپنی کمندیں قلعے کے برج پر پھینکیں ان کے پیچھے پیچھے ان گنت سپاہی قلعے
پر اپنی کمندیں پھینک چکے تھے۔ عمیر اور ہوازن اب بڑی تیزی سے اپنی اپنی کمند
کے ذریعے فصیل کے اوپر چڑھ رہے تھے۔ برج کے اوپر سے جو بھی باہر نکل کر
ان پر تیر برسانا چاہتا چھکڑوں کے اندر سے اور دمدموں کے پیچھے سے ان پر
تیروں کی باڑھ آتی وہ یا تو تیروں سے چھد کر نیچے گر جاتے یا برج کی اوٹ میں
ہو جاتے۔

عمیر اور ہوازن کی طرف دیکھتے ہوتے بہت سے سپاہی کمندوں کے
ذریعے قلعے کی فصیل پر چڑھنے لگے تھے۔ فصیل پر چڑھتے ہی عمیر اور ہوازن کو وہاں دس
تاتاری سپاہیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ان دونوں نے اپنی پیٹھیں ملائی تھیں اور بڑی
بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوتے اپنے لیے کھڑا ہونے کی تھوڑی سی جگہ بنا لی تھی۔
اتنی دیر تک ان کے سپاہی بھی فصیل پر چڑھ آتے۔ لمحہ بہ لمحہ اس برج پر تاتاریوں

کی تعداد بڑھ رہی تھی لیکن جب عمیر اور ہوازن نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ
کر حملہ کیا تو وہ تاتاریوں کو پیچھے دھکیل کر اس برج پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو
تھے۔ اور اب وہ کمندوں کے ذریعے اپنے نئے آنے والے سپاہیوں کے
جگہ پیدا کرنے کی خاطر آگے بڑھ کر تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے۔

قلعے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ خبر آگ کی طرح
گئی تھی کہ صدر دروازے کے ایک برج پر مسلمان قبضہ کر چکے ہیں لہٰذا تاتا
فوجوں کا سیلاب اس برج کی طرف امڈا۔ قلعے کا تاتاری سالار چیخ چیخ کر ا
برج کو مسلمانوں سے چھین لینے کے احکام جاری کر رہا تھا۔

عمیر اور ہوازن جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اب کافی آگے بڑھ گئے
رکنے پر مجبور ہو گئے ایک ایک مسلمان سپاہی سے لڑنے کے لیے بیس بیس
تاتاری امڈے چلے آ رہے تھے۔ ایک موقع پر جب ان پر تاتاریوں کا زیادہ دبا
تو وہ پسپا ہونے شروع ہو گئے حتیٰ کہ تاتاری انہیں دھکیلتے ہوئے اسی برج
پاس لے آئے جہاں سے انہوں نے پیش قدمی شروع کی تھی۔

اچانک فصیل پر چڑھنے والے مسلمانوں نے اندھا دھند تاتاریوں کی
ہوئی یلغار پر تیر برسائے اور اس طرح ایک بار پھر تاتاریوں کے قدم رک
اس موقع پر عمیر کی بلند اور گونجتی ہوئی آواز سنائی دی وہ اپنے سپاہیوں
مخاطب ہوا تھا۔

"میرے بہادر اور نڈر ترکو! جاں باز اور سرفروش بربریو اور میر
حجاز کے جاں نثار سپاہیو! اپنی روح کی گہرائیوں سے دھاڑتے ہوئے تکبیر
بلند کرو اور تاتاریوں کے سروں پر موت بن کر کھیل جاؤ۔ آج ظلم تمہارا ہے اس
ہر برج پر، ہر دیوار پر ہر ستون پر تاتاریوں کے لیے فنا کی تحریریں ثبت کرتے
آندھی اور طوفان بن کر آگے بڑھو اللہ تمہارا نگہبان ہے۔"

سپاہیوں نے کچھ اس طرح تکبیریں بلند کیں جیسے بے جان شراروں کا چو
دینے والا خرمن پھر انہوں نے بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح آندھی جھپٹ شروع کر

وہ حملہ آور ہوتے ہوئے اس طرح تاتاریوں میں گھستے چلے گئے تھے جس طرح لومڑیوں
کے جھٹ میں بھیڑیے غراتے ہوئے گھس جاتے ہیں۔

فضا کی تاریکی اب ختم ہو رہی تھی اور صبح کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ عمیر اور
ہوازن اپنے ساتھیوں کے ساتھ تاتاریوں کو دور تک دھکیلتے چلے گئے تھے۔ ان کا
رُخ اب صدر دروازے کی طرف تھا۔ لیکن وہاں اس قدر تاتاری سپاہی جمع
ہو گئے تھے کہ دروازہ کھولنا مشکل ہو گیا تھا۔

دروازے کے قریب جا کر عمیر اور ہوازن نے ایک ساتھ تکبیر بلند کی اور
اس کے جواب میں قلعے سے باہر صدر دروازے کے پاس ابونواس نے اپنی غراتی
ہوئی آواز میں تکبیر بلند کر کے اپنے مستعد ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ عمیر اور ہوازن اپنے
ساتھیوں کے ساتھ سامنے آنے والے تاتاریوں کو کاٹتے ہوئے دروازے
کی طرف بڑھے۔ اچانک ایک تیز آہنی نوک کا تیر سرسراتا آیا اور عمیر کی زرہ پھاڑ کر
اس کی پسلی میں پیوست ہو گیا۔ لیکن اس وقت تک وہ دروازے کے پاس
پہنچ چکا تھا۔ عمیر دروازہ کھولنے کے لیے جھکا اس کی پسلی میں ابھی تک تیر پیوست
تھا اور وہاں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس موقع پر ہوازن اسے اپنی اوٹ میں لے
کر بڑی تیزی سے تلوار چلا رہا تھا۔

عمیر نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ ابونواس کی سرکردگی میں
مسلمان سپاہی ریلے کی صورت میں اس طرح قلعے کے اندر داخل ہوتے جس طرح
کوئی آتشی مواد زمین کا سینہ چاک کر کے تباہی کی صورت میں نکل پڑتا ہے۔ اب
چاروں طرف سے مسلمان سپاہی سمٹ کر صدر دروازے کے راستے قلعے
میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

عمیر نے پھر تلوار بائیں بغل سے نکال کر اس نے پھینک دیا تھا۔ خون
کی ایک تیز دھار اس کے کپڑوں پر کئی سرخ لکیریں بناتی ہوئی زمین پر گرنے لگی
تھی۔ عمیر نے کوئی پروا نہ کی اور قلعے میں داخل ہونے والے اپنے سپاہیوں کے
دوش بدوش بڑی تیزی سے لڑنے لگا تھا۔ کچھ عرب ترک اور بربری سپاہیوں

نے عمیر کو محفوظ کرنے کی خاطر اس کے گرد گھیرا بنا کر لڑنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن عمیر بار بار ان کا یہ گھیرا توڑ کر نئے انداز اور انوکھے ولولے کے ساتھ تاتاریوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

ہوازن نے بیتاب ہو کر عمیر کو پکارا تھا۔

میرے آقا! رک جائیے۔ آپ کا زخم خطرناک ہے۔

جب عمیر پھر بھی نہ رکا اور لڑتا لڑتا آگے بڑھتا رہا تو ہوازن لڑتے لڑتے زور زور سے چلانے لگا۔

رک جاؤ عمیر! رک جاؤ۔ اتنے میں شیبان اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا قلعے میں داخل ہوا اور پریشانی میں ہوازن سے پوچھا۔

کیا ہوا عمیر کو؟

ہوازن نے لڑتے لڑتے جواب دیا۔

عمیر کو سنبھالو شیبان وہ زخمی ہے۔

شیبان اپنے جراحوں کے دستے کے ساتھ لڑتا ہوا بڑی تیزی سے عمیر کے قریب ہونے لگا۔ ہشام جب اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا قلعے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا قلعے کے برجوں پر پہرہ دینے والے تاتاری سپاہی بڑی تیزی سے قلعے کے اندر اتر کر مسلمانوں سے لڑنے لگے ہیں۔ وہ وہیں سے واپس مڑا اور صدر دروازے کے دونوں طرف سے جو مسلمان سپاہی سمٹ سمٹ کر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس نے انہیں وہیں روک دیا اور قلعے پر کمندوں کے ذریعے چڑھ کر پشت کی طرف سے تاتاریوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آن کی آن اور ساعت کی ساعت میں سپاہیوں نے کمندیں پھینک دیں۔ اور قلعے پر چڑھنے لگے۔ ان کے ساتھ ہشام بھی ایک برج پر کمند پھینک کر اوپر جا رہا تھا۔

اوپر جا کر ہشام نے سپاہیوں کو منظم کر کے قلعے کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ انہوں نے دیکھا ان کے ساتھی سپاہی عمیر، ابو نواس اور ہوازن کی سرکردگی میں شہباز کی سی تیزی سے عقابوں کی طرح دشمن سپاہ پر جھپٹ رہے تھے۔

ہشام کے اشارے پر قلعے کے اوپر چڑھنے والے سپاہیوں نے ایک ساتھ ولولہ انگیز تکبیر بلند کی اور پشت کی طرف سے تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے اب تاتاری اپنے آپ کو چکی کے دو پاٹوں تلے پستا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ فضا میں چمکتی ہوئی تلواریں دکھائی دے رہی تھیں۔

جنگ جب زوروں پر تھی عمیر کی آواز گونجی۔

میرے آفاق گیر ساتھیو! آفتاب طلوع ہونے والا ہے۔ بے روک آندھی اور بے تحاشہ قوت بن کر حملہ کرو۔ دشمن کو کمزور گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے پاؤں تلے مسل کر آگے بڑھتے رہو۔ تمہارا استقبال اس قلعے کے گرد فضا کی تاریکیوں نے کیا تھا۔ اب تم ایک فاتح کی حیثیت سے تھوڑی دیر بعد طلوع ہونے والے آفتاب کا استقبال کرو۔ آگے بڑھتے رہو۔ آگے بڑھتے رہو۔ آج ظلم تمہارا ہے۔

عمیر جب خاموش ہوا تو ابو نواس اور ہوازن دھاڑتے ہوئے دشمن پر ایک نئے ولولے کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور ان کی کمان میں لڑنے والے سپاہی اپنے چہروں پر ملکوتی مسکراہٹ لیے بڑی تیزی سے خاک اور خون کا کھیل شروع کر چکے تھے۔ ایسا ہی جذبہ پشت کی طرف سے حملہ کرنے والے ہشام اور اس کے سپاہیوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ تاتاری سپاہی اب آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے اور موت کے مسافر اس تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جیسے پھوس میں لگی ہوئی آگ یا ——— بلندیوں سے گرتی ہوئی کوئی تیز آب جو۔

قلعہ طلم کا تاتاری حاکم ایک بلند شہ نشین پر کھڑا اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اسکا ایک نائب بھی تھا۔ عمیر لڑتا ہوا ان دونوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شیبان اپنے جراحوں کے دستے کے ساتھ عمیر کے قریب آ کر گھوڑے سے اترا اور عمیر کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

میرے آقا! آپ زخمی ہیں۔ میرے ساتھ آئیے۔

عمیر نے اپنا آپ چھڑا لیا اور تیز نگاہوں سے شیبان کی طرف دیکھتے ہو
شیبان! میرا زخمی ہونا اتنا اہم نہیں۔ تم اپنے جراحوں کے ساتھ اپ
لشکر کے پیچھے چلے جاؤ اور زخمی ہونے والے سپاہیوں کو فوراً طبی امداد پہنچاؤ
میری فکر نہ کرو۔ یہ زخم میری موت کا سبب نہیں بن سکتا۔ میں زندہ ہوں اور اپ
رب کے فضل سے زندہ رہوں گا ——— اچانک عمیر کہتے کہتے رک گیا ا
کی نگاہ شیبان کے گھوڑے پر پڑی تھی وہ ایک جست کے ساتھ گھوڑے پ
سوار ہو گیا۔ وہ لڑتا ہوا آگے بڑھا اور تاتاری حاکم کے درمیان کچھ فاصلہ کم کیا
گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی کمند کھولی۔ کچھ سوچتے ہوئے اندازہ لگا کر کمند
کچھ بل کھولے۔ ہاتھ کو فضا میں لہرایا اور کمند پھینکی۔ کمند تاتاری حاکم کی گردن پر جا ک
پھنسی۔ عمیر نے فوراً گھوڑے کو موڑا اور اسے دروازے کی طرف سرپٹ دوڑ
دیا۔ کمند میں پھنسا ہوا تاتاری حاکم زمین پر بڑی تیزی سے گھسٹتا جا رہا تھا۔

حاکم کو اس جگہ سے نکال کر جہاں ابھی تک اس کے سپاہی لڑ رہے
عمیر نے گھوڑے کو روکا۔ زقند مار کر گھوڑے سے اترا۔ حاکم کے گلے سے کمند کھو
اسے اُٹھایا اور گردن دبوچ کر گھوڑے کے پاس لایا۔

ایک بار پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعے کے کماندار کو اپنے ساتھ
لیا۔ گھوڑے کو دوبارہ وہ وہاں لایا۔ جہاں زوروں پر جنگ ہو رہی تھی او
اسنے اپنے دونوں ہاتھوں کو فضا میں بلند کیا اور اپنی پوری آواز سے چلا
ہوئے تاتاری سپاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ظلم کے تاتاریو! تمہارا سالار گرفتار ہو چکا ہے۔ تمہارا لڑنا اب بے سو
ہے۔ ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ یا در کھو ہم سے لڑنا بے سو
ہے۔ اگر تم لوگ لڑتے رہے تو بھی میرے ساتھی تمہارے جسموں کو یوں چیر دیں گے
جس طرح لکڑ ہارا آری سے گیلی لکڑی کو چیرتا ہے۔

تاتاریوں نے چونک کر اپنے گرفتار حاکم کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے
کچھ ہتھیار ڈالنے لگے اور کچھ بھاگ کر پناہ گاہیں تلاش کرنے لگے تھے۔ ابو نواس،

ہوازن، ہشام اور جابر کی سرکردگی میں موت کے مسافران کا قتل عام شروع کر
چکے تھے۔ عمیر نے پھر چلاتے ہوئے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکے۔

موت کے مسافروں کی تلواریں فضا میں بڑی تیزی کے ساتھ ابھر ڈوب رہی
تھیں۔ اور قلعے کے اندر تاتاریوں کی دلوں کو ہلا دینے والی جگر دوز چیخیں بلند ہو رہی
تھیں۔ دور مشرقی افق پر طلوع ہونے والے سورج نے جب اپنی پہلی اور سنہری کرن
قلعے میں پھینکتے ہوئے قلعے کے اندر جھانکا تو اس نے دیکھا ظالم تاتاری جنگ میں پیٹھ
دکھا کر پسپا ہو چکے تھے اور موت کے مسافر ایک فاتح کی حیثیت سے ان کا تعاقب
کر کے انہیں اپنی چمکتی ہوئی تلواروں سے نازک اور کچی ٹہنیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔

●

عمیر تاتاری سالار تنار کو لیے شہ نشین کے پاس کھڑا تھا۔ سارے تاتاریوں
کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اور عمیر کے حکم پر سپاہی قلعے کے سارے کمروں اور تہ خانوں کا
جائزہ لے رہے تھے۔ اتنے میں قلعے کے کھلے دروازے سے اریطہ، بوڑھا احمد،
اس کی بہن اور بے شمار دوسرے مرد عورتیں داخل ہوئے۔ ایک طرف سے ابو نواس،
ہوازن اور ہشام آئے اور عمیر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ جابر کمروں اور تہ خانوں
کی تلاشی لینے والے اپنے سپاہیوں کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اریطہ، احمد،
اس کی بہن اور دوسرے سب لوگ بھی عمیر کے قریب آ رکے تھے۔ اریطہ عمیر کو بڑی
پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس کی زرہ اور کپڑے خون سے تر تھے۔ ہوازن
کو مخاطب کرتے ہوئے تاتاری سالار تنار کی طرف اشارہ کر کے عمیر نے پوچھا۔

ہوازن اس کا بھائی کہیں ملا؟

ہوازن نے ندامت سے گردن جھکا لی۔

میں، ابو نواس اور ہشام نے بہت تلاش کیا ہے میرے آقا۔ اس کی نہ ہی
لاش ملی ہے اور نہ اسے کسی نے زندہ دیکھا ہے۔ جن تاتاریوں کو انعام کا لالچ دے

کو اسے ڈھونڈنے پر مامور کیا تھا۔ وہ بھی ناکام رہے ہیں۔ میرے آقا! مجھے افسوس ہے میں آپ کا سونپا ہوا کام آپ کی خواہش کے مطابق انجام نہ دے سکا

عمیر کچھ کہنے والا تھا کہ شیبان ایک طرف سے بھاگتا ہوا آیا اور پھولی ہوئی سانسوں میں عمیر سے کہا۔

سیدی! میں آپ کے حکم کے مطابق اپنے سارے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی مکمل کر چکا ہوں۔ اب آپ سے میری التجا ہے مجھے اپنا زخم دیکھنے دیجئے انکار کر کے مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔ میرے آقا! آپ کی سلامتی میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔

عمیر نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

شیبان میں اپنے متعلق تمہاری قلبی کیفیت کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو پھر میں تمہیں تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کی اجازت دے دوں گا۔ پچھلی رات احمد کی بوڑھی بہن کے سامنے اور صید ابن کے بلے پر کھڑے ہو کر دل ہی دل میں میں نے اپنے رب سے ایک وعدہ کیا تھا کہ وہ تاتاریوں کے اس سالار کو جس نے اس خاتون پر ظلم کیا تھا اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ میں نے اپنے رب سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ تاتاری سالار اگر زمین کی تہ میں نہیں اتر گیا تو میں اسے ضرور ڈھونڈ نکالوں گا۔ مجھے اپنی قسم پوری کر لینے دو اس کے بعد ——— عمیر کہتے کہتے رک گیا تھا۔ ایک عرب سپاہی ایک تاتاری کے گلے میں رسی ڈالے اسے کھینچتا ہوا لا رہا تھا۔ عمیر کے پاس آ کر اس عرب سپاہی نے کہا۔

میرے آقا! یہ قلعے کے تاتاری سالار تنار کا بھائی ہے۔ جسے آپ نے زندہ پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ یہ ایک ٹوٹے ہوئے برج کے اندر چھپا ہوا تھا اور رسے کے ذریعے بھاگنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ اسی وقت اس پر میری نگاہ پڑی اور میں نے اسے گرفتار کر لیا۔

عمیر نے اس سپاہی کی تعریف کی۔ ہشام کو ایک ہزار دینار اس سپاہی کو انعام کے طور پر دینے کا حکم دیا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار کھینچی اور

اسے فضا میں لہراتے ہوئے تنار سے پوچھا۔

کیا یہی تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔

تنار نے منہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اثبات میں گردن ہلا دی۔ عمیر نے احمد کی بہن کو مخاطب کر کے پوچھا۔

خاتون! کیا یہی وہ دونوں بھائی ہیں جنہوں نے تمہارے بیٹوں کا خون تمہارے منہ میں انڈیلا تھا۔

بڑھیا نے بڑی تلخ آواز میں کہا۔

یہی وہ دونوں شیطان ہیں۔

عمیر نے پھر ہشام سے کہا۔

ہشام پانی پینے کا کوئی برتن لے کر آؤ۔

ہشام قلعے کے ایک کمرے میں گیا۔ اور ایک گلاس اٹھا لایا۔ عمیر نے گلاس لے لیا۔ اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور پھر نیچے گراتے ہوئے اس نے تاتاری سالار تنار کے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ اس کی شہ رگ سے جب خون نکلا تو عمیر نے لاش کو سہارا دیا اور اس کے خون سے گلاس بھر لیا۔ لاش کو اس نے زمین پر پھینک دیا۔ اور خون سے بھرا گلاس تنار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اسے پی جاؤ! یہ ایک بوڑھی عورت کے آنسوؤں کا حساب ہے۔

تنار نے سسکارتے ہوئے کہا۔ یہ میرے بھائی کا خون ہے اور میں اپنے بھائی کا خون کیسے پی سکتا ہوں۔ عمیر نے غصے میں آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکتے ہوئے پوچھا۔

کیا تم نے اس بوڑھی عورت کو اس کے بیٹوں کا خون پینے کو نہ کہا تھا۔

تنار خاموش رہا۔ عمیر نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ دے مارا۔

اسے پی جاؤ بھیڑیے! ورنہ میں یہ خون تمہارے منہ میں اسی طرح انڈھیلوں گا جس طرح تم نے اس بڑھیا کے منہ میں اس کے بیٹوں کا خون انڈھیلا تھا۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں سخت ضرب لگائی وہ لڑکھڑا کر

زمین پر گر گیا۔ عمیر اس کی چھاتی پر اپنا مضبوط اور سخت گھٹنا رکھ کر بیٹھ گیا۔ اپنے بائیں ہاتھ سے تنار کا منہ کھولا اور دائیں ہاتھ سے خون سے بھرا گلاس تنار کے منہ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

بے رحم بھیڑیے! یہ ان مظالم کا صلہ ہے جو تم نے اس بوڑھی خاتون پر کیے۔ گلاس جب خالی ہو گیا تو عمیر نے اپنی تلوار سنبھالی اور زمین پر بے بسی کی حالت پر لیٹے ہوئے تنار کی گردن کاٹ دی۔

عمیر جب کھڑا ہوا تو شیبان نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ لپٹائے اس کمرے میں لے گیا جس میں قلعے کا حاکم رہتا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے ابونواس، ہوازن، ہشام اور اریطہ بھی اس کمرے میں آ گئے تھے۔ شیبان نے عمیر کی زرہ اتاری، قمیض ہٹا کر پسلی کا زخم دیکھا خاصا گہرا گھاؤ تھا۔ شیبان نے زخم کو دھویا اور پھر زخم پر پٹی باندھنے کے بعد عمیر کو بے ہوشی کی دوا پلا دی۔ عمیر تھوڑی دیر تک کمرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا پھر اس پر غنودگی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

اریطہ جو ابھی تک خاموش تھی اور عمیر کو زخمی حالت میں دیکھ کر اس کے دل میں غم اور تفکرات کے طوفان چل نکلے تھے۔ شیبان کی طرف دیکھتے ہوئے گھٹی ہوئی آواز اور غمزدہ لہجے میں بولی۔

کیا ان کا زخم ان کے لیے کوئی خطرہ تو نہیں۔

شیبان نے اپنی دوائیوں کا چرمی تھیلا بند کرتے ہوئے کہا۔

فکر کی کوئی بات نہیں۔ زخم اتنا گہرا نہیں۔ میں نے جو دوا لگائی ہے اس سے دو ایک روز میں زخم مندمل ہو جائے گا اور آقا بغیر کسی تکلیف کے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ مطمئن رہیئے اپنے سالار کی سلامتی ہم اپنی جان سے بھی مقدم جانتے ہیں۔

اس دوران میں ابونواس کھڑا ہوا اور اریطہ سے کہا۔

اریطہ! میری بہن! تم عمیر کے پاس ہی بیٹھو۔ ہم قلعے کے کمروں میں سپاہیوں

کے آرام اور کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ زخمیوں کی دیکھ بھال اور کے لیے بستروں کا سامان کرنا ہے۔ ابونواس خاموش ہوا۔ ہوازن اور شیبان کو ارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا اور دونوں کو لے کر باہر نکل گیا۔ اریطہ نے اپنی کھینچی اور عمیر کی چارپائی کے قریب ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

●

عمیر جب ہوش میں آیا تو قلعے کے اندر ظہر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے ہوں جھپکاتے ہوئے پانی مانگا۔ اریطہ اٹھی اور پانی بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ عمیر اُٹھ بیٹھ گیا اور گلاس تھامتے ہوئے اریطہ کی طرف دیکھا پھر اس نے پانی پیا اور گلاس اریطہ کو تھماتے ہوئے کہا۔

ابونواس، ہوازن اور شیبان کہاں گئے؟

اریطہ گلاس رکھ کر پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ تینوں سپاہیوں کے آرام کھانے کا بندوبست کرنے گئے تھے۔ آپ زخم میں درد تو نہیں محسوس کر رہے؟

نہیں۔ زخم کوئی ایسا گہرا نہیں۔ معمولی ہے دو ایک روز میں مندمل ہو گیا تو بہتر ہے میں اس کی پرواہ کیے بغیر دو دن بعد اپنے مسکن کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔

اریطہ نے جستجو سے پوچھا۔

کیا آپ اس قلعے کو خالی کر جائیں گے؟

نہیں۔ میں یہاں ایک مستقل فوج رکھ کر قلعے پر اپنا قبضہ رکھوں گا۔ اور اپنے جرنیل کو یہاں حاکم مقرر کر کے واپس لوٹ جاؤں گا۔

آپ اس قدر جلدی واپس کیوں جانا چاہتے ہیں؟

میرے مسکن سے بحیرہ روم کی طرف صلیبی نائٹوں کے ان گنت ناقابل تسخیر قلعے ہیں۔ وہ سب میرے ازلی دشمن ہیں انہوں نے اندر ہی اندر تاتاریوں سے مسلمانوں کے خلاف ساز باز کر رکھی ہے۔ اس لیے میں جب بھی کسی مہم پر نکلتا ہوں۔ ان کی طرف سے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ وہ ہم پر حملہ نہ کر دیں۔

کیا آپ اپنے مسکن کو خالی چھوڑ کر آتے ہیں۔

نہیں میں وہاں ایک جرنیل کی سرکردگی میں سر پر کفن باندھ کر لڑنے و
ہزاروں سپاہی چھوڑ کر آتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرے پہاڑی قلعے کی ہیبت ہ
ہے کہ اسے فتح نہیں کیا جا سکتا۔

پھر آپ کو کیسی فکر ہے۔

قلعے سے باہر میلوں دور دور تک میرے جوان اپنے اہل و عیال کیساتھ رہ
وہ کھیتی باڑی اور باغات کی آبیاری کرتے ہیں دریا سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ یہ وہ
ہیں جو میرے لشکر کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جنگ کی صورت میں ان
کو اپنے گھر خالی کر کے قلعے کے اندر پناہ لینا ہوتی ہے اور اس طرح انہیں بڑا نقصان
تکلیف ہوتی ہے۔ اگر میں اپنے لشکر کے ساتھ مسکن میں موجود ہوں تو دشمن کو ان
دور ہی روک دیتا ہوں۔ بصورت دیگر انہیں قلعے میں بند ہو کر دفاعی جنگ کرنا ہ
اس کے علاوہ بھی جلدی واپس جانے کی ایک وجہ ہے۔

اریطہ نے بڑے پیار سے پوچھا۔

وہ کیا؟

ابو نواس اور ہوازن کو میں نے جاسوسی کی غرض سے تاتاریوں کے دش
روانہ کیا تھا۔ انہوں نے وہاں دو مسلمان بہنوں سے شادی کر لی۔ اب ان کی بیویا
بیتابی سے مسکن میں ان دونوں کا انتظار کر رہی ہوگی اور میں نہیں چاہتا کہ یہ زیادہ
یہاں رکیں۔ اگر میں ان دونوں کو واپس جانے کو کہوں تو وہ مجھے یہاں چھوڑ کر کبھی نہ
گے۔ لہٰذا مجھے خود ہی جلدی لوٹنا ہوگا۔

اریطہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ عمیر بھی چند لمحوں تک خامو
رہنے کے بعد بولا اور اریطہ سے پوچھا۔

تم اب کہاں رہنا چاہو گی۔ اپنے ماموں کے پاس یا صیدا بین میں رہنا پسند
کیونکہ میں یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس جرنیل کو جو اس قلعے کا حاکم مقرر
تاکید کرتا جاؤں گا کہ وہ اپنے سپاہیوں کی مدد سے صیدا بین اور تاتاریوں کے با

قلعہ کے گرد ساری مسلم بستیوں کو پہلے کی طرح از سر نو تعمیر کرے اور تباہ حال لوگوں کو
وہاں آباد کرے۔

اریطہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا سر جھک گیا تھا۔ اسے عمیر سے ایسی
باتوں کی امید نہ تھی۔ اس نے دل میں نہ جانے کیسے کیسے رنگین خواب جو عمیر سے
وابستہ تھے۔ اپنے دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کر رکھے تھے۔ وہ تو سمجھتی تھی وہ عمیر
کے لیے پیدا ہوئی ہے وہ کھلی آستینوں اور نیلی آنکھوں والا حسین، جفاکش اور تناور
عرب ازل سے اس کے دل میں بس رہا تھا۔ اس نے محبت کی جو قندیلیں روشن کی
تھیں بجھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

عمیر کی باتوں سے اس کی حیات کے سارے خاموش تار ٹوٹ گئے تھے۔ عمیر
نے جیسے اس کے سر پر بلتا اور کھولتا ہوا پانی انڈھیل دیا تھا۔ اپنے مستقبل کے متعلق جو
بھی اس نے سوچا تھا وہ سب کچھ غلط فہمیوں میں بدل رہا تھا۔

عمیر کی آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟

اریطہ کی گردن جھکی رہی اور اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

عمیر بے تاب ہو گیا اور سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تم رو رہی ہو اریطہ!؟

اریطہ نے آنسو پونچھتے ہوئے دکھی لہجے، دبی زبان اور زخمی آواز میں کہا۔

میرے مقدر میں شاید ازل سے ہی رونا لکھ دیا گیا تھا۔ اریطہ کی آواز میں
ایک دل نگار کرب تھا۔ عمیر نے بڑے پیار سے کہا۔

شاید تمہیں میری باتوں سے دکھ ہوا ہے۔ کھل کر کہو اریطہ تم جہاں بھی جانا
پسند کرو گی وہیں تمہارے رہنے کا بندوبست کیا جائے گا۔

سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھاتے ہوئے اریطہ نے کہا۔ کیا آپ کے پاس
میرے رہنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہے تو آپ جس طرف بھی مجھے دھکا دیں گے
میں چلی جاؤں گی۔ اگر میری امیدوں کے دشت میں دھکے کھانا ہی لکھا ہے تو مجھے

آپ سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں۔

عمیر نے ڈوبتی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔

اریطہ! میں تمہیں امیدوں کے کچے دھاگوں سے نہیں باندھنا چاہتا میرے سامنے تاریکی کے سوا کچھ نہیں۔ میری ماں قتل ہوگئی۔ باپ مرگیا۔ میں ایک ایسا سا ہوں جس نے ظلمت کی تاریکیوں اور بار اور پرآشوب طوفان میں بخارا سے دریائے یرون تک سفر کیا۔ ایک ایسا مسافر جس کا سفر اور مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ میں ہر روز موت کی منڈی میں بکنے جاتا ہوں کوئی نہیں جانتا کب مرگِ ناگہاں میری زندگی کا سودا طے کرے۔ میں ہر روز ماضی کے بھیانک کھنڈرات میں پرانی داستانوں کے بکھرے اوراق اکٹھے کرنے جاتا ہوں کیا خبر کب میرا جسم بغیر روح کے واپس لوٹ آئے۔ میں اپنے ساتھ تمہیں مایوسی کی گھٹاؤں میں نہیں گھسیٹنا چاہتا۔ کیونکہ میری زندگی کے افق پر تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں۔

اریطہ نے کھل کر روتے ہوئے کہا۔

خدا کے لیے صرف اتنا کہہ دیجئے کہ آپ مجھ سے نفرت نہیں کرتے اور کہ میں آپ پر بوجھ نہ ہوگی۔

عمیر نے پھر کہا۔

اگر سننا ہی چاہتی ہو تو سنو۔ تم میری زندگی کی تاریک شب کی سحر ہو۔ تاریک سیاہ اور تنہا راتوں میں بیرون کے آسمان پر میں نے ہمیشہ ستاروں کی آپس کی سرگرشیوں میں تمہارا نام سنا ہے۔ وقت کی آندھیوں کے غبار میں جب میں تمہارے متعلق سوچا کرتا تھا تو میں تمہیں اپنے آپ سے جدا نہ سمجھا کرتا تھا۔ تم ایک ایسا چشمہ ہو جہاں آکر میری حیات کے دشت کی انتہا ہوتی ہے۔

عمیر خاموش ہوگیا۔ اریطہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔ وقت کی آندھیوں کا غبار ڈھل گیا تھا۔ اس کے سامنے حسین سپنوں کی تعبیر بکھر گئی تھی۔ احساس کی شکست محبت کی فتح میں بدل گئی تھی۔ اس کے سینے میں سانس زیر بیچ اٹھے تھے۔ اپنے دل میں لطیف اور خوشگوار دھڑکنیں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اب عمیر کے سا

بیٹھی تشکر کے آنسوؤں سے دل کا سارا غبار دھو رہی تھی۔

عمیر کی آواز سنائی دی۔

اریطہ کیا تم میرے ساتھ میرے مسکن چلو گی؟

اریطہ نے سر اوپر اٹھایا اور اپنی پھول برساتی آواز میں کہا۔

آپ میری آخری امید ہیں میری ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے ناخدا ہیں اور میرا اثاث البیت ہیں۔ اریطہ کی آواز میں موسم بہار کے پرندوں کی سی دلکشی تھی۔

عمیر نے اریطہ کا نازک سرخ ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

جب تک میری رگوں میں زندگی کا خون ہے۔ میں تم سے محبت کرتا رہوں گا

عمیر کے ہاتھوں کے لمس سے اریطہ کا کومل جسم کپکپا اٹھا تھا۔

عمیر نے پھر کہا۔

ہم کل ہی شادی کر لیں گے اور میاں بیوی کی حیثیت سے اپنے مسکن کی طرف کوچ کریں گے۔

اریطہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

اتنی جلدی؟

عمیر اسے پکارتا رہ گیا۔ لیکن اریطہ باہر بھاگ گئی وہ خوش تھی۔ خوشی میں جھوم رہی تھی۔ اپنی گم گشتہ خوشیاں جو پا گئی تھی۔

تیسرے روز شام کے وقت عمیر اور اریطہ کی شادی ہوگئی۔ نکاح بوڑھے احمد نے پڑھایا تھا۔ عمیر نے جابر کو طلم کا حاکم مقرر کیا۔ تین ہزار سپاہی قلعہ کی حفاظت کے لیے اس کی کمان میں دیئے اور اریطہ کے ساتھ وہ باقی سپاہ کو لے کر اپنے مسکن کی طرف کوچ کر گیا۔

عمیر نے لشکر کے ساتھ جب دریائے دجلہ کو عبور کر کے اپنا رُخ جنوب مغرب کی طرف کیا تو سامنے سے ایک نقاب پوش اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا اور ہاتھ کے

اشارے عمیر کو رکنے کو کہا۔ عمیر رک گیا اور اس کے پیچھے سارا لشکر جہاں تھا وہیں
آنے والے نے اپنا نقاب اتار دیا وہ رکن الدین بیبرس تھا اس نے بڑی بیتابی سے
آپ کی جنگ کا کیا بنا؟
میں قلعہ طلم کو فتح کر کے اس پر اپنا حاکم مقرر کر آیا ہوں اور اپنے تین ہزار آ
کار سپاہی قلعے میں چھوڑ آیا ہوں۔
بیبرس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
آپ نے میری امیدوں سے کہیں بڑھ کر جرأت انگیز شجاعت کا ثبوت
ہے۔ میں آپ کے مسکن میں گیا تھا وہاں رباح سے ملاقات ہوئی تھی میں اسے سنہ
کی ایک بھاری رقم اور کچھ زیورات دے آیا ہوں۔ میں طلم میں آپ کے پہلو بہ پہلو لڑ
کی خواہش لے کر نکلا تھا لیکن شاید میرے مقدر میں ایسا نہ لکھا تھا۔ اب آپ اپنے
کو جائیے اور میں بغداد کا رُخ کرتا ہوں۔
وہاں کیا کریں گے۔
کچھ دولت سمیٹوں گا اور اپنے ہم نوا بھی پیدا کروں گا۔ پھر اس نے اریطہ کی
اشارہ کیا۔
یہ کون لڑکی ہے؟
مسکراتے ہوئے عمیر نے کہا۔
میں نے شادی کر لی ہے یہ میری بیوی ہے۔
بیبرس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
میں آپ کو شادی کی مبارک باد دیتا ہوں۔ رباح نے مجھے بتایا تھا کہ آپ
کے پاس بھی گئے تھے۔
ہاں گیا تھا۔
پھر کیا کہا اس نے؟
اس نے ابھی تک اپنا اسلام قبول کرنا اپنے بڑے بھائی باتو سے پوشیدہ
ہے۔ ویسے اس نے وعدہ کیا ہے کہ جب میں اپنے گرد مسلمانوں کی ایک بھاری

جمع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو ہر اس طاقت کا مقابلہ کروں گا جو اسلام کو نقصان
پہنچانے کے لیے کھڑی ہو گی۔
برقائی کیسا انسان ہے؟
بحیثیت مسلمان وہ ایک دردمند دل رکھنے والا انسان ہے۔
میں نے سنا ہے ایک عظیم تاتاری لشکر یورپ پر حملہ آور ہونے کے لیے
باتو کے پاس دریائے وولگا کے کنارے رکا ہوا ہے۔
ہاں یہ درست ہے۔ میں نے خود وہ لشکر دیکھا تھا اور اسی لشکر کے اندر میں
نے برقائی سے ملاقات کی تھی۔
آپ کے ان دو جرنیلوں کا کیا ہوا جن کے نام ابونواس اور ہوازن ہیں اور
جنہیں آپ نے تاتاریوں کے دشت میں جاسوسی کی غرض سے روانہ کیا تھا۔
وہ دونوں یورپ پر حملہ آور ہونے والے تاتاری لشکر میں شامل تھے اور دریائے
وولگا کے کنارے سے انہیں میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عمیر نے
ابونواس اور ہوازن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ دونوں جرنیل اس وقت
آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔
بیبرس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے باری باری ابونواس اور ہوازن سے مصافحہ
کیا اور دوبارہ عمیر سے پوچھا۔ کیا یہ دونوں وہاں سے کوئی کارآمد اطلاعات حاصل کرنے
میں کامیاب ہوئے ہیں۔
ان دونوں نے مجھے تاتاریوں کے ہتھیاروں، ان کے لڑنے کے انداز اور فوج
کو دن اور رات کے وقت ضبط میں رکھنے کے متعلق اہم اطلاعات وہاں سے جاسوسی
کبوتر کے ذریعے روانہ کی تھیں اور ان ہی کی بنیاد پر میں نے فوج کے کچھ حصے کو تربیت
دی ہے اور باقی ماندہ سپاہی ابھی زیر تربیت ہیں۔
بیبرس نے آگے بڑھ کر عمیر ابونواس اور ہوازن کے ساتھ الوداعی مصافحہ کیا
اور وہ جدا ہو گئے۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور بیبرس دریائے دجلہ کے
کنارے کنارے بغداد کی طرف جانے والی ایک تنگ پگڈنڈی پر اپنا گھوڑا سرپٹ

دوڑا رہا تھا۔

لشکر جب مسکن میں داخل ہوا تو سب مرد اور عورتیں لشکر کے استقبال کو باہر نکل آئے تھے۔ ان میں کولان اور حمورا بھی تھیں۔ ابونواس اپنا گھوڑا دوڑاتا کولان کے پاس آیا اور اپنی خوشی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

بوجھو! میرے آقا کے ساتھ وہ لڑکی کون ہے؟

کولان نے عمیر کی طرف دیکھا جس کے گھوڑے کی عنان رباح نے پکڑ رکھی تھی۔ اس کے بعد اسکی نگاہیں اریطہ پر جم کر رہ گئیں اور شرماتے ہوئے اس نے کہا۔

آپ ہی بتا دیں۔ میں کیا جانوں۔

ابونواس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

عمیر نے شادی کر لی ہے اور وہ اس کی بیوی ہے۔ کیسی لڑکی ہے؟

بہت خوبصورت ہے۔

تو پھر دونوں بہنیں آگے بڑھو اور اسے سہارا دے کر یہاں لاؤ۔

جس میں عمیر، میں اور ہوازن تینوں رہتے ہیں۔ اسی میں اب تم تینوں بھی ہمارے ساتھ رہو گی تینوں سگی بہنوں کی طرح رہنا۔ اور کھانا بھی اکٹھا پکا کرے گا۔ کولان اور حمورا دونوں مسکرا رہی تھیں۔ دونوں آگے بڑھیں۔ سہارا دے کر اریطہ کو گھوڑے سے اتارا اور اسے ساتھ لپٹاتے دونوں عمیر کے کمرے میں لے گئیں۔

عمیر نے اپنے پاس کھڑے رباح سے کہا۔

رباح! تم کب تک طلم روانہ ہو سکتے ہو؟

رباح نے عمیر کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

جب بھی آپ حکم دیں۔ کہیئے تو ابھی روانہ ہو جاؤں۔

نہیں آج نہیں۔ کل ہی صبح ہی صبح طلم روانہ ہو جاؤ۔ وہاں تمہاری نائب سالار کی ہو گی۔

رباح نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔

کیا میں امید رکھوں تم جابر کے ساتھ پورا تعاون کرو گے؟

رباح نے بڑی ارادت مندی سے کہا۔

میرے آقا! آپ نے یہ کیسے سوچا کہ رباح آپ کے احکامات سے روگردانی کرے گا۔ جابر میرا بڑا بھائی ہے اور اس کی ہر بات میرے لیے ایک حکم ہو گی میں کسی بھی جگہ، کسی بھی محاذ اور میدان جنگ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔

عمیر مسکرا رہا تھا۔

میں جانتا تھا تم یہی کہو گے۔

عمیر گھوڑے سے اتر پڑا۔ تین سپاہی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے اور عمیر، ابونواس اور ہوازن کے گھوڑوں کی عنانیں سنبھال لیں اور گھوڑوں کو ایک طرف لے جا کر چارہ ڈال دیا۔ عمیر ابونواس اور ہوازن اس عمارت کی طرف بڑھنے لگے جس میں وہ رہتے تھے۔

دریائے وولگا کے کنارے کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد تاتاری لشکر کا سالار اعلیٰ برقائی کا بڑا بھائی باتو تھا مگر اصل اختیارات بہادر تاتاری جرنیل کے ہاتھ میں تھے۔ روس کی کالی مٹی کے علاقوں کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کر چکا

سب سے پہلے سوبودائی نے ایک جرار لشکر بہادر بلغاریوں کی سرکوبی کے لیے وولگا کی طرف روانہ کیا۔ کئی خونریز معرکے ہوئے جن میں وحشی تاتاریوں نے بلغاریوں کو کچل دیا۔ اور ان کے تجارتی مراکز کو جلا کر راکھ کر دیا۔

اسی اثنا میں سوبودائی نے منگو خاں کو جنوب کی طرف بہادر اور وحشی کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ منگو خاں آندھی اور طوفان کی طرح پر حملہ آور ہوا۔ کچھ ترک قبیلوں نے اطاعت قبول کر لی لیکن ترکوں کے زیادہ تر نے مغرب کی طرف دریائے نیپر کو پار کر کے بھاگ جانے میں اپنی عافیت سمجھی منگو نے بھاگتے ہوئے ترکوں کا تعاقب نہ کیا اور واپس لوٹ گیا۔

اس کے بعد لشکر نے کوچ کیا اور اہل روس کی طرف قاصد بھجوا کر کہا کیا اگر ہمارے انتقام سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو ہر چیز کا دسواں حصہ ہمیں دو

فی صد آدمی، دس فی صد عورتیں، دس فی صد گھوڑے غرض ہر چیز کا دسواں حصہ۔ جب یہ اجنبی تاتاری قاصد شہر پناہوں کے دروازوں کے قریب پہنچے تو روسیوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اب تاتاریوں نے ان سے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

جاڑوں میں جب ہر طرف برف پھیلی ہوئی تھی اور دریا منجمد ہو چکے تھے۔ روسیوں کو تاتاریوں کی طرف سے حملے کی توقع نہ تھی لہٰذا وہ اپنے فصیلوں سے گھرے ہوئے شہروں کے اندر غلے اور گوشت کے گوداموں کے ساتھ بند ہو گئے۔ اسی طرح روسی اطمینان سے سردیاں گزارنے کے بعد تاتاریوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔

روسیوں نے تاتاریوں کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ تاتاری برف کے طوفانوں اور یخ بستہ دریاؤں کی پرواہ کیے بغیر روس پر حملہ آور ہوئے۔ پہلے انہوں نے روسیوں کے شہر ریازان کو نشانہ بنایا۔ تاتاری قہر الٰہی بن کر آگے بڑھے اور منجنیقوں سے شعلہ باری کر کے انہوں نے ریازان کی لکڑی کی فصیلیں جلا کر راکھ کر دیں۔ تاتاری درانہ شہر میں داخل ہوئے اور قتل عام کر کے گلیوں میں پڑی برف کو انسانی خون سے سرخ کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو انہوں نے سیخوں سے چھید چھید کر تلملا تلملا کر قتل کیا۔ جو لوگ کلیساؤں میں پناہ گزیں ہوئے انہیں وہاں سے نکالا۔ عورتوں کی سب کے سامنے عصمت دری کی اور مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ روسی شہر ریازان ایک مقتل بن گیا تھا۔

اس کے بعد تاتاریوں نے بڑی سرعت سے ایک قلعے سے دوسرے قلعے میں پھلانگنا شروع کر دیا اور یکے بعد دیگرے روسی شہر سوزوال، روستوف اور ولادسلاول فتح کیے۔ خون کی ندیاں بہائیں۔ اور شہر منہدم کر کے رکھ دیا۔ تاتاری جس طرف بھی گئے زمین کو انسانی خون سے رنگین بناتے چلے گئے۔

اب انہوں نے روس کے عظیم شہر ماسکو کا رُخ کیا۔ ان دنوں ماسکو ایک چھوٹا شہر تھا اور اس جگہ واقع تھا جہاں اب بلندی پر کریملن کی عمارتیں ہیں۔ تاتاریوں نے ماسکو کو فتح کر کے قتل عام کیا اور شہر کو نذر آتش کر دیا۔ ماسکو سے باہر کو ومنکا ندی کے کنارے ایک روسی فوج نے بڑی پامردی سے تاتاریوں کا مقابلہ کیا لیکن یہ ساری

روسی فوج تاتاریوں کے ہاتھوں ہلاک اور تباہ ہوگئی۔ تاتاریوں نے دسمبر میں روس
بلغار شروع کی تھی اور مارچ کے آخر تک انہوں نے روس کے بڑے بڑے بارہ
شہر فتح کر کے منہدم کر دیئے تھے۔

مارچ کے بعد برف پگھلنا شروع ہوگئی تھی اور موسم بہار کی بارشیں شروع
چکی تھیں۔ تاتاری فتح کے پرچم لہراتے ہوئے بحرہ بالٹک کے قریب جھیل ایلمن
کنارے اس دور کے مشہور شہر نوگرود کی طرف بڑھے یہ ایک تجارتی شہر تھا اور
کے لوگ جرمنی کی بندرگاہوں سے تجارت کر کے خوب دولت کماتے تھے۔ تاتا
بڑی تیزی سے اس شہر کی طرف بڑھے لیکن شاید اس شہر کے مکینوں کے مقد
اچھے تھے کہ تاتاری ابھی اس شہر سے ساٹھ میل دور تھے کہ سخت تیز، موسلا دھ
اور طوفانی بارشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

سوبودائی کے مشورے پر لشکر واپس پلٹا اور سرما کی لگاتار اور پیہم کشمکش
تھکاوٹ دور کرنے کے لیے انہوں نے ۱۲۳۸ء میں جنوب کے گرم علاقوں کا
تاتاری لشکر جنوب میں طوفان کی طرح پھیلتا ہوا بحرۂ اسود کے کنارے کنارے
تک پھیل گیا۔ یہیں سے سوبودائی کے کچھ دستوں نے کوہ قفقاز کی بلندیوں کو عبو
اس پار شمالی ایران کی تاتاری فوجوں سے رابطہ قائم کر لیا اور تبریز تک پھیلتے ہو
انہوں نے عمیر کے قلعے طلم پر حملہ کر دیا۔

بحرہ اسود کے کنارے تاتاری لشکر فروکش ہوا۔ یہاں لشکر کے سالار اعظ
نے نئے حملوں کا آغاز کرنے کے لیے ایک قروتائی (مجلس شوریٰ) منعقد کی۔ جب
شروع ہوئی اور باتو نے اوروں کی نسبت شراب کے دو جام سب سے پہلے پی
اوغدائی کا بیٹا قویوق اور چغتائی کا بیٹا بوری غصے میں بھڑک اٹھے وہ محفل سے اٹھ
ہوتے اور غصے میں باتو کو گالیاں دیتے ہوئے چلانے لگے کہ باتو کسی طرح ہم سے
نہیں اور یہ کہ اس نے ہم سے پہلے کیوں شراب پی۔

بوری نے غراتے ہوئے کہا۔

باتو ایسا ہے جیسے کسی بڑھیا کے منہ پر داڑھی لگا دی گئی ہو۔ میں باتو کو ایک

مادوں تو گر کر ٹوٹنے لگے۔

قویوق نے جھاگ چھوڑتے ہوئے کہا۔

باتو ایسا ہے جیسے کسی بڑھیا کو زرہ پہنا کر اس کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے
میں اپنے سپاہیوں کو حکم دوں گا کہ باتو کو ڈنڈے لگاتے جائیں۔

چغتائی کے دوسرے لڑکے بائی وار نے اٹھ کر کہا۔

باتو کے لکڑی کی دم لگا دی جائے۔

سوبودائی لشکر کو کوچ کا حکم دے کر نئے حملوں کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ لیکن تاتاری
شہزادوں کی آپس کی چشمک کے سامنے وہ مجبور تھا اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ باتو نے یہ ساری
باتیں دشت کے خاقان اوغدائی کو لکھ بھیجیں۔ مہینوں بعد ایک قاصد اوغدائی کا پیغام
لے کر آیا۔ اوغدائی نے اپنے بیٹے قویوق کو سخت ملامت کی تھی اور لکھا تھا کہ چغتائی
اپنے بیٹوں بوری اور بائیدار سے خود نمٹ لے گا۔ اس کے علاوہ اوغدائی نے باتو کو بھی
سخت فہمائش کی تھی۔ قویوق بوری اور بائیدار کو دشت میں واپس بلا لیا گیا۔ اوغدائی خاں
بیمار رہنے لگا تھا اس لیے سیورقطتی نے اپنے بیٹے منگو کو بھی واپس بلا لیا تھا کیونکہ
اوغدائی کے بعد وہ اپنے بڑے بیٹے منگو کو دشت کا خاقان دیکھنا چاہتی تھی۔

اپنے بیٹے اور بھتیجوں کے ساتھ اوغدائی کے نرم رویے کے بڑے برے
اثرات نکلے ایک طرف تو باتو اور برقائی کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے
کہ ہماری کوئی حیثیت نہیں اور وہ دشت کے خاقان کا جوا اتار پھینکنے کی فکر میں
لگ گئے دوسرے آنے والی نسلوں پر اس کے برے اثرات ہوئے اور ترک شہزادے
آپس میں لڑنے لگے جیسا کہ بعد میں منگو کے بھائی اور فاتح چین قبلائی خاں اور اوغدائی
کے بیٹے قائدو اس کے علاوہ منگو کے بھائی ہلاکو اور برقائی خاں میں نہ ختم ہونے والی
جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اوغدائی خاں اگر اس موقع پر سخت رویہ روا رکھتا اور اپنے
بیٹے اور بھتیجوں کو مناسب سزا دیتا تو تاتاری طاقت میں اتنی جلدی روزن پیدا نہ ہوتا۔

عمیر اریطہ کے ساتھ اپنے پہاڑی مسکن کے ایک بلند بُرج پر کھڑا تھا۔ ان کے سامنے دور جہاں نیلگوں آسماں زمین سے گلے مل رہا تھا یروشلم کے بلند برج دکھائی دے رہے تھے۔ دُور دُور تک زمین کے سینے کو چھوٹے چھوٹے تلخ و شیریں پودوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ چہار سو دہکتے سورج کی گرم شعاعوں کے آتش دان روشن تھے اور ——— اور دریائے یرون کے کنارے پتھروں سے بندھی ماہی گیروں کی کشتیاں خاموش تھیں۔

اریطہ نے بڑے پیار سے عمیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

عمیر! وہ دور جو برج نظر آرہے ہیں یروشلم کے ہیں۔

عمیر اداس ہوگیا اور بھاری آواز میں کہا۔

ہاں

اریطہ اس کی حالت دیکھ کر پس سی گئی۔ بڑے پیار سے پوچھا۔

آپ اداس کیوں ہو گئے!

عمیر نے اپنے ذہن کو فوراً بدل لیا۔

نہیں۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔

کیا سوچ رہے تھے آپ؟

کچھ نہیں؟

اریطہ نے پیار سے ضد کی۔

کیا مجھے بھی نہیں بتائیں گے؟

عمیر پھر اداس ہوگیا۔ میں یروشلم کے ماضی حال اور مستقبل کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کیسا ماضی حال اور مستقبل کیا یروشلم پر اس وقت مسلمانوں کا قبضہ نہیں؟

نہیں۔ یروشلم پر اس وقت عیسائی قابض ہیں۔

اریطہ افسردہ ہوگئی۔ وہ کیسے؟

یہ ایک لمبی کہانی ہے!

میں سننا پسند کروں گی۔

عمیر نے اسے ٹالنا چاہا۔ آؤ نیچے چلتے ہیں۔ یہاں اب ہوا تیز اور گرم ہوگئی ہے

اریطہ نے عمیر کا بازو پکڑ لیا اور پیار میں مچل گئی۔

پہلے بتائیے نا۔ عیسائی کیسے صلاح الدین کے بعد یروشلم پر قابض ہوگئے۔

عمیر سنجیدہ ہوگیا اور کہنا شروع کیا۔

یہ ۱۱۹۲ء کا المناک سال ہے جب یروشلم اور اس کے گرد و نواح کا کافی علاقہ جس کی آبادی فرزندِ اسلام صلاح الدین نے اپنے خون سے کی تھی۔ عیسائیوں کو منتقل ہوگیا۔ عیسائیوں کی نگاہیں شروع ہی سے ارض فلسطین پر جمی ہوئی تھیں۔ صلاح الدین کے بعد اس کا شیر دل بھائی الملک العادل ارض فلسطین کی حفاظت کرتا رہا۔ جب یہ اعلا الحش مجاہد مر گیا اور صلاح الدین کی دُور دُور تک پھیلی ہوئی حکومت اس کے مختلف بیٹوں میں بٹ کر کمزور ہوگئی تو پاپائے روم گریگوری نہم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک کو فلسطین پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فریڈرک فوراً ایک عظیم لشکر کے ساتھ جرمنی سے روانہ ہوا ابھی وہ ایک مقام برنڈزی تک ہی آیا تھا کہ بیمار ہوگیا اور واپس چلا گیا۔

گریگوری نہم نہایت سرکش طبع تھا اسے فریڈرک کی واپسی ناگوار گذری اس نے فریڈرک کو عیسائی مذہب سے خارج کر دیا۔ فریڈرک دوبارہ روانہ ہوا ارضِ فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ ان دِنوں مصر پر الملک العادل کا بیٹا الملک الکامل اور شام پر اس کا بھتیجا الملک الناصر نیا نیا حکمران بنا تھا اور اس وقت اس کی عمر صرف بیس برس تھی۔

یہ دونوں ہی جرمنی کے بادشاہ فریڈرک کا مقابلہ نہ کر سکے اور ایک صلح طے پایا جس کی رو سے یروشلم، یافا، بیت اللحم اور ناصرہ جیسے شہر عیسائیوں کے حوالے کر دیئے گئے مسلمانوں کے پاس چند شہر جلیل، نابلس، غزہ اور طبریہ رہ گئے اس وقت سے اب تک یروشلم پر عیسائی قابض ہیں۔

عمیر خاموش ہو گیا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور چہرے پر گہری اداسی بکھر گئی تھیں۔ اریطہ نے پھر اسے مخاطب کیا۔

یروشلم یہاں سے کتنی دور ہو گا۔

عمیر نے آہستہ آہستہ سر اوپر اٹھایا۔ تیس میل۔

اریطہ بھی افسردہ ہو گئی۔ اور گردن جھکاتے ہوئے پوچھا۔

آپ کب تک دشمنوں سے لڑتے رہیں گے۔

عمیر جیسے کہیں کھو گیا تھا۔

میں اپنی موت تک کسی ایسے حکمران، ایسے مردِ مجاہد اور ایسے آفاق گیر سپہ سالار کا انتظار کرتا رہوں گا جو عالم اسلام کے کسی بھی افق سے طوفان کی طرح اٹھے۔ ایسا طوفان جس کے آگے دشمنانِ اسلام بند نہ باندھ سکیں۔ اور یہ مسلمان اس کی ایک امانت سمجھ کر میں اس کے حوالے کر کے اس کی افواج میں ایک عام اور گمنام سپاہی کی حیثیت سے لڑنا پسند کرونگا۔

عمیر نے ایک آہ بھر کر کہا۔

جانے وہ وقت کب آئے۔ جانے وہ سپہ سالار کون ہو اور کب ہے یہ خیالات عملی جامہ اختیار کریں۔ میں اپنے رب سے دعا گو ہوں کہ وہ میری زندگی

میں ہی عالم اسلام میں کوئی ایسا حکمران اور سپہ سالار پیدا کر دے جو ایک طرف بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ مضبوط قلعوں میں پھیلے ہوئے صلیبی ٹمپلروں کو اکھاڑ کر رکھ دے اور دوسری طرف شمال کی سمت سے آندھیوں کی طرح بڑھتے ہوئے تاتاریوں کے پاؤں کاٹ دے۔ عمیر کی پلکیں بھیگ گئیں اور بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

کاش اس وقت فرزندِ اسلام صلاح الدین زندہ ہوتا اور دیکھتا کہ جو مزار میں اس نے برسوں کی لڑائیوں کے بعد حاصل کر کے اس کے اندر منظم حکومت قائم کی تھی۔ اس کے اندر دشمنانِ اسلام کس طرح گھس آئے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس وقت صلاح الدین زندہ ہوتا تو وہ اپنی بھاری تلوار سے دشمن پر ضربیں لگا کر انہیں ایک افق سے دوسرے افق تک اپنے آگے آگے لومڑیوں کی طرح ہنکاتا چلا جاتا اور ——— اور چنگیز خاں جیسے ہزاروں بھیڑیا نما انسان بھی اگر اس کے سامنے آتے تو وہ انہیں اپنی ایک ہی آہنی ضرب سے فلسطین کی سرد یا تال میں اتار دیتا ———

عمیر خاموش ہو گیا لمحہ بہ لمحہ اس کی ٹوٹتی ہوئی آواز یکسر ہی ڈوب گئی تھی۔

اریطہ منہ دوسری طرف کیے آنسو بہا رہی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عمیر نے کہا۔

آؤ اریطہ نیچے چلیں

اریطہ نے اپنی آنکھیں خشک کر لیں اور پیار سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں برج سے نیچے اترنے لگے۔ اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے عمیر اور اریطہ ابھی برج سے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ہوازن سامنے سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور عمیر کے قریب گھوڑے سے اترتے ہوئے اس نے کہا۔

میرے آقا! ایک عیسائی لڑکی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔

عمیر نے تشویش سے پوچھا۔

وہ کون ہے اور کس کے ساتھ یہاں آئی ہے؟

ہوازن نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر عمیر اور اریطہ کے ساتھ ساتھ

چلتے ہوئے کہا۔

ہمارا وہی جاسوس اسے ساتھ لایا ہے جس نے پچھلی بار بروقت صلیبیوں کے حملے کی اطلاع دی تھی۔ اس جاسوس کا کہنا ہے کہ اس حملے کی خبر بھی اسے اس عیسائی لڑکی نے دی تھی۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہمارے دشمنوں کے متعلق صحیح اطلاعات مہیا کرتی ہے۔ وہ ضمانت دیتا ہے کہ لڑکی ہر لحاظ سے قابلِ اعتبار ہے۔

عمیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

کیا تم نے خود بھی اس سے بات کی ہے؟

ہاں میں اس سے مل چکا ہوں۔

کیا تم نے اس سے پوچھا وہ کہاں رہتی ہے۔

وہ ہمارے مسکن کی حدود سے پانچ میل یروشلم کی طرف ایک پرانے گرجے میں ایک بوڑھے راہب کے ساتھ رہتی ہے۔ ہمارا جاسوس کہہ رہا تھا وہ راہب بھی قابلِ اعتماد ہے اور اس لڑکی کے ساتھ وہ بھی مسلمانوں کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔

عمیر گہری سوچوں میں کھو گیا۔

کیا وہ لڑکی راہبہ ہے؟

ہاں وہ راہبہ ہے

تم نے اس کا نام پوچھا؟

ہاں اس نے اپنا نام مریانہ بتایا ہے اور وہ راہب جس کے ساتھ وہ رہتی ہے اس کا نام وہ شیلبہ بتاتی ہے۔ ہمارا جاسوس کہہ رہا تھا گرجے کا وہ راہب جس کے پاس وہ بطور راہبہ رہتی ہے اس کا حقیقی باپ ہے۔ دونوں باپ بیٹی مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں اس لیے وہ ہمارے لیے جاسوسی کرتے ہیں۔

عمیر نے اندیشہ ظاہر کیا۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ عیسائیوں کے لیے ہماری جاسوسی بھی کرتی ہو۔ اور

اب اس سلسلے میں دونوں طرف سے بھاری معاوضے کا مطالبہ کرنے والی ——

ہوازن نے بات کاٹ دی۔

ایسا ممکن نہیں میرے آقا! میں اور ابولواس مریانہ سے کھل کر بات کر چکے ہیں اس کی باتوں کی گہرائی میں خلوص، سچائی اور راستی ہے۔ مجھے وہ کوئی مظلوم لڑکی لگتی ہے جو مسلمانوں سے محبت کرتی ہے! —— ہوازن خاموش ہو گیا۔ کیونکہ ان کا مکان نزدیک آ گیا تھا۔

جب وہ عمیر کے کمرے میں داخل ہوتے تو اندر ابولواس، کولان، حمورا اور مریانہ بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر کے لحاظ سے مریانہ بمشکل سولہ برس کی ہو گی اس کے بال لمبے اور سنہری تھے۔ وہ ایک حسین ترین لڑکی تھی جس کے چہرے کا رنگ ایسا تھا جیسے میدے کو خالص دودھ میں گوندھ کر اس میں گلابی رنگ ملا دیا جائے۔ وہ راہبوں کا سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ سر پر سفید ٹوپی پہننے کے باوجود اس کے سنہری لمبے اور باریک بال ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ اس کے گلے میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی اور کمرے کے اندر وہ قیامت بنی بیٹھی تھی۔

ابولواس عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

یہ ہمارے سالار اعلیٰ —— مریانہ مسکراتے ہوئے ذرا بول پڑی۔

عمیر بن خزام اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ہے جس کا نام اریطہ ہے۔

اریطہ کولان اور حمورا کے پاس بیٹھ گئی۔ عمیر ابولواس کے پاس بیٹھتا ہوا بولا

تم مجھے اور میری بیوی کو کیسے جانتی ہو؟

مریانہ نے بڑی بیباکی سے جواب دیا۔

جس طرح آپ کے سپاہی آپ کو جانتے اور پہچانتے ہیں اسی طرح میں بھی آپ کو جانتی ہوں۔ آپ کے اکثر جاسوس مجھے جانتے ہیں اور ان میں سے بہت سے عیسائیوں کے متعلق معلومات اور اطلاعات مجھ سے ہی حاصل کرتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو آپ کے لشکر کا ایک سپاہی سمجھتی ہوں۔ آج میں

آپ کے لیے ایک اہم خبر لے کر اور اپنے لیے ایک ضمانت حاصل کرنے
ہوں ــــ

کیسی ضمانت ؟

آپ کے لیے جاسوسی کرتے ہوئے اگر عیسائیوں کے ہاتھوں کبھی میں
جاؤں تو آپ میری رہائی اور حفاظت کا بندوبست کریں گے ۔

میں تمہیں تمہاری حفاظت کی ضمانت دیتا ہوں ۔

کیا آپ مجھے اس بات کی بھی اجازت دیں گے کہ آئندہ میں اہم اطلاعا
آپ کے جاسوسوں کو مہیا کرنے کے بجائے براہِ راست آپ تک پہنچاؤں ۔
طرح مجھے اطمینان ہو جایا کرے گا کہ وہ اطلاع آپ تک پہنچ چکی ہے ۔

تمہیں اس کی اجازت ہے کہ تم جب چاہو میرے مسکن میں آسکتی ہو
اپنے جاسوسوں اور محافظوں کو مطلع کر دوں گا ۔ اب وہ اہم خبر کہو جس کا تم نے
کیا ہے ۔

مریانہ نے پریشانی میں کہا ۔

پچھلے دنوں یروشلم کے بشپ نے دُور و نزدیک کے سب راہبوں کی
شوریٰ بلائی تھی جس میں میں اور میرا باپ بھی شامل ہوئے تھے ۔ اس مجلس میں
نے بتایا تھا کہ پاپائے اعظم گریگوری نہم ایک نئی صلیبی جنگ کی طرح ڈال رہا ہے
یورپ کے مختلف ممالک کو اس نے اس نئی جنگ میں حصّہ لینے کا حکم دیا
اب تک جو بادشاہ اس جنگ میں حصّہ لینے کا عہد کر چکے ہیں ۔ ان میں فرانس
انگلستان کے بادشاہوں کے علاوہ ہیوغ امیر برگنڈی ، رینوز کا بادشاہ ، امیر
ہنری امیر برطنی اور کئی دیگر امیر و رئیس شامل ہیں اور یہ سب جنگ کی تیاری
شروع کر چکے ہیں ۔ ان کا ارادہ پورے فلسطین پر قبضہ کرنے کا ہے ۔ گریگوری نہم
کہنے پر اس کی دو شعلہ بیان مذہبی جماعتیں فرانسسکن اور ڈامی نیکن جگہ جگہ
کر کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کو اکسا رہی ہیں ۔ فلسطی
ان کی نگاہ آپ اور آپ کے مسکن پر بھی ہوگی ۔ یروشلم کے بشپ نے سب

کو حکم دیا ہے کہ جگہ جگہ پھیل جاؤ اور مسلمانوں کی جاسوسی کرو ۔ یورپ کے صلیبی لشکر
کے پہنچنے سے قبل وہ یہاں اس سرزمین میں ان کے لیے نفسیاتی طور پر ایک خوشگوار
ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے ۔

عمیر نے دکھ سے کہا ۔

یروشلم تو پہلے ہی ان کے پاس ہے اب وہ مسلمانوں سے کیا چاہتے ہیں ؟
پورا فلسطین

عمیر نے کچھ سوچا پھر سر اُٹھاتے ہوئے کہا ۔

یہ اطلاع پہنچانے پر میں تمہارا شکر گزار ہوں ۔

شکریہ کیسا ؟ اب تو ایسے کام میرے فرائض میں شامل ہیں ۔

عمیر نے ہوازن کے کان میں کچھ کہا ۔ وہ اُٹھ کر باہر نکل گیا ۔ تھوڑی دیر بعد
جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں نقدی کی تھیلی تھی ۔ ہوازن سے عمیر نے تھیلی لے کر
مریانہ کی گود میں رکھتے ہوئے کہا ۔ یہ چھوٹی سی ایک رقم ہے ۔ رکھ لو تمہارے کام
آئے گی ۔

مریانہ نے پر زور احتجاج کیا ۔

میں نے کسی رقم کے بدلے تو آپ کے لیے کام کرنے کا وعدہ نہیں کیا ۔
یہ حوضانہ نہیں میں خوشی سے تمہیں تمہارے اخراجات کے لیے دے رہا
ہوں ــــ

عمیر نے مسکراتے ہوئے ابونواس سے پوچھا ۔

اسے کچھ کھانے کو بھی دیا ہے ؟

مریانہ خود ہی بول پڑی ۔

کولان اور حمورا پہلے ہی میری کافی تواضع اور آؤ بھگت کر چکی ہیں ۔ اس
کے ساتھ مریانہ کھڑی ہو گئی ۔

اب میں چلتی ہوں ،

سب اُٹھ کر باہر آئے ۔ عمیر ، ابونواس اور ہوازن تینوں مریانہ کو قلعے سے باہر

تک چھوڑنے آئے۔ مریانہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتی ہوئی بولی۔

نئی صلیبی جنگ کی صورت میں آپ کا رویہ کیا ہوگا۔

عمیر نے اس کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

میں اس سلسلے میں شام کے حکمران الملک الناصر سے گفتگو کروں گا۔

مریانہ نے چونک کر پوچھا۔

مصر سے کیوں نہیں؟

مصر کا حکمران الملک الصالح ایوب نیا نیا تخت نشین ہوا ہے ابھی تک میر اس سے کوئی رابطہ نہیں۔ اس کے علاوہ اس کا سپہ سالار فخرالدین اور اس کا ایک نائ قنتر دونوں ہی میرے خلاف ہیں۔ وہ یہاں ہمارا مسکن پسند نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں یہ ریاست کے اندر ایک ریاست ہے۔ حالانکہ مجھ سے انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اب تک میرے خلاف ضرور کوئی قدم اٹھا چکے ہوتے لیکن سمرقند اور بخارا سے آتے ہوئے عرب اور قفقار سے تاتاریوں کے ہاتھوں بے گھر کیے ہوئے مہاج جنہیں مصر کے لوگ نیل کے سفید غلام کہتے ہیں اور جو اس وقت ہزاروں کی تعداد میں مصر کے اندر آباد ہیں سب میرے حق میں ہیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ میں ان کے قافلوں کی تاتاریوں سے حفاظت کرتا رہا ہوں وہ سب دونوں ڈرتے ہیں کہ اگر انہوں نے میرے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو نیل کے یہ سفید غلام بغاوت کر دیں گے اس لیے مصلحتاً وہ خاموش ہیں۔

مریانہ نے اداس لہجے میں کہا۔

مصر کے اندر ایک ایسا شخص بھی ہے۔ جو آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہے

عمیر نے چونک کر پوچھا۔

کیا تمہارا اشارہ رکن الدین بیبرس کی طرف ہے؟

ہاں

وہ ایک سچا مسلمان، ہمدرد بھائی اور چٹانوں کی طرح سخت سپاہی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کے ہاتھ میں اختیارات نہیں۔ میرا دل کہتا ہے آنے والے پرآشوب دور میں ذات کا یہ سپاہی مصر کے آسمان پر ضرور طاقت کا ایک نجم السحر بن کر نمودار ہوگا۔ کیونکہ اس کی باتوں میں خلوص اور ارادوں میں ایک عزم ہے۔ مریانہ خاموش رہی کوئی جواب نہ دیا پھر وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئی۔

عمیر، ابو نواس اور ہوازن اپنے قلعے کی طرف لوٹ گئے۔

تینوں ابھی قلعے کے دروازے سے تھوڑی دور ہی تھے کہ قلعے کے اندر یکبارگی ہی کئی نقارے زور زور سے بجنے لگے۔ تینوں ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر اپنی پوری رفتار سے قلعے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا ہشام بھاگتا ہوا ان کی طرف ہی آ رہا تھا۔ عمیر کے قریب آتے ہی ہشام ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

سیدی! تاتاری طلم کا محاصرہ کر چکے ہیں۔ ابھی ابھی جاسوس کبوتر پیغام لے کر آیا ہے جابر ادریاح نے آپ کو مدد کے لیے پکارا ہے۔

عمیر نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ لبیک لبیک پکارتا ہوا اپنے مکان کی طرف بھاگنے لگا۔ ابو نواس اور ہوازن اس کے پیچھے تھے۔ عمیر اپنے مکان سے سامنے والی چٹان کے اوپر بھاگتا ہوا چڑھا اور اپنے دونوں ہاتھ منہ کے دائیں بائیں جماتے ہوئے زور زور سے پکارنے لگا۔ اَلصَّاعِقَۃُ! اَلنَّوْبُ! اَلنَّھْبُ! اَلْاَسَدُ! اَلْحُرُوْبُ!

قلعے کے چاروں طرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے برجوں سے بھی یہی آوازیں سنائی دینے لگیں اور ان کے جواب میں عرب، ترک اور بربریوں کے دستے اپنے گھوڑوں پر سوار لبیک لبیک پکارتے ہوئے قلعے سے باہر نکلنے لگے۔

عمیر جب اپنے کمرے میں گیا تو اوریطہ سہمی سہمی وہاں کھڑی تھی عمیر کو دیکھتے ہی اس نے بڑی پریشانی سے پوچھا۔

عمیر! یہ کیا ہوا ہے؟

عمیر نے دیوار سے لٹکی ہوئی اپنی زرہ لی اور اسے پہنتے ہوئے کہا۔

تاتاری ظلم کا محاصرہ کر چکے ہیں اور مجھے جابر اور رباح نے مدد کے لیے پکارا ہے۔ میں لبیک کہہ چکا ہوں اور ابھی اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا ہوں۔ اس نے منہ سے کچھ نہ کہا خاموشی سے عمیر کو زرہ پہنانے لگی۔

عمیر مسلح ہو کر اپنے گھوڑے کے ساتھ جب باہر آیا تو وہاں ابو نواس ہوازن اور ہشام کھڑے تھے۔ عمیر نے ہشام کو مسکن کی حفاظت پر مامور کیا اور ابو نواس اور ہوازن کے ساتھ قلعے سے باہر آیا۔ پورا لشکر ان کے انتظار میں وہاں کھڑا تھا۔ اور اس کے پیچھے سامانِ رسد سے لدے ہوئے گھوڑے تھے۔

تینوں لشکر کے آگے آگے۔ جہاں شیبان پہلے سے اپنے جراح دستوں کے ساتھ کھڑا تھا اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر عمیر نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور آن کی آن میں لشکر کے سارے گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ جب وہ اپنے مسکن کی حدود کے اندر ہی گھوڑے دوڑ رہے تھے تو عمیر نے دیکھا مریانہ اپنے گھوڑے پر سوار ایک بلند چٹان کے اوپر فضا میں ہاتھ لہرا لہرا کر عمیر کو الوداع کہہ رہی تھی۔ عمیر نے صرف ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر اس کی نگاہیں اپنے سامنے جم گئی تھیں۔ اپنے مسکن کی حدود سے نکل کر عمیر نے لشکر کا رُخ بدلا اب وہ شمال مشرق کے رُخ پر موصل کی طرف جانے والی شاہراہ پر اپنے لشکر کے ساتھ دھول اڑاتا اڑا جا رہا تھا۔ دُور دُور تک وادیاں گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اُٹھی تھیں۔ اور گرد کے بادل آسمان کی طرف اُٹھتے جا رہے تھے۔

آفتاب لبِ بام چمک رہا تھا گرم اور تیز ہوائیں درختوں پر چیخ چلا رہی تھیں تاتاریوں کو ظلم کا محاصرہ کیے کئی روز ہو چکے تھے۔ جابر اور رباح کی سرکردگی میں موت کے مسافر کچھ ایسے انداز میں اپنی دفاعی جنگ جاری رکھے ہوئے تھے کہ تاتاریوں کیلئے قلعہ فتح کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا تھا۔

دونوں طرف سے آتشی تیروں کی بارش کی جا رہی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا گویا آسمان سے آگ برسنے لگی ہو۔ شورہ پشت، جنگجو اور غارت گر تاتاری اپنے

چہروں پر شیطنت کا رنگ لیے قلعہ پر منجنیقوں سے پتھر برسا رہے تھے لیکن قلعے کی فصیل ابھی تک ویسی کی ویسی تھی۔

سورج جب مغرب کی فنا گاہوں کی طرف جھک گیا اور قلعے کی فصیل کے سائے بڑھنے لگے برج پر کھڑے رباح کی آنکھیں ناگاہ اس شاہراہ کی طرف اُٹھ گئیں جو موصل کی طرف سے آتی تھی اس نے دیکھا شاہراہ پر زمین سے آسمان تک گرد کے بادل اڑ گئے تھے اور لمحہ بہ لمحہ گرد کا وہ طوفان ظلم سے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ ایسی تیز رفتاری کے ساتھ جس طرح طوفانی جھونکے اپنا سفر طے کرتے ہیں۔

رباح غور سے اس طرف دیکھنے لگا تھا۔ گرد کے بادل جب چھٹے تو اس نے دیکھا وہ ان کا اپنا لشکر تھا سب سے آگے عمیر تھا اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس کی چمک وہاں تک دکھائی دے رہی تھی اس کے پیچھے ابو نواس اور ہوازن تھے جن کے پیچھے موت کے مسافر ایک طوفان کی طرح اُمڈے چلے آ رہے تھے۔

ایک دوسرے برج کی طرف منہ کر کے رباح زور زور سے چلانے لگا۔

جابر! جابر! ادھر دیکھو ——— وہ آ گئے ——— وہ آ گئے

جابر! میرے آقا آ گئے۔

جابر نے برج سے سر اُٹھا کر ادھر دیکھا۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ بحرِ ذخار کی طرح بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس کی رفتار میں دریاؤں کی روانی تھی اور وہ آگ اور خون کا پیغام بن کر لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتا جا رہا تھا۔ جابر نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے چلا چلا کر کہنا شروع کر دیا۔

ساتھیو! ہماری فوج آ گئی۔ آقا ہماری مدد کو پہنچ گئے ہیں۔ اور وہ تاتاریوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ جواب میں قلعے کے سپاہی نئے جوش کے ساتھ اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرنے لگے تھے۔

جابر پھر اپنے لشکر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اب لشکر کے آنسو تھے۔ اس نے دیکھا سینے میں تیر کھا کر مسکرانے والے عربوں کی سفید عبائیں لہرا رہی تھیں۔ شعلۂ بے باک ترک اُمڈتے ساگر کی شکل اختیار کر گئے تھے اور دیو پیکر بربری اپنے چہروں پر طوفانی

یورش لیے جنونی کیفیت کے ساتھ تکبیریں بلند کرتے اپنے گھوڑوں کو مارتے لا
چلے آرہے تھے۔

جابر نے اپنی آنکھیں خشک کرلیں اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا
ہوئے اس نے بڑی انکساری سے کہا۔

اے دونوں جہاں کے مالک! اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے وا
تیرا لشکر ہے۔ پھر قلعے سے باہر تاتاری لشکر کی طرف دیکھتے ہوئے جابر نے پو
قوت سے چلا کر کہا۔

ظلمت کے فرزندہ! اپنے روزِ حساب کا انتظار کرو۔ ہمیں جن کا انتظا
وہ آگئے ہیں۔

ظلم کے قریب آکر عمیر کے اشارے پر لشکر کی صفیں خوب گتھ گئی تھ
سپاہی ایک دوسرے سے جڑ کر ان اعدادِ متبائن کی طرح بن گئے تھے جو تقسیم
ہو سکتے یا یوں گویا انہوں نے اپنے آپ کو ایسی زنجیروں میں جکڑ لیا ہو جو ٹوٹ
لشکر جب اظہر من الشمس ہو کر قلعے کے سامنے آیا تو ایک ساتھ کئی بار تک
بلند ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی منزل خونبار پر پہنچ کر لشکر حملہ آور ہوا تھا
میں سب سے آگے عمیر تھا اور ابو نواس و ہوازن اس کے دائیں بائیں میمنہ ا
میسرہ کا کام دے رہے تھے۔

سارا تاتاری لشکر سمٹ کر اس سمت بڑھا جس طرف عمیر حملہ آور ہوا تھ
لیکن عمیر کے حملے میں اس قدر تیزی اور سختی تھی کہ وہ اپنے سامنے آنے وا
تاتاری لشکر کو قلعے کی فصیل تک اپنے آگے آگے ہانکتا چلا گیا تھا۔ موت کے م
تاتاریوں سے ان مویشیوں جیسا سلوک کر رہے تھے جن کے ذبح کرنے کا وقت آگ
عمیر اپنے سپاہیوں کے ساتھ دشمن کو کھیرے ککڑی کیطرح کاٹ رہا تھ
طرف شورِ آہ و بکا سنائی دینے لگا تھا۔ ہر طرف تکبیر کی صدائیں بلند ہو رہی
ایسی صدائیں اُٹھ رہی تھیں جو مسلمان سپاہیوں کو خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے
دیوانے کل کر دیں۔ موت کے مسافر عمیر، ابو نواس اور ہوازن کی سرکردگی میں اپنی تلوا

کے بھیانک خروش کے ساتھ جوتے نور اور شرارِ برق کی طرح سینوں میں طوفانوں کا
الم اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ لیے جس میں بے لوثی اور جانثاری تھی کروٹیں بدلتے
وتے طوفان کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر طرف جنگ کے سرخ شعلوں کا رقص
شروع ہو گیا تھا۔

جابر اور رباح نے فصیل کے اوپر کوئی مشورہ کیا پھر وہ بھاگتے ہوئے نیچے
زے سارا تاتاری لشکر چونکہ سمٹ کر عمیر سے مقابلے کے لیے ایک طرف ہٹ
تھا لہٰذا انہوں نے قلعے کے صدر دروازے کو خالی چھوڑ دیا تھا۔ جابر اور رباح نے
ے کا دروازہ کھلوایا اور اپنے تین ہزار جان نثاروں کے ساتھ وہ تاتاریوں کی پشت
سے حملہ آور ہوئے۔ جنگ کی بھٹی یوں بھڑک اٹھی تھی جیسے کہہ رہی ہوں آج بھڑک کے
پھر کبھی نہ بھڑکوں گی۔ جابر اور اس کے سپاہی اتنے دن محصور رہنے کا پورا پورا کفارہ ادا
کر رہے تھے۔

موت کے مسافر اب دونوں طرف سے تاتاریوں کے سروں پر موت کی طرح
وار ہو رہے تھے ایک طرف سے عمیر، ابو نواس اور ہوازن اپنے سرفروشوں کے ساتھ
ان کے جسم ادھیڑ رہے تھے تو دوسری طرف سے جابر اور رباح ان کے چہرے مسخ کر
رہے تھے دونوں طرف ایسے ارادوں کے ساتھ یورش شروع ہو چکی تھی۔ جن میں
پائی نہ تھی۔

تاتاریوں نے جب دیکھا کہ موت کے مسافر لڑتے لڑتے بڑی تیزی سے ان
احاطہ کرتے جا رہے ہیں تو ان کے لشکر میں پسپائی کے بگل بجنے لگے۔ اسی لمحہ دشمن کے
ب میں گھس کر شیر کی طرح لڑتے ہوئے عمیر نے چلا چلا کر کہنا شروع کر دیا۔

مجاہدو! تاتاری ظالم ہیں۔ آگے بڑھو اور ان کے ظلم کا سینہ چیر دو ان کا
براؤ کیے جاؤ اور ان کا شکار ان لومڑیوں کی طرح کرو جو تیر کھاتے کھاتے آپاہج ہو
جاتی ہیں۔

عمیر کا پیغام لشکر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا دیا گیا۔
موت کے مسافر ایک نئے جذبے کے ساتھ مردانہ وار جنگ و پیکار کی نئی حکایتیں

اور داستانیں دہراتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ تاتاریوں پر افتادگی اور اعضا شکنی طا
کرتے جارہے تھے۔

سورج جب افق کے دریچے میں دن کی مسافت طے کرنے کے بعد
کی سرخی میں نہانے لگا یموت کے مسافر تاتاریوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد اپنی تلوا
صاف کرکے نیام میں کر چکے تھے۔ جابر اور رباح اپنے گھوڑے دوڑاتے ہو
عمیر کے پاس آئے۔ انہوں نے دیکھا عمیر کے چہرے پر گرد کی دبیز تہیں جمی ہیں
پر دشمن کے خون میں رنگا ہوا سُرخ پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہی حالت ابو نواس ہوا
اور لشکر کے سارے سپاہیوں کی بھی تھی۔ جابر اور رباح منہ سے کچھ بھی نہ کہہ
اور اپنے تینوں سرداروں کو ایسی آنکھوں سے دیکھتے رہ گئے جن میں بے پنا
عقیدت اور گہری ارادت تھی۔ پھر عمیر کی آواز سنائی دی۔ وہ جابر سے مخا
ہوا تھا۔

جابر! سپاہیوں کے آرام کا بندوبست کرو۔ کل صبح ہی صبح ہم واپس
کر جائیں گے۔

سارا لشکر قلعے میں داخل ہوا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ جنگ میں جو
شہید ہوئے تھے انہیں قلعے کے باہر دفن کر دیا گیا۔ لشکر نے صرف ایک رات
میں قیام کیا اور دوسرے روز عمیر جابر اور رباح کو نئی ہدایات جاری کرنے
بعد اپنے لشکر کو لے کر ابو نواس اور ہوازن کے ساتھ مسکن کی طرف کوچ کر

ڈوبتے سورج کی آخری لگاہیں زمین پر سُرخ رنگ بکھیر رہی تھیں۔ افق کے
دریچے لال گوں ہو گئے تھے۔ آوارہ وطن بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے رات کے
ان مسافروں کی طرح حرکت کر رہے تھے جو ستاروں کی راہنمائی میں آہستہ آہستہ سفر کرتے
ہیں۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ مسکن میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں طرف ظلمتوں کا نزول شروع
ہو چکا تھا۔ سنگلاخ سیاہ چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی تیز ہوا ئیں یوں چیخ رہی تھیں۔ جیسے بیشمار
روحیں نغمہ خواں ہوں حلقہ شب پھیلتا جارہا تھا اور سنگین رات خوابیدہ امنگوں کے
ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دریائے یردن کے بہتے پانی کے دھیمے راگ میں گیتوں کی گنگناہٹ
اور تیز لہروں کی تڑپ میں شجاعت کا پیغام تھا۔

عمیر جب قلعے میں داخل ہوا ایک طرف سے ہشام بھاگتا ہوا آیا اور عمیر کے
گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ عمیر نیچے اترا اور ہشام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے بعد کوئی حادثہ تو نہیں ہوا۔

نہیں میرے آقا! کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ صرف دمشق سے ایک قاصد آپ
سے ملنے آیا ہوا ہے میں نے اسے مہمان خانے میں ٹھہرا رکھا ہے میں نے اسے بہت کریدا

کچھ بتاتا نہیں آپ سے ملنا چاہتا ہے اور شام کے حکمران کا کوئی پیغام بھی لے کر آیا
وہ بڑی بیتابی سے آپ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا ہے۔
کیا اسے میری آمد کی خبر ہو چکی ہے۔
ہاں میں اسے آپ کے لوٹنے کی اطلاع کر چکا ہوں۔
تو پھر میں اس سے ملنا پسند کرونگا۔
ہشام نے التجا کے لہجے میں کہا۔
آپ نہا دھو کر پہلے کھانا کھائیں اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اس
ملیں آپ تھکے ہوتے ہیں میرے آقا!
تم میری تھکاوٹ کا فکر نہ کرو۔ اس سے بات کیے بغیر میں کھانا نہ کھا سکوں
تم سپاہیوں کے کھانے کا بندوبست کرو میں اس سے ملتا ہوں۔ عمیر نے ابونواس اور
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
تم دونوں بھی میرے ساتھ آؤ۔
ابونواس اور ہوازن بھی عمیر کے ساتھ ہو لیے۔ تینوں مہمان خانے میں آئے
دمشق سے آیا ہوا ترک قاصد بیٹھا تھا۔ تینوں نے باری باری اس سے مصافحہ کیا
پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے عمیر نے پوچھا۔ کیا تم دمشق سے ہمارے لیے کوئی
لائے ہو؟
قاصد نے بڑے شوق سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
کیا میں سمجھ لوں میں اس کوہستانی قلعے کے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام سے مخا
ہوں ——
ہاں میں ہی عمیر بن خزام ہوں۔
قاصد نے احترام سے اُٹھ کر ایک بار پھر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہو
آپ شاید اپنی مہم سے واپس آنے پر سیدھے میرے پاس چلے آئے
آپ کا چہرہ گرد آلود ہے اور آپ نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا جو خون میں بھیگا ہوا
میں ایک سپاہی ہوں۔ اور سپاہی کو یہی لباس زیب دیتا ہے۔ تم کہو

سے تم ہمارے لیے کیا پیغام لاتے ہو۔ قاصد کچھ کہنے کے بجائے بڑی بے چینی سے
ابونواس اور ہوازن کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ عمیر کو پھر بولنا پڑا۔
یہ دونوں میرے جرنیل ابونواس اور ہوازن ہیں۔ میری کوئی بات ان سے
پوشیدہ نہیں ہوتی جو کچھ کہنا ہے ان کی موجودگی میں کہو۔ یہ دونوں میرے بازو ہیں اور
تم جانو بازو بدن سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔
میں شام کے حکمران الملک الناصر داؤد کی طرف سے ایک استدعا کیساتھ
آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔
کیسی استدعا؟
الملک الناصر یروشلم پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور اس مہم میں آپ کی اعانت
چاہتا ہے۔
عمیر کی گردن جھک گئی تھی۔ اور وہ ان جانی سوچوں میں کھو گیا تھا۔ قاصد
بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عمیر اس خاموش صحرائی طرح چپ بیٹھا تھا۔
جس میں نخلستان تو ہوں آندھیوں کے جھکڑ نہیں۔ قاصد نے اسے چونکا دیا۔
آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ عمیر نے اپنا سر اُوپر اٹھایا اور قاصد کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔
کیا مصر اور شام آپس کے اختلاف بھول کر ایک متحدہ طاقت کی صورت میں
یروشلم پر حملہ آور نہیں ہو سکتے جبکہ دونوں حکمران چچا زاد بھائی بھی ہیں۔
قاصد نے اداس لہجے میں کہا۔
"یہ ممکن نہیں۔ مصر اور شام کے اختلاف ایسے ہیں جو ختم نہیں ہو سکتے"
عمیر نے زخمی، مجروح اور افگار سی آواز میں کہا۔
تو پھر یہ عالم اسلام کی بدقسمتی ہے اس پر آشوب دور میں جبکہ ایک طرف
شمالی بیابانوں کے وحشی اور زہریلے جنگجو تاتاری ہم پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ تو دوسری
طرف صلیبی ہاسپٹلر اور ٹمپلر مذہبی جنگ کا جنون لیے ہمیں گھور رہے ہیں۔ ان کے
علاوہ ایک تیسری قوت حسن بن صباح کے فدائین ہیں جو عالم اسلام کے آسمان پر ایک

منحوس ستارے کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہا ہیں تو میں سمجھوں گا ہم بے حمیت ہو چکے ہیں اور اس قابل نہیں کہ ملت میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکیں۔ اور پھر وہ دن دور نہ ہوگا۔ جب ایک طرف سے تاتاری اپنی جہاں سوز اور تباہ کاری کے ساتھ اور دوسری طرف سے صلیبی اپنی وحشت اور بربریت ستم آرائیوں کے ساتھ ہم پر آخری ضرب لگانے کے لیے آ ٹوٹ پڑیں گے۔

قاصد نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔

تو کیا میں یہ سمجھ لوں آپ ہمارا ساتھ نہ دے کر ہمیں مایوس کریں گے۔

نہیں! عالم اسلام کے کسی بھی افق سے جو بھی شخص اسلام کی سربلندی کے لیے اٹھے گا۔ ہم اس کا ساتھ دیں گے تم الملک الناصر سے کہنا جب تک ہمارے ترکش میں تیر ہیں۔ جب تک ہمارے جسم میں خون کا سفر جاری ہے ہم اپنے ان اغیار سے جنگ کرتے رہیں گے جو ہماری قوم کو ایک لاش سمجھ کر گدھوں کی طرح اس کی طرف بڑھ رہے ہیں گے جاؤ الملک الناصر سے کہنا وہ یروشلم پر حملہ کرے پھر یروشلم کا آسمان دیکھے گا کہ کس طرح سر پر کفن باندھ کر اپنے رب کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

قاصد نے تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس جنگ میں آپ ہمارے راہنما ہوں گے۔

ہم سب قدرت کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔

جنگ کی تیاری کے لیے آپ کو کس چیز کی ضرورت ہوگی۔

ہم بھولے بسرے اور بے ضرورت انسان ہیں۔ میں اور میرے سپاہی غفلت کی نیند نہیں سوتے تم لوگ ہمیں ہر وقت جنگ کے لیے تیار پاؤ گے۔ میرے قلعے کی اسلحہ ساز بھٹیاں ہر وقت گرم رہتی ہیں اور میرے سپاہی ہر وقت اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالے رہتے ہیں۔ تو میرے مسکن میں جدھر جدھر سے بھی گزرو یہ سنگلاخ کوہسار ہماری شجاعت کی گواہی دیں گے۔

قاصد نے بڑی ارادتمندی سے کہا۔

آپ اپنی عظیم قوم کی سطوت ہیں ؟

عمیر نے بڑی سادگی اور انکساری سے کہا۔

میں ذات کا ایک سپاہی ہوں اور میرے ساتھی میری کل متاع ہیں۔ ہم موت و حیات کا راز سمجھ چکے ہیں۔ عزلت نشینی اور گوشہ گیری کی جامد زندگی بسر کرنے کے بجائے جنگ میں _____ نقاروں کی گونج پر تکبیریں بلند کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں ہم اپنی زندگی کا راز سمجھتے ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کے لیے زہر ہیں جو خرقہ سالوس کی آڑھ میں قوم کو دھوکہ دیتے ہیں اور ہمارے حاشیۂ خیال میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

قاصد بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے سامنے بیٹھا ہوا عمیر اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی سرخ طوفان کروٹیں لے رہا ہو یا سرکش لہریں اپنے سکوت کو توڑ کر سرخ بجلیوں کا گہوارہ بن گئی ہوں۔ پھر اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

آپ پہلے جرنیل ہیں جس میں میں نے لذتِ یکتائی دیکھی ہے۔

میں صرف ایک سپاہی ہوں۔

مجھے اب رخصت ہونے کی اجازت دیجئے۔

اب صبح ہی جانا

نہیں میں کئی دنوں سے آپ کے انتظار میں یہاں پڑا ہوں میں اللہ کا شکر گذار ہوں کہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں۔ میں بہت جلد دمشق پہنچنا چاہتا ہوں اور آج کی رات میں اپنے سفر کا کافی حصّہ طے کر لوں گا۔ مجھے اُمید ہے میرے کام کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ مجھے جانے سے روکیں گے نہیں۔

عمیر کھڑا ہو گیا۔ آؤ پھر

چاروں اُٹھ کر باہر آئے۔ آسمان سے چاندنی کے دریا بہہ رہے تھے۔ رات انگیس ہو گئی تھی۔ اور دشت کے خارزار اور کہنہ خرابے چاندنی کے سحر کی لے پر ناچ اُٹھے تھے۔ عمیر کے سپاہی میدان کے اندر ٹولیوں میں بیٹھے داستان گوؤں سے پرانے جرنیلوں کی شجاعت کی اساطیر اور مغنیوں سے رزمیہ گیت سن رہے تھے۔ قاصد نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

کیسا دلپسند ماحول ہے آپ کے مسکن کا یہاں سے جانے کو جی نہیں چا
عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے سپاہی آزاد ہیں اور ہم دستورِ زبان بندی کے قائل نہیں ہیں
کھانا کھا کر اسی طرح بیٹھتے ہیں۔

ہشام انہیں دیکھتے ہی بھاگتا ہوا جب ان کے قریب آیا تو عمیر نے اس
قاصد کا گھوڑا لانے کو کہا۔ عمیر کی آواز قریب کھڑے ایک سپاہی نے بھی سن لی وہ
بھاگتا ہوا گیا اور قاصد کا گھوڑا لے آیا۔ عمیر، ابونواس، ہوازن اور ہشام قاصد کو قلع
باہر تک چھوڑنے آئے پھر وہ واپس لوٹ آئے۔

عمیر اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ دیوار سے لگی ہوئی روشن مشعل کی تیز رو
میں کمرے کے وسط میں اریطہ بیٹھی بڑی بیتابی سے عمیر کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی ع
کمرے میں داخل ہوا۔ اریطہ اٹھی اور پھول کی طرح مسکراتی ہوئی عمیر کی طرف بھاگی۔
اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اپنے، دونوں بازو پھیلائے اور پیار سے اریطہ کو پکارا۔

اریطہ! اریطہ!

اریطہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور عمیر سے لپٹ گئی۔ عمیر کی چھاتی پر سر ر
ہوئے اس نے روٹھنے کے انداز میں کہا۔

لشکر کتنی دیر ہوئی قلعے میں داخل ہو چکا ہے۔ آپ اتنی دیر کہاں رہے آ
کو پتہ بھی تھا میں انتظار کر رہی ہوں گی۔

عمیر نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔

دمشق سے جو قاصد آیا ہوا تھا اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

عمیر کو اپنے ساتھ لپٹائے اریطہ کمرے میں آگے بڑھتی ہوئی بولی آپ تھ
ہوئے ہیں۔ پہلے نہا لیں پھر کھانا کھا کر آرام کریں۔

اریطہ چمڑے کے ایک صندوق سے ایک صاف ستھرا انگوچھا نکال لائی
اس نے مٹی کا ایک برتن اٹھایا جس میں بیلے کی بھیگی ہوئی کھلی تھی۔ انگوچھا اور کھلی کا
اس نے میز پر رکھے۔ عمیر کی زرہ اس کا خود اور جوتے اس نے خود اتارے پھر وہ عمیر

ایک نیا لباس نکال لائی۔ عمیر نے انگوچھا، کھلی کا برتن اور اپنے کپڑے اٹھائے اور
نہانے چلا گیا۔

جب وہ واپس آیا تو اریطہ کے پاس کولان اور حمورا بیٹھی تھیں عمیر کو دیکھتے
ہی کولان نے پوچھا۔

کیسے ہو اخی!

عمیر مسکرا رہا تھا

ٹھیک ہوں۔ تم دونوں بہنیں کیسی ہو؟

دیکھ لیں ہم دونوں ہٹی کٹی ہیں۔ چلئے کھانا کھا تیے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ سب
اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آئے جہاں ابونواس اور ہوازن بیٹھے تھے۔ اریطہ، کولان
اور حمورا نے ان کے سامنے کھانے اور پانی کے برتن رکھے اور وہ مل کر کھانے لگے۔ وہ
تینوں بھی ان کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

عمیر اپنے کمرے میں اریطہ کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ دور وادی میں جنگی
نقاروں کے بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر وہ آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی چلی گئیں
قلعے سے لے کر مسکن کی آخری حدود تک پہاڑوں پر پہرہ دینے والے عمیر کے محافظ
نقارے بجا رہے تھے جن کے جواب میں اب قلعے کے محافظ بھی اپنے اپنے برجوں کے
اندر نقارے بجانے لگے تھے اریطہ جو عمیر کے لیے نئی قمیض سی رہی تھی۔ پریشان ہو گئی قمیض
اور سوئی دھاگہ اس نے ایک طرف رکھے اور کھڑی ہو گئی۔ عمیر بھاگتا ہوا اپنے کمرے
سے نکلا مکان سے باہر ابونواس اور ہوازن بھی کھڑے تھے۔ عمیر بھاگتا ہوا ہوازن کے
پاس آیا اور بڑے تجسس سے پوچھا۔

کیا ہوا؟

ہوازن نے جواب دیا۔

ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جاسوسی کے بُرج پر پہرہ دینے والا ایک محا
اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ عمیر کے قریب آکر وہ گھوڑے سے کود ا اور مؤدب ہو کر
یروشلم پر حملہ کرنے کے لیے شامی لشکر ہمارے مسکن کی حدود سے باہر
آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ عمیر بھاگتا ہوا اسی ٹیلے پر چڑھا اور اپنے دستوں کے
لے کر پکارنے لگا۔ اور جواب میں سب دستے لبیک پکارتے ہوئے قلعے
باہر نکلنے لگے۔

عمیر اپنے کمرے میں آیا۔ اریطہ نے اسے زرہ پہنائی۔ پھر اس نے آہنی
کے اُوپر کھردرے کپڑے کی سفید عبا پہنی سر پر خود رکھا اور کمرے سے باہر آیا۔ ا
اور ہوازن پہلے سے وہاں کھڑے تھے۔ دروازے پر کولان کھڑی اس کے دو
ہاتھوں میں مخمل کے جزدان کے اندر قرآنِ پاک تھا جو اس نے اپنے سر سے اُوپر
رکھا تھا۔ وہ تینوں دروازے کی طرف بڑھے۔ عمیر آگے آگے تھا۔ قرآنِ پاک
نیچے سے گزرتے ہوتے عمیر نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

اے دونوں جہانوں کے رب! ہم جس مقصد کے لیے نکلے ہیں تو اس میں ہم
فتح عطا کر۔

تینوں مکان سے باہر آئے۔ عمیر نے قلعے کے دروازے پر کھڑے ہشا
کو کچھ ہدایات جاری کیں پھر وہ قلعے سے باہر کھڑے اپنے لشکر کے آگے آتے
لشکر کسی تیز آندھی جیسی رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

جب وہ اپنے مسکن سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا شامی لشکر اپنی پو
سج دھج اور نظم ضبط کے ساتھ صفیں باندھے کھڑا تھا۔ عمیر کو دیکھتے ہی شامی افو
کا سپہ سالار عمیر کے قریب آیا۔ دونوں میں تھوڑی دیر تک کچھ مشورے ہو
پھر عمیر نے اپنے لشکر کو مقدمہ الجیش کے طور پر آگے لگایا اور شامی لشکر اس
پیچھے تھا اس حالت میں یہ متحدہ لشکر جنگ کے طبل اور دفیں بجاتا ہوا یروشلم
طرف بڑھا۔

صلیبیوں کو اس حملے کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی۔ اور ہزاروں نائٹ ٹیپ
اسپٹلر اور مذہبی جوش میں دیوانے سپاہی عکہ، یافا، ناصرہ اور گلیل کے قلعوں
سے کوچ کر کے یروشلم پہنچ چکے تھے۔

مسلمان جب یروشلم پہنچے تو صلیبیوں نے کھلے میدان میں اپنی تلواروں سے
ان کا استقبال کیا۔ لیکن جلد ہی ان کی ساری خوش فہمیاں دور ہو گئیں۔ کیونکہ ان کا مقابلہ
کسی عام فوج سے نہ تھا جسے وہ آسانی سے شکست دے دیا کرتے تھے اس بار ان
کے سامنے موت کے مسافر آہنی انسانوں کی طرح کھڑے تھے جو کاٹنا جانتے تھے
کٹنا نہیں جن کے حاشیۂ خیال میں صرف نصرت و کامرانی تھی۔ پسپائی نہیں۔

گھمسان کا رن پڑا موت کے مسافر اور شامی لشکر اپنے شیر صفت جرنیلوں کی
سرکردگی میں شجاعت کی نئی داستانیں لکھ رہے تھے۔ صلیبی زیادہ دیر تک مقابلہ
نہ کر سکے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو ان میں پسپائی کے آثار
پیدا ہوتے پھر وہ اسلامی سپاہ کے آگے آگے بھاگتے ہوتے بڑی بے بسی کے
عالم میں اپنی تقدیر کا بدترین نوشتہ پڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔
صلیبیوں نے اس زمانے میں یہاں جو ایک اور قلعہ بنا لیا تھا منہدم کر دیا گیا اور
فصیل کا داؤد ی برج گرا دیا گیا یوں ۶۳۷ھ میں صلاح الدین کے بعد یروشلم پر
پھر شام کے حکمرانوں کا قبضہ ہو گیا۔

بحر اسود کے ساتھ ساتھ کریمیا اور قفقار کے پہاڑوں تک پھیلا ہوا تاتاری لشکر کچھ عرصہ سستاتا رہا۔ پھر اس کے جرنیل باتو اور سوبودائی نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور اس کے پہلے جو علاقے انہوں نے فتح کر لیے تھے اب ان سے آگے انہوں نے اپنی نئی مہمات کا آغاز کیا۔ روس کو وہ پہلے ہی تاراج کر چکے تھے اب ان کا رخ ہنگری کی طرف تھا۔

اہل ہنگری ایک عظیم لشکر کے ساتھ مقابلے پر آئے اور دریائے سویو کے اس پار موہی کے میدان میں قیام کیا۔ جب رات ہوئی تو لشکر نے اپنے ارد گرد رتھ گاڑیاں کھڑی کر کے ایک مورچہ سا بنا لیا اور کچھ دستے دریائے سویو کے پل پر پہرہ دینے کے لیے مقرر کر دیئے کیونکہ دریا کے اس پار مشرق کی طرف تاتاری لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

رات جب گہری ہو گئی تو تاتاری لشکر حرکت میں آیا انہوں نے دریا پر شہتیروں سے ایک نیا اور عارضی پل بنا کر دریا عبور کیا اور اہل ہنگری پر حملہ آور ہوئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں اہل ہنگری کو شکست فاش ہوئی۔ تاتاریوں نے ہنگریوں کے

سارے سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

اب آگے منجمد دریائے ڈینیوب آ گیا تھا۔ باتو خان نے یہ دیکھنے کے لیے کہ دریا کے اوپر سے گزرا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کچھ مویشی دریا کی طرف ہنکا دیئے اور اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹ کر دیکھنے لگے۔ مویشی کچھ دیر جمے ہوئے دریا پر گھومتے رہے پھر دریا کے اس پار سے کچھ لوگ آئے اور مویشیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ اس سے باتو نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دریا کو اپنے لشکر کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے کوچ کا حکم دیا اور تاتاری سوار دریائے ڈینیوب میں جمی ہوئی برف پر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

دریا کے اس پار باتو اور سوبودائی اپنے لشکر کے ساتھ خیموں میں قیام کر کے کچھ عرصہ دشمن کی فوجی نقل و حرکت کا اندازہ لگاتے رہے۔ یہیں دشتِ تاتار سے ایک قاصد پانچ ہزار میل کے طویل اور برفانی راستے کو اپنے گھوڑے پر اڑھائی مہینے میں طے کر کے پہنچا اور اوغدائی کے مرنے کی خبر لایا۔ قاصد یہ بھی پیغام لایا کہ باتو اور سوبودائی وطن واپس آئیں تاکہ قرولتائی منعقد کی جائے اور نئے خاقان کا انتخاب کیا جائے۔

لشکر نے واپس کوچ کیا۔ دریائے وولگا کے کنارے آ کر باتو خان اپنے لشکر کے ساتھ رک گیا اور سوبودائی سے کہہ دیا کہ وہ اکیلا اپنے لشکر کے ساتھ واپس دشت میں چلا جائے اور یہ کہ وہ گنٹھیا کا مریض ہے۔ لہٰذا وہ سفر نہیں کر سکتا۔ باتو قرولتائی میں شریک نہ ہونا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ بہانہ بنا دیا۔ وہ جانتا تھا مغل شہزادے اس کے خلاف ہیں۔ اس لیے اس کے وہاں جانے پر ضرور کوئی نیا حادثہ پیش آئیگا۔ لہٰذا وہ اپنے بھائی برقائی کے پاس رک گیا اور سوبودائی اپنے لشکر کے ساتھ صحرائے گوبی کی طرف کوچ کر گیا۔

صحرائے گوبی کے اس پار۔ ٹنڈرا کے میدانوں کے دامن میں جھیل بیکال کے کنارے قرولتائی منعقد ہوئی اور اوغدائی کے بیٹے قویوق کو نیا خاقان چنا گیا۔ قویوق ایک نحیف الجثہ اور غیر متزلزل قوتِ ارادی کا انسان تھا۔ بہت کم ہنستا تھا انتقام لینے میں بھیڑیے جیسا تھا اور اکثر بیمار رہتا تھا۔

اس قرولطائی میں چینی وزیر، بغداد کا قاضی القضاء، منچوریا کے رئیس الم
کی جنت کے شیخ الجبل کے خاموش قاصد، خراساں کا امیر اور عون ایشیائے کوچک
حلب کے سلطان آرمینیا کا حکمران روس کا شہزادہ یاروسلاف اور پاپائے اعظم
قاصد بھی شامل ہوتے تھے۔

قویوق نے سب کو شرفِ باریابی بخشا لیکن بغداد کے قاضی القضاء المور
کے شیخ الجبل کے قاصدوں کو کوئی اہمیت نہ دی جس کا مطلب تھا۔ تاتاری ا
دونوں قوتوں کی تقدیر کو تلوار کی نوک سے لکھنا چاہتے ہیں۔

قویوق چونکہ باتو اور اس کے بھائی برقائی کے خلاف تھا۔ لہٰذا اس نے ا
دونوں بھائیوں کے خلاف سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ لیکن منگو اور ہلاکو
ماں سیورقطنی نے ان ساری سازشوں کی اطلاع باتو کو پہنچا دی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ
قویوق کی جگہ اپنے بیٹے منگو کو دشت کا خاقان بنانا چاہتی تھی۔ اور اس میں وہ ناکام
ہو گئی تھی لہٰذا اس نے باتو سے ساز باز شروع کر دی اور اس طرح تاتاریوں کے آبائی
مسکن میں قویوق اور دریائے وولگا کے کنارے بسنے والے باتو اور برقائی کے
درمیان سازشوں کا ایک بھیانک سلسلہ شروع ہو گیا۔

یروشلم کی فتح کی خبریں جب یورپ پہنچیں تو پاپائے روم گریگوری نہم نے
سیولا نہ کے مقام پر ایک مجلس منعقد کی اور صلیبی جنگوں کی تجدید پر اصرار کیا۔ چنانچہ
یہ طے پایا گیا کہ یورپ سے ایک فوج یروشلم فتح کرنے کے لیے بھیجی جائے اور مذہبی
جماعتوں فرانسسکن اور ڈامی نیکن کو حکم دیا گیا کہ مجلس کی منظور شدہ تجاویز یورپ
کے بادشاہانِ مملکت اور عام عیسائی رعایا تک پہنچا دی جائیں۔ ان دونوں مذہبی
جماعتوں کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ اس مہم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ
چندہ جمع کر سکتی ہیں۔ چنانچہ پاپائے روم گریگوری اور مذہبی جماعتوں کی بھاگ دوڑ
کام آئی اور یورپ کے کئی حکمران اس جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوئے

اس جنگ میں انگلستان کا بادشاہ لہ رچرڈ اور فرانس کا حکمران سرفہرست
آتے ہیں۔ رچرڈ جب لشکر کے ساتھ فلسطین کے ساحلی شہر عکہ پہنچا تو فرانس اور
دوسرے یورپی ممالک کی فوجیں پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھیں۔ ۱۲۴۵ء کے موسم
بہار تک ساری یورپی افواج عکہ پہنچ گئیں۔ اس بار عیسائی دنیا نے اس فوج سے
کہیں بہتر اور امید افزا امیدیں باندھ رکھی تھیں۔

اس متحدہ افواج کے سپہ سالار اعظم رچرڈ نے سب سے پہلے کرک
کے مسلمان حاکم سے مطالبہ کیا کہ اس کے پاس جس قدر عیسائی قیدی ہیں رہا کر دے
کرک کے امیر نے جب انکار کیا تو صلیبی افواج کا سیلاب عکہ سے یافا شہر کی
طرف بڑھا دمشق اور مصر کے حکمران جنگ کیے بغیر عیسائی فوجوں کے طوفان کو دیکھ
کر فوراً جھک پڑے اور مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ موت کے مسافر خاموش
تھے۔ وہ جنگ کے میدان میں کٹ مر تو سکتے تھے پر بڑی حکومتوں کے
فیصلے نہ بدل سکتے تھے۔ لہٰذا عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا گیا جس کی رو
سے طبریہ، یروشلم، عسقلان اور سقیف کے شہر عیسائیوں کے حوالے کر دیے گئے
اس طرح ۱۲۴۰ء میں ایک بار پھر یروشلم پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔

یروشلم پر عیسائیوں کے قبضے کو دو سال ہونے کو تھے۔ عمیرا اپنے کوہستانی مسکن
میں گھر سے باہر ابونواس، ہوازن، اریطہ، کولان اور حورا کے ساتھ زیتون کے ایک
درخت تلے بیٹھا تھا سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ گفتگو کسی گھریلو موضوع پر ہو رہی تھی۔

اتنے میں ان کے سامنے مریانہ گھوڑے سے اتری وہ راہباؤں کا سفید براق
لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سرخ ریشمی بال کوہستانوں کی تیز ہوا میں لہریں بناتے
ہوئے لڑ رہے تھے۔ جنہیں وہ بار بار ایک قاتل ادا کے ساتھ سنوار دیتی تھی اور
پھر اس کا حسن بھی ایسے تھا۔ جیسے تیز چاندنی کا سمندر آسمان سے زمین کی طرف بہہ

لہ یہ وہ رچرڈ نہیں جس نے صلاح الدین ایوبی سے صلیبی جنگ کی تھی۔

نکلا ہو۔

تیز تیز چلتی ہوئی مریانہ عمیر کے قریب آئی اریطہ نے اپنے پہلو میں اس کے لیے جگہ خالی کی اور مریانہ وہاں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سفید لباس سنبھالا اور عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں آپ کے لیے ایک بُری خبر لائی ہوں۔

عمیر نے فکرمندی سے پوچھا۔

کیسی خبر!

ہزاروں ترکوں کا ایک وحشی لشکر آپ کے مسکن کی طرف بڑھ رہا ہے اس وقت شمال میں آپ کے مسکن کی آخری حدود سے بیس میل دور ہونگے۔ وہ دیوانوں بگٹٹ اپنے گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے ہیں۔

عمیر بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

یہ کون لوگ ہیں؟

یہ جنگجو اور وحشی خوارزمی ترک سپاہی ہیں جو جان بچانے کی خاطر تاتاریوں کے آگے آگے بھاگتے رہے ہیں قفقاد کے پہاڑی سلسلے سے اتر کر انہوں نے ادھر کا رُخ کیا ہے۔ تاتاریوں نے انہیں بے گھر کر دیا ہے اور وہ کہیں بس جانے کے لیے ٹھکانا تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ان میں کچھ سپاہی ایسے بھی ہیں جو تاتاری لشکر میں باقاعدہ سپاہی رہ کر کئی جنگوں میں حصّہ لے چکے ہیں اور اب تاتاریوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں ان سب کی حالت اس سانپ جیسی ہے جسے کسی نے زخمی کر دیا ہو۔ وہ آگ اور طوفان کی مانند آپ کے مسکن کی طرف بڑھتے آرہے ہیں۔

عمیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو وہ مسلمان ہیں؟

ہاں وہ مسلمان ہیں۔

تو پھر مجھے ان سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟

وہ شورہ پشت اور وحشی ہیں۔

عمیر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اس سے کیا ہوتا ہے۔ اولین بات یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ میں ان کا استقبال کرونگا اور اگر انہوں نے میرے مسکن کی حدود میں بسنے کی خواہش ظاہر کی تو میں انہیں اس کی اجازت دے دونگا وہ میرے بھائی ہیں۔

عمیر کھڑا ہو گیا۔

میں اپنے مسکن کی آخری سرحد پر ان سے ملوں گا۔

اریطہ نے فکرمندی سے کہا۔

آپ اکیلے وہاں نہ جائیں۔ اگر جانا ہی ہے تو پورا لشکر ساتھ لے کر جائیں۔

میرا دل کہتا ہے وہ میرے دشمن نہیں۔

سانپ جب ڈھنے پر آتا ہے تو دوست دشمن کی تمیز نہیں کرتا۔

عمیر کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا اس کی دیکھا دیکھی ابوفراس اور ہوازن بھی اپنے گھوڑے تیار کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے زرہ خود پہنے اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر وہ باہر آئے۔ مریانہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ عمیر نے ہشام کو بلا کر لشکر کو اپنی شمالی سرحد پر پھیلا دینے کا حکم دیا اور خود وہ قلعے سے نکل کر ابوفراس، ہوازن اور مریانہ کے ساتھ شمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اپنی سرحد کے آخری سرے پر عمیر گھوڑے کو بھگاتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھ گیا ابوفراس ہوازن اور مریانہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے جب شمال کی طرف دیکھا۔ تو ترکوں کا وہ بے لگام لشکر صرف ایک میل کے فاصلے پر طوفان کی طرح امڈا چلا آرہا تھا اور اب وہ لمحہ بہ لمحہ دریائے یرون کے ساتھ ساتھ قریب ہوتا جا رہا تھا۔

اس ٹیلے کے نیچے جس پر عمیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ لشکر آکر رک گیا اور ایک جوان جو اس لشکر کے آگے آگے تھا اور جسے اس لشکر نے شاید اپنا رہبر اور سالار چن لیا ہو گا اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا اس ٹیلے کے اُوپر چڑھنے لگا جس پر عمیر کھڑا تھا۔ چٹان کے اوپر آکر اس نے بلند آواز کے ساتھ ترکی میں سلام کیا۔ عمیر نے بڑے والہانہ انداز میں اس کے سلام کا جواب ترکی میں دیا۔ پھر وہ جوان

گھوڑے سے اترا اور عمیر کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

کیا یہی وہ وادی ہے جو موت کے مسافروں کا مسکن ہے۔ عمیر بھی چند قدم اس کی طرف بڑھ کر بولا۔ ہاں یہی وادی موت کے مسافروں کی ہے اس عجیب اجنبی نے پھر پوچھا۔

تمہارا موت کے مسافروں سے کیا تعلق ہے؟

میں ان کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔

نووارد نے مریانہ کے گلے میں لٹکتی ہوئی سنہری صلیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ——!

کیا تم لوگ عیسائی ہو؟

بحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔

اس نے مریانہ کی طرف اشارہ کیا۔

پھر تمہارے ساتھ یہ عیسائی راہبہ کیوں ہے؟

یہ ہمارے لیے جاسوسی کرتی ہے۔

مجھے اس شخص سے ملنا ہے جو موت کے مسافروں کا سالار ہے اور جس کا نام عمیر بن خزام ہے۔ کیا تم مجھے اس کے پاس لے جا سکتے ہو۔

عمیر ہلکے ہلکے مسکرا رہا تھا۔

تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

وہ بہادر اور شجاع ہے۔ اس نے وحشی تاتاریوں کے آگے ایک بند باندھ رکھا ہے۔ وہ مسلمانوں کے بھولے بھٹکے قافلوں کی حفاظت کرتا ہے اور ایسے بے لوث اور جاں نثار انسان سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ہم خود جنگجو ہیں اور ایسا شخص ہمارا بہترین رہبر اور رہنما ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے ایک طویل عرصہ تاتاری لشکر کے اندر گزارا ہے اور موت کے مسافروں کے اس سالار کی شجاعت اور بے لوثی کی داستانیں سی بیر کے جنگلوں اور صحرائے گوبی سے بھی آگے سائبیریا اور ٹنڈرا کے میدانوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

عمیر نے بڑے بھولے پن سے کہا۔

میں ہی عمیر بن خزام ہوں اور میرے ساتھ میرے دو بہترین جرنیل ابونواس اور ہوازن ہیں۔ ہماری داستانوں میں میرے نام کے ساتھ یقیناً یہ دو نام بھی تم نے ضرور سنے ہوں گے۔

وہ جوان آگے بڑھا۔ بڑے پرجوش انداز میں وہ ان تینوں سے بغلگیر ہوا اور پھر ابونواس اور ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ کے ان دونوں جرنیلوں کی داستانیں بھی آپ سے ملتی جلتی ہیں۔

عمیر اب اصل موضوع کی طرف آیا۔

تم لوگوں نے کس مقصد کے تحت شمالی کے کوہستانوں سے اس جنوبی سرزمین کا رخ کیا ہے۔

ہم کئی ماہ سے کہیں بس جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب ہم مستقلاً آباد ہونے کے لیے مصر کی طرف جا رہے ہیں۔

عمیر جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نگاہ اچانک جنوب کی طرف اٹھ گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ قاہرہ کی طرف سے دمشق کی طرف جانے والی شاہراہ پر ایک سوار اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس ترک لشکر کے پاس ٹیلے کے نیچے اس نے گھوڑے کو روکا اور نیچے اتر کر لشکر کے سپاہیوں سے باتیں کرنے لگا۔ پھر ایک ترک اسے ساتھ لیے اس ٹیلے پر چڑھنے لگا جس پر عمیر کھڑا تھا۔

اوپر آ کر اس ترک نے اپنے سالار کو مخاطب کر کے اس اجنبی سوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ سپاہی مصر سے آپ کے لیے کوئی پیغام لایا ہے۔

ترک سالار براہ راست اس مصری سپاہی سے مخاطب ہوا۔

کس کا پیغام لائے۔

مصر کے حکمران الملک الصالح ایوب کا

کہو! اس نے ہمارے متعلق کیا کہا ہے؟

مصری سپاہی چند قدم اور آگے بڑھا اور کہنا شروع کیا۔

اس نے کہا ہے اگر آپ کا لشکر مصری فوج کے ساتھ مل کر یروشلم پر حملہ کر
کے لیے رضامند ہو جائے تو مصر میں آپ سب کی آبادکاری کا مناسب اور خاطر خوا
بندوبست کر دیا جائے گا۔

ترک سالار نے ایک گہرے اور پاکیزہ جذبے کے تحت کہا۔

اگر وہ مصر میں ہمارے بسنے کا بندوبست نہ بھی کرے تو بھی ہم اکیلے ہی یروش
پر حملہ آور ہوں گے۔ یروشلم ہمارا قبلہ اوّل اور ہمارے لیے مقدس ہے ہم اس شہر کو کیسے
اغیار کے قبضے میں دیکھ سکتے جس کی خاطر صلاح الدین ساری عمر دشمنوں کے سامنے
ایک مضبوط حصار بنا رہا جاؤ الملک الصالح سے کہہ دو کہ ہمیں اس کی شرط منظور ہے
اس کا ایک اور پیغام بھی ہے۔

کہو!

اس کا کہنا ہے کہ آپ کا لشکر غزہ کے میدان میں فروکش ہو۔ وہیں ایک
مصری جرنیل رکن الدین بیبرس مصری سواروں کے ساتھ آپ کے پاس آئے گا اور
یہ متحدہ لشکر جس کا سالار بیبرس ہوگا یروشلم پر حملہ آور ہوگا۔

ہمیں یہ بھی منظور ہے۔ تم فوراً قاہرہ کی طرف روانہ ہو جاؤ ہم بھی اب یہاں
وقت ضائع کیے بغیر غزہ کے میدان کا رخ کریں گے۔

مصری سپاہی گھوڑے پر سوار ہوا۔ ٹیلے سے نیچے اترا اور پھر وہ قاہرہ کی
طرف جانے والی شاہراہ پر اڑا جا رہا تھا۔ ترک سالار نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ عمیر
کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اے مرو کے مسافروں کے سالار میرا نام مارسہ ہے۔ ہمیں اب اجازت
دیجئے ہماری منزل اب غزہ کا میدان ہوگا۔ جہاں ہمارا عظیم مقصد ہمارا منتظر ہے
ہم وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچ کر پڑاؤ کریں گے اور یروشلم پر حملہ آور ہونے
کے لیے مصری جرنیل اور اس کے لشکر کا انتظار کریں گے کیا اس مقدس اور نیک کام
میں آپ ہمارا ساتھ نہ دیں گے؟

عمیر جو سوچوں میں کھو گیا تھا خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا۔

اگر انہوں نے مجھے اس لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی تو میں ضرور
اس لشکر کے ساتھ ہوگا جسے یروشلم پر حملہ آور ہونے کی سعادت نصیب ہوگی۔
اگر اس لشکر کا سپہ سالار رکن الدین بیبرس ہوا تو وہ مجھے فراموش نہیں کریگا۔ وہ میرا
دوست اور بھائی ہے۔

مارسہ نے عمیر، ابونواس اور ہوازن سے مصافحہ کیا پھر وہ نیچے اترا۔ اپنے
لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور پھر اس کا لشکر دھول اڑاتا ہوا جنوب کے رخ پر اپنے
گھوڑے سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ مریانہ بھی عمیر سے اجازت لے کر ٹیلے سے نیچے اتری۔
ذرا آگے جا کر اس نے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور اونچے نیچے ٹیلوں کے بیچ و بیچ بل
کھا کر گزرتی ہوئی اس پگڈنڈی پر اپنا گھوڑا دوڑانے لگی جو یروشلم کی طرف جاتی
تھی۔ عمیر، ابونواس اور ہوازن بھی نیچے اترے اور اپنے قلعے کی طرف چلے گئے۔

ایک سوار جو وضع قطع سے عربی لگتا تھا اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔
اس کا رخ دریائے یردن کی طرف تھا جونہی وہ عمیر کے مسکن میں داخل ہونے لگا۔
چٹانوں کے پیچھے چھپے ہوئے ایک محافظ سپاہی کی آواز پتھروں سے ٹکراتی ہوئی
گہری بازگشت کے ساتھ سنائی دی۔

ٹھہرو!

سوار کے گھوڑے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ وہ اسے وہیں روک نہ سکا یا
ہو سکتا ہے کسی مصلحت کے تحت اس نے اپنے گھوڑے کو نہ روکا ہو۔ لیکن
اس کا گھوڑا ابھی چند قدم ہی آگے گیا تھا کہ اس کے سامنے تیروں کی ایک سخت
اور تیز باڑھ ماری گئی اور ان گنت تیر اس کے سامنے راستے کے اندر پیوست
ہو گئے اور ساتھ ہی اس بار دھاڑتی ہوئی کئی آوازیں سنائی دے گئیں۔

اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔

سوار نے پوری قوت کے ساتھ گھوڑے کی عنان کھینچی۔ گھوڑے نے اپنی اگلی ٹانگیں اُٹھا کر ہنہنانے ہوئے ایک سخت احتجاج کیا اور رُک گیا پھر مسکن کا ایک زخمی محافظ پتھر پھلانگتا ہوا نیچے اترا اور اس سوار کے پاس آکر بڑی پُروقار آواز میں بولا۔

تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

سوار نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

میرا تعلق مصر سے ہے۔ اور میں غزنی کے میدان سے اپنے ایک فوجی امیر رکن الدین بیبرس کا پیغام آپ کے سالار کے نام لے کر آیا ہوں۔

محافظ پیچھے ہٹ کر ایک پتھر پر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تم جا سکتے ہو۔

سوار نے پھر پوچھا۔

وہ پہاڑی قلعہ یہاں سے کتنی دور آگے ہے جس میں تمہارا سالار رہتا ہے

بیس میل

جس راستے پر میں جا رہا ہوں۔ کیا یہ سیدھا مجھے تمہارے سالارِ اعلیٰ کے پاس لے جائے گا۔

محافظ نے بھاری آواز میں ایک عزم کے ساتھ کہا۔

یہ موت کے مسافروں کا مسکن ہے۔ بے دھڑک آگے بڑھتے رہو۔ راستے کے دونوں جانب میرے جیسے سینکڑوں محافظ تمہیں چٹانوں کے پیچھے سے جھانکتے نظر آئیں گے وہ تمہیں بھٹکنے نہ دیں گے۔ سوار نے پھر اسی رفتار سے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔ اس نے دیکھا راستے کے دونوں جانب مسلح محافظ چٹانوں سے سر نکال کر اسے دیکھ رہے تھے اور یہ ایک طرح سے اس کے لیے راہنمائی بھی تھی کہ وہ راستے سے بھٹکا نہیں۔

سوار جونہی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا قلعے میں داخل ہوا۔ سامنے ہی عمیر ابوالوفا ہوازن اور ہشام کھڑے تھے۔ عمیر نے ہاتھ کے اشارے سے سوار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ سوار نے گھوڑے کو روکا اور نیچے اترتے ہوئے بولا۔

مجھے آپ کے سالارِ اعلیٰ سے ملنا ہے؟

عمیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

کیا تمہیں غزنی کے میدان سے ہمارے بھائی رکن الدین بیبرس نے بھیجا ہے

سوار نے حیرت سے پوچھا۔

آپ نے کیسے جان لیا۔

یہاں سے بیس میل دور میرے جن محافظوں نے تمہیں روکا تھا وہی جاسوس کبوتر کے ذریعے مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتا چکے ہیں۔ کہو میں ہی مسکن کا سالارِ اعلیٰ عمیر بن خرام ہوں۔

اجنبی نے بڑی عقیدت سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

غزنی کے میدان میں رکن الدین بیبرس آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ گو مصری حکمران اپنے سپہ سالار فخر الدین اور اس کے ایک جرنیل قنتز کی وجہ سے آپ کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت نہ دے سکے۔ کیونکہ فخر الدین اور قنتز دونوں آپ کے خلاف ہیں۔ تاہم رکن الدین علیحدگی میں الملک الصالح سے آپ کو جنگ میں اپنے ایک بازو کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت حاصل کر چکا ہے۔ اسے آپ سے عقیدت ہے۔ فخر الدین اور قنتز صرف الملک الصالح اور رکن الدین کی وجہ سے چپ سادھے ہوئے ہیں ورنہ ابھی تک وہ آپ کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھا چکے ہوتے۔

عمیر نے ہشام کو مخاطب کر کے کہا۔

ہشام! قاصد کے کھانے اور اس کے گھوڑے کے لیے چارے کا بندوبست کرو اور لشکر کو تیاری کا حکم دو۔ ہم ایک ساعت تک یہاں سے کوچ کریں گے۔

ہشام قاصد کو لے کر چلا گیا۔ عمیر، ابوالوفا اس اور ہوازن کے ساتھ اپنے گھر آیا۔ جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھی اور عمیر کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

کیا وہ قاصد جس کا آپ استقبال کرنے گئے تھے پہنچ چکا ہے۔

ہاں وہ ہمارے قلعے میں داخل ہو چکا ہے۔

وہ کیا پیغام لایا ہے؟

رکن الدین بیبرس یروشلم پر حملہ کرنے کے لیے غزنی کے میدان میں ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ ابھی روانہ ہو رہا ہوں۔

اریطہ کچھ اداس ہو گئی تاہم وہ فوراً اپنے آپ کو سنبھال گئی پیچھے ہٹ کر اس نے عمیر کے گھوڑے کی خرجین اٹھائی۔ اور اس میں خشک گوشت تازہ پنیر، خشک انجیر اور سیب بھر دیئے۔ پھر اس نے دیوار سے لٹکتی ہوئی عمیر کی زرہ اتاری ایک طرف پڑا ہوا اس کا خود اٹھایا اور دونوں چیزیں عمیر کو پہنانے لگی۔ پھر عمیر نے گھوڑے پر زین کسی اریطہ نے خرجین اٹھائی اور ایک مشکیزہ بھی پانی سے بھر کر اس نے دونوں چیزیں عمیر کے گھوڑے کی زین سے باندھ دیں۔

عمیر نے ابوالنواس اور ہوازن کو آواز دی اور وہ دونوں بھی باہر آ گئے تینوں اپنے گھوڑوں کی باگیں تھامے قلعے کے دروازے کی طرف بڑھے اریطہ، کولان اور حمورا گھر سے باہر زیتون کے درخت تلے کھڑی انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ تینوں باہر آئے۔ لشکر پہلے ہی تیار کھڑا تھا لشکر کے آگے ہشام اور رکن الدین کا قاصد کھڑے تھے۔ جب وہ تینوں لشکر کے آگے آئے تو ہشام واپس قلعے میں چلا گیا اور عمیر لشکر کے ساتھ کوچ کر گیا۔

جب وہ اپنی منزل کی طرف اپنے مسکن کی حدود سے باہر دس میل کی مسافت طے کر چکے اور ایک بلند ٹیلے کے پاس سے گزر رہے تھے۔ عمیر نے دیکھا ان سے ذرا آگے ایک گرجے کے باہر مریانہ کھڑی تھی اس کا سفید لباس اور سنہری بال تیز ہوا میں اڑ رہے تھے اور اس کے ساتھ ایک بوڑھا راہب بھی کھڑا تھا۔

عمیر جب ان سے قریب ہوا تو مریانہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کو کہا۔ عمیر نے اپنی تلوار فضا میں لہرائی۔ لشکر میں ایک عرب نے عمیر کی تلوار کے جواب میں دف بجائی اور پھر کئی نقارے بج اٹھے اس کے ساتھ ہی لشکر رک گیا عمیر جب اپنے گھوڑے سے اتر کر ان کے قریب گیا تو مریانہ اپنے ساتھ کھڑے

اس بوڑھے راہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ عمیر یہ میرے باپ ہیں۔

عمیر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ بوڑھے راہب نے عمیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا اور بڑی رقت آمیز آواز میں کہا۔

میں تم جیسے جرنیل کو سلام کرتا ہوں جس نے ہمیشہ اپنی تلوار نیک مقاصد کے لیے بلند کی ہے۔ تم جس مقصد کے تحت اپنے لشکر کے ساتھ نکلے ہو۔ یسوع مسیح کا خدا تمہیں اس میں کامیاب کرے۔ مریانہ ہر وقت تمہاری تعریف کرتی رہتی ہے۔ اسے تمہاری شجاعت پر فخر ہے۔

عمیر نے گرم جوشی سے راہب کا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

میں تم دونوں کا مشکور ہوں کہ تم نے رضا کارانہ طور پر میرے لیے کام کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ میرا خدا تم دونوں کو اس نیک کام کا اجر دے گا۔

عمیر پیچھے ہٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر پہلے کی طرح دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔

ایک روز جبکہ لعل بدخشاں کی طرح سرخ سورج دور ۔۔۔ بحرہ روم کے اس پار کی فضاؤں میں غروب ہو رہا تھا۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ غزنی کے میدان میں داخل ہو رہا تھا۔ رکن الدین بیبرس اور ترک سالار مارسہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ عمیر کی آمد پر رکن الدین بیبرس کے لشکر میں سپاہی پرجوش تکبیروں کے ساتھ عمیر کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ ایک طرف فروکش ہوا۔

مغرب کی نماز کے بعد رکن الدین بیبرس، عمیر، ابوالنواس، ہوازن اور مارسہ نے ایک ہی خیمے میں کھانا کھایا۔ سپاہی جب کھانے کے برتن اٹھا کر لے گئے تو بیبرس نے عمیر کو مخاطب کر کے کہا۔

میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا آج کی رات آپ کا لشکر آرام کرے اور

کل ہم جنگ کی ابتدا کریں گے آپ کی اطلاع کے لیے میں یہ بتا دوں کہ صلیبی ہم سے چند میل شمال مغرب کی طرف خیمہ زن ہے۔ کل کا دن ہم سب کے لیے امتحان کا دن ہوگی۔ رات کو سب مل کر اپنے رب کے حضور عجز کے ساتھ دعا کریں کہ وہ ہمیں اس جنگ سے کامران نکالے۔

عمیر نے گہری اور گھمبیر آواز میں کہا۔

مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔

بلیبرس پھر بولا۔

اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں ابونواس اور ہوازن کو آپ کے لشکر سے علیحدہ فرائض سونپنا چاہتا ہوں۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ سارے لشکروں کے سالارِ اعظم ہیں آپ ہر تبدیلی کا حق رکھتے ہیں

عمیر کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بلیبرس نے کہا۔

میں مارسہ کے سواروں کو تین حصوں میں بانٹنا چاہتا ہوں ایک حصہ ابونواس، ایک ہوازن اور تیسرا مارسہ کے تحت لڑیگا۔ ابونواس ترکی جانتا ہے اور ہوازن ویسے ہی ترک ہے۔ اس لیے وہ ان نوواردسپاہیوں کو بہتر طریقے سے جنگ میں استعمال کر سکیں گے۔

عمیر نے ابونواس اور ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ابونواس اور ہوازن کے متعلق آپ بے فکر رہیں یہ دونوں ایسے جرنیل ہیں جو ہر قسم کے سپاہی سے کام لینا جانتے ہیں۔

بلیبرس نے پھر کہنا شروع کیا۔

میں قلب میں ہوں گا، میمنہ میں ابونواس اور میسرہ میں ہوازن اور مارسہ ہوں گے۔ آپ کی حیثیت مقدمۃ الجیش کی ہوگی اور جنگ کی ابتدا کے وقت آپ میرے ساتھ ہونگے اس کے بعد جنگ کے دوران آپ ہر فیصلہ اپنی مرضی سے کریں گے ہاں میں صرف یہ کہوں گا کہ جنگ میں جس لشکر کا بھی پہلو کمزور

دکھائی دے آپ اس کی مدد کو پہنچیں مجھے اُمید ہے ہم اگر اپنے رب کے ساتھ پختہ عہد کر کے میدان میں اتریں تو خدا ہمیں مایوس نہیں کریگا۔ اور میدان ہمارے ہاتھ ہی ہوگا۔ اب آپ سب اُٹھ کر آرام کریں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد لشکر کی تقسیم کے بعد صف آرائی ہوگی۔ قلب میں رکن الدین بیبرس مصری سواروں کے ساتھ تھا اس کے ساتھ عمیر تھا اور اس کے پیچھے موت کے مسافر صفیں باندھے کھڑے تھے۔ دائیں طرف ابونواس تھا اور اس کے پیچھے نوواردخوارزمی ترک تھے۔ بائیں طرف میسرہ کی کمان ہوازن اور مارسہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس حالت میں لشکر بڑے ضبط کے ساتھ کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا اور اس جگہ آکر رکا جہاں صلیبی لشکر ان کے سامنے صفیں باندھے کھڑا تھا۔

جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی صلیبی لشکر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں مقامی قلعوں کی بھاری فوج کے علاوہ نائٹس آف سینٹ جان، ہیکلین، ضیاف الغربا گرانڈ ماسٹرز اور سینٹ الامار کے رضاکاروں کے لشکر بھی شامل تھے۔

صلیبیوں کی طرف سے نائٹس سینٹ جان گروہ کا ایک شہسوار میدان میں اترا وہ ایک قدآور تنومند سپاہی تھا اور اس کے باپ نے بھی نارمنڈی کے حکمران رابرٹ کی ماتحتی میں پہلی صلیبی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ میدان کے وسط میں آکر اپنی تلوار فضا میں بلند کر کے مقابلے کے لیے للکارنے لگے۔ عمیر نے اپنے ساتھ کھڑے رکن الدین سے نگاہوں ہی نگاہوں میں اجازت لی اور اپنے گھوڑے کو میدان میں آگے بڑھایا۔

اسی لمحہ ابونواس اور ہوازن بھی ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کو ایڑھ لگا چکے تھے۔ عمیر تھوڑا سا فاصلہ ہی آگے گیا تھا کہ ابونواس اور ہوازن اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ابونواس نے عمیر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔

میرے آقا یہ ہلکا سا ایک شکار ہے اس کے مقابلے میں آپ کا جانا آپ کی توہین ہے مقابلے کے لیے میدان میں اترتا ہوں۔ آپ جانتے ہی ہیں ابونواس آزمائش کی گھڑی اپنے سالار کو مایوس نہیں کیا کرتا۔ اس کے ساتھ ابونواس

نے اپنا گھوڑا میدان میں آگے بڑھا دیا۔ عمیر اور ہوازن لشکر میں واپس آ گئے۔ نائٹ کے قریب آ کر ابونواس نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور گھوڑے سے نیچے کود کر بڑے وقار کے ساتھ وہ اس صلیبی کی طرف بڑھا۔

صلیبی بھی زہریلے انداز میں آگے بڑھا اور غراتے ہوئے ابونواس سے کہا

اپنا نام کہو؟ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

ابونواس سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا اپنی تلوار اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان ناک کی سیدھ میں کھڑی کی اور اپنی تلوار کی چمک صلیبی کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔

میری تلوار کی چمک میں میرا نام پڑھو اس میں موت کے سوا تمہیں کچھ دکھائی نہ دے گا۔ صلیبی پھر غرایا۔

کون ہو؟

ابونواس زور سے دھاڑا۔

موت کا مسافر

صلیبی نے مطمئن ہو کر کہا

میری بھی خواہش تھی میرے مقابلے پر کوئی موت کا مسافر آئے۔

ابونواس نے کوئی جواب نہ دیا تھا کیونکہ اب وہ بچے تلے قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے حملہ آور ہونے لگا تھا صلیبی بھی آگے بڑھا اور حملہ کرنے میں پہل کر دی۔ ابونواس نے اس کا وار ڈھال پر لیا اور جوابی حملہ کیا جسے وہ نائٹ محفوظ کر گیا۔ ابونواس اب غصے میں سرخ ہو گیا تھا فوراً اس نے پینترا بدلا اور اپنی تلوار اس کے بائیں شانے پر مارنا چاہی جونہی اس صلیبی نے اپنا دفاع مکمل کیا ابونواس اس تیزی سے حرکت دے کر تلوار کو اس کے دائیں شانے پر لایا تھا کہ نائٹ ابھی دفاع کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ابونواس کی تلوار اس قدر طاقت کے ساتھ اس کے شانے پر گری کہ اس کا جسم زرہ پہننے کے باوجود بھی دو لخت ہوتا چلا گیا۔ نائٹ نے ایک بھیانک چیخ بلند کی اور زمین پر گر کر دم توڑ گیا۔

ابونواس گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا۔

دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھے۔ عمیر کے لشکر میں کچھ جوان اس جنگ میں پہلی بار سرخ اور سیاہ جھنڈیاں اٹھائے ہوئے تھے۔ دونوں لشکر تکبیریں بلند کرتے اور شور کرتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ ایشیا کے تپتے اور چٹیل میدان میں خاک اور خون کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔

عیسائیوں کا قلب جب مسلمانوں کے قلب پر حملہ آور ہوا تو رکن الدین بیبرس کے کہنے پر مسلمانوں کا قلب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ اور اسی رفتار سے عمیر بھی اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ عیسائیوں نے اسے مسلمانوں کے قلب کی پسپائی سمجھا اور زوردار حملے کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

دوسری طرف ابونواس، ہوازن اور مارسہ جم کر صلیبیوں کے میمنہ اور میسرہ کو کاٹ رہے تھے۔ عیسائیوں کا قلب جب اپنے لشکر سے تھوڑا سا علیحدہ ہوا تو عمیر کے اشارے پر اس کے لشکر میں سرخ جھنڈیاں لہرا کر چند خفیہ اشارے کیے گئے عمیر اپنے لشکر کے ساتھ رکن الدین بیبرس کے قلب سے علیحدہ ہوا۔ ایک لمبا کاوا بڑی تیزی سے کاٹا اور مصری فوج پر حملہ آور ہونے والے دشمنوں کے قلب کی پشت پر نمودار ہو کر حملہ آور ہوا۔

یہ حملہ اس قدر تیز اور سخت تھا کہ دشمن کا قلب گھبرا اٹھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا موت کے مسافر پوری طرح انہیں ریوڑ کی طرح گھیر چکے تھے اور اب وہ میدان میں شاہینوں کی طرح ابھر ڈوب کر جان لیوا حملے کرنے لگے تھے۔ دوسری طرف رکن الدین بیبرس نے بھی طوفانی یلغار کی اور دونوں لشکروں نے دشمن کے قلب کو پیس کر رکھ دیا۔

رکن الدین بیبرس کے سپاہی جب عیسائیوں کے قلب کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کا تعاقب کر رہے تھے عمیر وہاں سے پلٹا اور اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے میمنہ پر ٹوٹ پڑا جو اس وقت ابونواس کے لشکر کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔ موت کے مسافروں کا یہ حملہ بھی اس قدر خونخوار تھا کہ دشمن کے میمنہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اب عمیر اپنے لشکر کے ساتھ جنگ کے میدان میں اس شیر کی طرح دھا
دھاڑ کر حملہ آور ہو رہا تھا جو جنگل میں اکیلا اور آزاد ہو بلے بلے کا وے کاٹ کر
کبھی ابونواس کی مدد کے لیے دشمن کے میمنہ اور کبھی ہوازن اور مارسہ کی حمایت یہ
دشمن کے میسرہ کو چیر پھاڑ رہا تھا۔ اس کا لشکر جس طرف بھی حملہ آور ہوتا اللہ کے
نام کی بلند تکبیریں بلند ہوتیں اور کمزور سے کمزور سپاہی کا خون بھی کھول اٹھتا
اسی وقت دشمن کا ہراوّل دستہ جو محفوظ لشکر کے طور پر اب تک خا
کھڑا تھا حرکت میں آیا اور میدانِ جنگ میں لمحہ بہ لمحہ چھاتے ہوئے عمیر کی طرف بڑ
عمیر کے لشکر میں ایک بار پھر سرخ جھنڈیوں کے اشارے ہوئے۔ ایسی تکبیر
بلند ہوئیں جن سے زمین کا سینہ دہل جاتے اور موت کے مسافر خونخوار درندوں
طرح دشمن کے ہراوّل دستے پر حملہ آور ہوئے۔ حملہ اس قدر سخت تھا کہ پہلے ہ
حملے میں موت کے مسافروں نے ان کے ہراوّل دستے کے پاؤں اکھاڑ دیئے او
اور اب وہ ہراول دستے آگے آگے اور موت کے مسافر اپنی بھیانک تلواریں لہرا
اور گراتے ہوئے ان تعاقب کر رہے تھے۔

عمیر جس وقت دشمن کے ہراول دستوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ رکن الدین
ابونواس، ہوازن اور مارسہ نے تکبیریں بلند کرتے ہوئے اپنے لشکروں کے سا
زور دار حملہ کیا دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور اسلامی لشکر بڑی تیزی سے ا
کاٹتا ہوا ان کا تعاقب کرنے لگا تھا۔

اندھے طوفان کی طرح بڑھنے والے صلیبیوں کے لیے یہ ایک بھیانک
بدترین شکست تھی اور اسلامی لشکر فتح کے علم بلند کرتا ہوا مسلمانوں کے قبلہ اول
میں داخل ہو گیا۔

شہر کے اندر ایک جگہ کھڑے ہو کر عمیر جب اپنی ٹانگ کے ایک چھو
سے زخم پر اپنی عبا پھاڑ کر پٹی باندھنے لگا تو اسی لمحہ ایک دُبلا پتلا سپاہی بھاگتا
آیا اس کے ہاتھوں میں مرہم پٹی کا سامان تھا۔ اور وہ خود عمیر کے پٹی باندھنے لگا
سپاہی جسم پر آہنی زرہ اور سر پر خود ڈالے ہوئے تھا۔ خود کے سامنے کا حصّ

اس نے اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا لہٰذا عمیر اسے پہچان نہ سکا۔ تاہم عمیر اس کے
خوبصورت ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا جن کی انگلیاں لمبی لمبی اور مخروطی تھیں۔
اور ناخن لمبے اور سُرخ تھے۔

وہ سپاہی ابھی پٹی باندھ رہا تھا کہ شیبان ایک طرف سے بھاگتا ہوا
آیا اور بڑی فکرمندی سے عمیر کو مخاطب کر کے پوچھا۔

میرے آقا آپ کے کہیں زخم تو نہیں آیا۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ٹانگ پر معمولی سا ایک زخم ہے جس پر اب پٹی بندھ چکی ہے کیا تم اپنے سپاہیوں
کی دیکھ بھال کر چکے ہو۔

ہاں میں اپنے سارے سپاہیوں کی مرہم پٹی کر چکا ہوں۔ پھر اس نے عمیر
کی پٹی باندھنے والے سپاہی کی طرف اشارہ کر کے عمیر سے پوچھا۔

یہ کون ہے؟

اسی لمحہ پٹی باندھنے والا وہ سپاہی اٹھا اور ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔
عمیر اور شیبان بھی اس کے پیچھے بھاگے لیکن وہ سپاہی جس کے بھاگنے کا انداز جوان
لڑکیوں جیسا تھا۔ شہر کے اندر پھیلے ہوئے سپاہیوں کے اندر گھس کر روپوش ہو
گیا۔ عمیر ایک جگہ رکا اور شیبان کی طرف دیکھتے ہوئے دُکھ سے پوچھا۔

یہ کون ہے جس نے میری مرہم پٹی کی؟

شیبان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک طرف سے رکن الدین بیبرس آ گیا اس نے
عمیر کو اپنے ساتھ لیا اور دونوں شہر کے انتظام و انصرام میں لگ گئے۔ صلاح الدین
کے بعد یروشلم دوسری بار مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔

سقوطِ یروشلم کی خبریں جب یورپ پہنچیں تو ایک بار پھر پوری عیسائی د
تلملا اٹھی فرانس کے علاوہ باقی حکومتیں کچھ عرصہ کی سیخ پائی کے بعد خاموش ہوگئ
کیونکہ گزشتہ جنگوں میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے ناقابل تلافی نقصان کو ا
تک نہ بھولی تھیں اور انہوں نے خاموشی میں ہی اپنی مصلحت جان کر اس شکس
کو بھی سرد خانوں میں نہ کر دیا تھا۔

لیکن فرانس کا بادشاہ لوئی نہم اس پر بھڑک اُٹھا۔ اچانک ۱۲۴۴ء میں وہ سخت
علیل ہوگیا۔ اس کا ملیریا بگڑ کر ایک خطرناک بیماری کی صورت اختیار کر گیا تھا اور وہ
مرنے کے قریب ہوگیا اپنی اس بیماری کے دوران اس نے منت مانگی کہ اگر وہ
تندرست ہوگیا تو مسلمانوں کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ کی ابتداء کریگا۔

لوئی نہم کی بیماری اس قدر زور کر گئی تھی کہ وہ خود بھی اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا

لہ یہ واقعہ ان مغربی مورخوں کے لیے ایک تازیانہ ہے جو یہ لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے
سے پھیلا۔ حالانکہ خود عیسائیوں نے مسیحیت کی ترویج کے لیے تلوار کا سہارا لیا جبکہ مسلمان
اسوہ حسنہ سے دوسری اقوام کو متاثر کرتے رہے۔

فرانس کے سب گرجاؤں میں اس کی صحت کے لیے دعائیں مانگی جانے لگیں کہ مسیحیت
کا زبردست سرپرست ہونے کی بناء پر وہ عیسائی دنیا میں بیحد مقبول تھا اور اسے
سینٹ (ولی) سمجھا جاتا تھا۔

اسے ایک اتفاق کہیئے یا قدرت کی کوئی مصلحت کہ منت ماننے کے تھوڑے
عرصہ بعد لوئی تندرست ہوگیا۔ اور صحت بحال ہوتے ہی اس نے ایک عظیم صلیبی
جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ان دنوں فرانس کے تعلقات انگلستان اور جرمنی کے ساتھ کشیدہ تھے۔
لوئی نے ان دونوں حکومت کی طرف اپنے قاصد بھیج کر ان سے از سرِ نو تعلقات استوار
کیے اور بڑی یکسوئی کے ساتھ وہ جنگ کی تیاریوں میں لگ گیا۔ اس مقدس جنگ
میں حصّہ لینے کے لیے یورپ کے کونے سے ... اس کے پاس صلیبی رضا کار
جمع ہونے لگے۔

جنیوا اور مارسلیز کی بندرگاہوں سے لوئی نے اٹھارہ سو بحری جہازوں کا
ایک بیڑہ حاصل کیا اور اٹھ ہزار کے ایک لشکر کے ساتھ وہ بڑی شان و شوکت
کے ساتھ ۱۲ اگست ۱۲۴۸ء کو پیرس سے روانہ ہوا۔ فرانس میں حکومت کی باگ ڈور
اسنے اپنی ماں کے حوالے کی تھی اور اپنے ایک بھائی الفانسو کو پورے ملک سے
ایک اور لشکر تیار کرنے کے بعد کمک کے طور پر اپنے پیچھے آنے کو کہا تھا۔

۲۵ اگست کو فرانسیسی فوج اگیومورٹس اور مارسلیز کی بندرگاہوں سے جہازوں
پر سوار ہوئی اور جزیرہ قبرص کا رُخ کیا۔ قبرص کے عیسائی حکمران ہنری نے بڑے تپاک
سے اس لشکر کا خیر مقدم کیا۔ اور ان کے لیے ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ قبرص
میں پہلے سے ہی بیشمار صلیبی رضا کار جمع ہوگئے تھے۔ یہ سب بھی لوئی کے لشکر میں
شامل ہوگئے اور اس طرح لوئی کے لشکر کو اور تقویت پہنچی۔

سردیوں کا پورا موسم لوئی نے اپنے لشکر کے ساتھ قبرص میں گزارا یہاں
وہ جنگی مجالس منعقد کرتا رہا جن میں فیصلہ ہوا فلسطین کے بجائے سب سے پہلے مصر
پر حملہ کیا جائے اور مصر کو فتح کرنے کے بعد شام تک سارے فلسطینی شہر اور قلعے ایک

ایک کر کے مسلمانوں سے چھین لیے جائیں۔ شام اور فلسطین سے بھی بے شما
صلیبی سپاہی لوئی کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے قبرص کا رخ کر رہے تھے
اور کچھ فلسطین کے اندر ان قلعوں کو مضبوط کرنے میں لگ گئے تھے جن پر ابھی تک
ان کا قبضہ تھا تاکہ مسلمانوں سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کی بساط ڈال دی جا
جب سردیاں گزر گئیں اور موسم بہار شروع ہوا تو لوئی ۳۰ مئی ۱۲۴۹ء کو اٹھارہ سو
جہازوں میں اپنے لشکر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا۔

مصر کا حکمران الملک الصالح ایوب ان دنوں فلسطین کے انتہائی شمالی
علیسائیوں کے ایک شہر حمص کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اس کا خیال تھا کہ فرانسیسی فو
فلسطین پر حملہ آور ہوگی لہٰذا وہ ساحل پر ہی ان سے نمٹ لے گا۔ لیکن جب اسے
خبر پہنچی کہ فرانسیسی لشکر بحیرہ روم کا سینہ چیرتا ہوا مصر کی طرف بڑھ رہا ہے تو
نے حمص کا محاصرہ چھوڑ دیا اور برق رفتاری کے ساتھ مصر کی طرف بڑھا۔ الملک الص
تپ دق کا پرانا مریض تھا اور اب اس کی یہ بیماری اپنے آخری مراحل میں تھی او
وہ اکثر بیمار رہنے لگا تھا۔

فرانسیسی فوج کے بحری جہاز دریائے نیل کے ڈیلٹا کے قریب سمندر
کنارے لنگر انداز ہوئے۔ جہازوں کے اندر سے رسد کا سارا سارا سامان اتا
ساحل پر خیموں کا شہر آباد کیا گیا اور اسے کمک اور رسد کا مرکز بنا کر فوج کا کچھ حص
وہاں جہازوں اور سامانِ رسد کے حفاظت کے لیے چھوڑا اور لشکر دریائے نیل
ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھنے لگا۔

الملک الصالح نے اپنے وزیراعظم اور سپہ سالار فخرالدین کو مصری افوا
اور عرب کے قبیلہ بنو کنانہ کے جفاکش اور بہادر بدوؤں کے لشکر کے ساتھ مقا
کے لیے بھیجا۔ فخرالدین نے دریائے نیل کو پار کیا۔ اور مغربی کنارے پر عیسائی افواج
گھمسان کا مقابلہ ہوا۔ فخرالدین ایک تو بوڑھا تھا۔ دوسرے وہ عرب کے بدوؤں
کی صحیح راہنمائی نہ کر سکا لہٰذا اسے شکست ہوئی اور وہ عیسائی لشکر کے آگے آگے
بھاگتا ہوا دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر آ گیا۔

اس موقع پر فخرالدین سے ایک سخت فوجی غلطی ہوئی۔ دریائے نیل کا وہ
پل جس کے ذریعے شکست کھانے کے بعد وہ مغربی کنارے سے مشرقی کنارے
پر آیا تھا۔ تباہ کرنا بھول گیا اور اس طرح عیسائی لشکر بھی اس کے پیچھے پیچھے دریائے
نیل پار کر کے مشرقی کنارے پر آ گیا۔

اب عیسائی لشکر کے سامنے مصر کا مشہور شہر دمیاط تھا۔ جو دریائے نیل
کے کنارے واقع تھا۔ دمیاط کے مسلمانوں کو جب اپنے لشکر کے پسپا ہونے کی خبر
پہنچی تو ان میں ایک ہراس اور بھگدڑ مچ گئی۔ اور وہ شہر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ کچھ لوگ
شہر سے نکلتے ہوئے شہر کو آگ لگا گئے اور اس طرح شہر کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔

عیسائی لشکر بغیر کسی مزاحمت کے دمیاط میں داخل ہوا۔ شہر کو خالی دیکھ کر
انہیں شک گزرا کہ کہیں اسلامی سپاہ گھات سے نکل کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ لیکن
جلد ہی ان کا یہ شک دور ہو گیا کیونکہ سارا شہر خالی پڑا تھا۔ لوئی نے سمندر کے ساحل
پر قائم کیا ہوا پڑاؤ دمیاط میں منتقل کر دیا۔ صرف چند دستے جہازوں کی حفاظت کیلئے
وہاں رہنے دیئے اور اس طرح اس نے دمیاط کو اپنی کمک اور رسد کا مرکز بنا لیا
اور دمیاط کی جامع مسجد کو اس نے گرجے میں بدل دیا۔

اس دوران دریائے نیل میں طغیانی آ گئی۔ چاروں جانب جہاں تک نگاہ کام
کرتی تھی دریائے نیل کا پانی پھیل گیا تھا جس کی وجہ سے آگے بڑھنے کے سارے
راستے مسدود ہو گئے تھے اس طغیانی کی بنا پر عیسائی لشکر کو کچھ عرصہ دمیاط میں قیام
کرنا پڑا۔

اکتوبر کے مہینے میں جب دریا کی طغیانی اتر گئی عیسائی لشکر دمیاط سے نکلا اور
بینڈ باجے اور بگل بجاتا ہوا اس شاہراہ پر آگے بڑھنے لگا جو دمیاط سے قاہرہ کی
طرف جاتی تھی۔

جہاں سے قاہرہ کی طرف جانے والی یہ شاہراہ گزرتی تھی۔ وہاں دریائے
نیل سے نکلنے والی بے شمار نہروں کا جال بچھا ہوا تھا ان میں سب سے بڑی نہر جو
دریا کی مانند تھی۔ اور جس کا نام بحرالصغیر تھا۔ اسی نہر کے جنوبی کنارے پر منصورہ کے

عظیم شہر کے قریب فخرالدین اپنی افواج کے ساتھ دشمن کا راستہ روکنے کے لیے مورچے سنبھال چکا تھا۔

قاہرہ میں اسلامی سپاہ کی شکست اور دمیاط شہر کے چھن جانے کی خبر الملک الصالح کے پاس پہنچی تو وہ سخت سیخ پا ہوا۔ گو اس وقت وہ بستر مرگ پڑا تھا۔ اس کے باوجود اس نے شکست کے ذمہ دار پچاس افسروں کو پھانسی پر لٹکا اور وزیراعظم اور سپہ سالار فخرالدین کو بھی سخت ملامت کی۔ الملک الصالح کو اس شکست پر اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ ڈولی میں بیٹھ کر خود منصورہ آیا تاکہ اپنی افواج کی نگرانی کر سکے، یہاں اس نے اپنے عظیم جرنیل رکن الدین بیبرس کو منصورہ کے قلعے کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے احکام جاری کیے۔ اور جھروکے میں بیٹھ کر وہ ان عیسائی افواج کی نگہداشت کرنے لگا جو شمال کی طرف سے دوڑی چلی آ رہی تھیں۔ الملک الصالح نے حکم دیا کہ نہر کا پاٹ چوڑا کر دیا جائے یہ حکم ملتے ہی ہزاروں سپاہی زمین کھود کر نہر کا پاٹ چوڑا کرنے لگے۔

عیسائی جب بحرالصغیر کے شمالی کنارے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا نہر کا پاٹ دریا جتنا چوڑا تھا اور اسے عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کیونکہ مسلمان پلوں کو پہلے ہی اڑا چکے تھے۔

عیسائی نے نہر پر لکڑی کا پل تعمیر کرنا شروع کیا۔ لیکن اسلامی سپاہ نے نفت کے شعلے پھینک کر اس پل کو جلا دیا۔ عیسائی لشکر نہر کے شمالی کنارے پر چھ ہفتے پڑا رہا۔ اس دوران مصر کا حکمران الملک الصالح مر گیا۔

الملک الصالح کے مرنے کی خبر اگر عام ہو جاتی تو مصری افواج میں بے چینی پھیل جاتی۔ اور انہیں یقیناً ناقابل تلافی شکست کا سامنا کرنا پڑتا لیکن صالح کی عقلمند بیوی شجرۃ[1]

---

[1] یہ وہی شہر ہے جسے الملک الصالح کے باپ نے یادگار کے طور پر اس جگہ آباد کیا تھا جہاں اس نے پانچویں صلیبی جنگ میں عیسائیوں کو شکست فاش دی تھی۔

[2] ایک بے حد حسین اور دانشمند عورت تھی۔ بغداد کے آخری خلیفہ المستعصم نے ایک لونڈی کے طور پر تحفتہً مصر کے حکمران صالح ایوب کے پاس بھیجا تھا اور صالح نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔

الدر نے بادشاہ کی خبر کو خفیہ رکھا۔ چپکے سے اس نے بادشاہ کی لاش کو تابوت میں ڈالا اور قلعے کے اندر دفن کر دیا۔ فخرالدین رکن الدین، بیبرس اور قتر پر اس نے صالح کی موت کا انکشاف کر کے اس نے اس خبر کو خفیہ اور جنگ جاری رکھنے کا عہد لیا۔ اس کے ساتھ ہی شجرۃ الدر نے صالح کے بیٹے توران شاہ کو جو اس کے بطن سے نہ تھا اور اس وقت سلطنت سے دور شام میں حصین کے مقام پر مقیم تھا، بلا بھیجا۔ توران شاہ تین ماہ بعد وہاں پہنچا اور حکومت کا نظم و نسق سنبھالا۔ ان تین ماہ کے دوران بہادر شجرہ خود دشمن کا مقابلہ کرنے کے علاوہ حکومت کی بھاگ ڈور بھی سنبھالتی رہی۔

عیسائی لشکر میں الصالح کی موت پر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ مطمئن تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے صالح مر چکا ہے۔ مصری افواج کی کمان ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو بوڑھا ہے۔ اور یہ کہ توران شاہ کو قدم جمانے میں کچھ عرصہ درکار ہوگا۔

یہاں عیسائیوں کی فطری سیاست کام آئی۔ انہوں نے اندر ہی اندر ساز باز شروع کر دی اور ایک ایسے غدار مصری کو ڈھونڈ نکالا جو فوج سے باغی تھا۔ اس کا نام سلمون تھا۔ اور اس ابلیس نے پانچ ہزار دینار کے عوض عیسائیوں کو ایک ایسا تنگ گھاٹ بتا دیا۔ جہاں دشمن بڑی آسانی سے بحرالصغیر کو عبور کر سکتے تھے یہاں عیسائی لشکر کو اور تقویت پہنچی کیونکہ فرانس کے بادشاہ لوئی کے دو بھائی الفانسو اور کاؤنٹ آف انجو ایک بھاری لشکر کے ساتھ اپنے بھائی کی مدد کو پہنچ گئے۔

رات کی تاریکی میں بڑی رازداری کے ساتھ عیسائی لشکر لوئی کے دونوں بھائیوں کی سرکردگی میں بحرالصغیر کو عبور کر گیا۔ خود لوئی اس کے پیچھے پیچھے اپنے بیشمار لڑاکا اور محافظ دستوں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

●

اسی رات جب عیسائی سپاہ نے بحرالصغیر کو رات کی تاریکی میں عبور کیا تھا۔

منصورہ شہر سے باہر مسلمان جرنیل اور سالار جو جنگی کونسل کے ارکان تھے۔ فخرالدین کے خیمے میں جمع ہوئے جس میں انہوں نے اپنی پچھلی شکست کا جائزہ لینے کے ساتھ آئندہ کے منصوبوں پر بھی کھل کر بحث کی اور یہ طے پایا کہ رکن الدین بیبرس اور دوسرا جرنیل قتز منصورہ شہر کی حفاظت کریں۔ اور فخرالدین شہر سے باہر کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کرے گا۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو منصورہ کے قلعے میں محفوظ رہے بھی رکن الدین، بیبرس کی کمان میں دشمن پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ تاکہ سمندر کے ساحل تک اس کے کہیں پاؤں جمنے نہ پائیں اور اگر مسلمان کو شکست ہوئی تو اسلامی لشکر پسپا ہو کر منصورہ شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرے گا۔ اس دوران ہو سکتا ہے تورانشاہ قاہرہ سے کمک لے کر پہنچ جائے اور حالات بہتر ہو جائیں۔

جنگی کونسل کا اجلاس جب ختم ہوا تو رکن الدین بیبرس نے کس قدر انکساری کے انداز میں فخرالدین سے کہا۔ کیا اس وقت جب کہ عیسائی لشکر آگ کے ایک طوفان کی طرح ہماری طرف بڑھ رہا ہے اور دن بدن اس کے حوصلے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے سپاہیوں میں بد دلی پھیل رہی ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم موت کے سوداگروں کے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام کو ایک باقاعدہ دعوت نامہ بھیج کر اس سے التجا کریں کہ وہ اس ابتلا کی گھڑی ہمارے شانہ بشانہ آ کر مصری سرحدوں کی حفاظت کرے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، ہماری آواز پر وہ لبیک کہے گا۔ اور میں آپ کو اس بات کی بھی ضمانت دیتا ہوں کہ اگر اسے جنگ میں کودنے کی اجازت دی جائے تو حالات دنوں میں ہمارے حق میں ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کے سپاہی ہمارے سپاہیوں کی نسبت کہیں زیادہ جنگی تربیت رکھنے کے علاوہ دشمن کی صفوں کو لمحوں میں الٹ دینے کا فن جانتے ہیں۔ آخر وہ ہمارے بھائی ہیں۔ اور مصیبت کے وقت اپنے بھائیوں کو پکارنا عار نہیں ہے

رکن الدین بیبرس جب خاموش ہوا تو فخرالدین نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

میں عیسائیوں کے ساتھ ایک بدترین صلح پر راضی تو ہو سکتا ہوں مگر موت

کے اس مسافر کو اپنی مدد کے لیے نہیں پکار سکتا جس کی حیثیت ہمارے پاس ایک باغی سے زیادہ نہیں۔

رکن الدین بیبرس کے علاوہ چند اور جرنیلوں نے بھی فخرالدین کے ان سخت الفاظ کے خلاف خاموش احتجاج کیا کہ اتنے میں فخرالدین کا ہم خیال جرنیل قتز غصے کے عالم میں رکن الدین بیبرس کو مخاطب کر کے بول پڑا۔

آپ عمیر بن خزام کو اس جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دے کر اسے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آؤ اور اس میدان میں مصری جرنیلوں کے منہ پر بدنامی اور بزدلی کی کالک مل دو کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

رکن الدین بیبرس خاموش رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور بے بسی کے عالم میں اس نے اپنی گردن جھکا لی۔ اس کے حامی جرنیلوں کے چہروں پر بہت سی تحریریں پڑھی جا سکتی تھیں لیکن فخرالدین اور قتز عمیر کے ساتھ بے بنیاد نفرت اور رکابت میں اندھے ہو چکے تھے اور وہ ان تحریروں کے الفاظ نہ پڑھ سکے جو کسی موقع پر پھیل کر تباہی اور فنا کے حروف ارقام بن سکتے تھے۔

خیمے کے اندر فخرالدین کی غصے میں کھولتی ہوئی آواز سنائی دی۔

رکن الدین! قتز میرے پاس اسی میدان میں رہیگا تم اکیلے منصورہ جاؤ اور قلعے کی حفاظت اور [illegible] کا انتظام کرو۔ قتز اگر تمہارے ساتھ گیا تو تم دونوں میں تلخی بڑھیگی۔ گو تم دونوں ایک دوسرے کے بہترین اور مخلص دوست ہو لیکن ایک دوسرے کے ہم خیال نہیں۔

رکن الدین کھڑا ہو گیا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے دو اور جرنیل بھی جن کو منصورہ میں رکن الدین کے ماتحت فرائض سونپے گئے تھے خیمے سے باہر نکل گئے۔

خیمے سے ذرا دور جا کر رکن الدین بیبرس رک گیا اس کے پیچھے وہ دونوں جرنیل بھی رک گئے جنہوں نے اس کے ساتھ روانہ ہونا تھا۔ انہوں نے دیکھا۔ رکن الدین کا جسم کانپ رہا تھا اور کندھے پر رکھا ہوا اس کا انگوچھا بار بار نیچے

ڈھلک جاتا تھا۔

پھر رکن الدین نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان صاف تھا اور بے شمار ستارے جھل مل کرتے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ رکن الدین نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اُوپر اٹھائے اور گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

رب العزت! ہم بھٹک گئے ہیں ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اے کعبہ کی عظمتوں کے امین! محمدؐ عربی کے طفیل ہمیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اگر تو نے ہماری مدد اور ہماری رہبری نہ کی تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوں گے

رکن الدین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا۔ اور ڈوبتی ہوئی آواز میں اس نے پھر کہا۔

تاریک رات کے ستارو۔ اگواہ رہنا میں خلوصِ نیت کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے رب کی پناہ میں دے کر اس سے رہنمائی کی استدعا کرتا ہوں۔

رکن الدین نے اپنے انگوچھے سے اپنے بہتے آنسو پونچھ لیے اور مڑ کر اپنے دونوں جرنیلوں کی طرف دیکھتے ہوئے زخمی سی آواز میں کہا۔

آؤ میرے ساتھ۔

تینوں آگے جا کر چند خیموں کے پاس رُکے وہاں کچھ سپاہی ان کے گھوڑے لیے کھڑے تھے۔ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ رات کے گھپ اندھیرے میں ریتلے میدان میں اپنے گھوڑے ڈوراتے ہوئے منصورہ کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

عیسائی لشکر بحرالصغیر کو عبور کرنے کے بعد عین اس وقت مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے جب وہ فجر کی نماز ادا کرنے کی تیاری کر رہے تھے فخرالدین نے اپنے لشکر کو بڑی تیزی سے سنبھالا۔ بوڑھا ہونے کے باوجود بڑی تیزی کے ساتھ وہ بھاگ دوڑ کر رہا تھا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ اور فخرالدین کے مقدر اسے جواب دے چکے تھے۔ اپنے

سپاہیوں کے ساتھ اس نے عیسائی لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی اور فخرالدین اس جنگ میں مارا گیا۔

اسلامی لشکر پسپا ہو کر مڑا اور منصورہ کی طرف بھاگا۔ رکن الدین کو شکست کی خبر اپنے ذاتی جاسوسوں کے ذریعے پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اس نے شہر کے سارے دروازے کھلوا دیئے اور جب سارا لشکر شہر میں داخل ہو چکا تو اس نے دروازے بند کروا دیئے۔ سب سے پہلے اس نے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کا بندوبست کیا فخرالدین کا ہم خیال جرنیل قنتر بھی زخمی حالت میں وہاں پہنچا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کے بعد رکن الدین نے ایسے تیر اندازوں کو جن کا نشانہ خطا نہ جاتا تھا فصیل کے برجوں پر بٹھا دیا اس طرح منصورہ میں محصور ہو کر وہ لوٹی ہم کے لشکر کا مقابلہ کرنے لگا۔ جب عیسائی حملہ کرنے کے لیے شہر کی فصیل کے پاس آتے تو فصیل کے اوپر سے ان پر کھولتا ہوا پانی، پتھر اور جلتی ہوئی لکڑیاں پھینکی جاتی اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے۔ فخرالدین کے بعد لشکر نے رکن الدین کو اپنا سپہ سالار تسلیم کر لیا تھا۔

دوسرے روز رکن الدین نے چیدہ چیدہ جرنیلوں کی مجلس منعقد کی جن میں قنتر شامل نہ تھا۔ رکن الدین نے ان سے بڑے اچھے الفاظ میں اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ عمیر بن خزام کو اپنے ساتھ ملا کر ہم جنگ میں کس قدر افادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ سارے جرنیلوں نے رکن الدین کی ہاں میں ہاں ملائی اور پرزور تائید کی کہ موت کے مسافروں کو مدد کے لیے پکارا جائے۔

جب سارے جرنیل مجلس کے خاتمے پر اٹھ کر چلے گئے تو رکن الدین بھی اُٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ فصیل پر چڑھا اور ایک برج کی حفاظت پر مامور ایک ترک کمانڈر کو اس نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بنوکنانہ کے اس شخص کو میرے پاس بلاؤ جو شہر کے شمالی دروازے کی حفاظت پر مامور سپاہیوں کا سالار ہے اور جس کا نام ربیع ہے اس کے فرائض تم خود سنبھال لو۔ وہ کمانڈر وہاں سے چلا گیا اور رکن الدین پھر گہری

سوچوں میں کھو گیا۔

تھوڑی دیر بعد رکن الدین کو جب اپنے قریب کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا ایک عرب جس کا جسم مضبوط تھا جو اپنے جسم پر سفید عبا اور سر پر آہنی خود پہنے ہوئے تھا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ رکن الدین نے اس عرب کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم آواز میں کہا۔

ربیع! جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟

وہ عرب چند قدم آگے بڑھ کر بولا۔

میرے آقا! مالک اپنے غلام کو کوئی خدمت ہی سونپے گا۔ جو بھی فرض آپ میرے ذمے کریں گے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک اسے پورے خلوص اور دیانتداری کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کروں گا۔

رکن الدین پھر بولا۔

تم نے موت کے مسافروں کا کوہستانی مسکن دیکھا ہے؟

ربیع نے چھاتی تانے ہوئے کہا۔

میرے آقا! میں ان کے مسکن کے پورے محل وقوع سے واقف ہوں۔

تو پھر اسی وقت میرا ایک پیغام لے کر ان کے سالار عمیر بن خزام کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

کیا آپ اُسے جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔

ہاں۔ وہ ہمارا ہے۔ اور اس مصیبت کے وقت وہ ضرور اپنے شاہینوں کے ساتھ سر پر کفن باندھ کر ہماری مدد کو آئیگا۔

ربیع نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

یہ ایک دانشمندانہ اقدام ہے میرے آقا! میں آپ کی طرف سے عمیر بن خزام کو کیا پیغام پہنچاؤں کیا آپ مجھے کوئی تحریری دستاویز دیں گے۔

رکن الدین نے ربیع کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسی وقت

روانہ ہو جاؤ۔ اور عمیر سے کہنا امیر فخر الدین جنگ میں شہید ہو چکا ہے۔ رکن الدین نے آزمائش کی اس گھڑی میں سپہ سالار کے فرائض سنبھال لیے ہیں۔ اور وہ بحر الصغیر کے کنارے منصورہ کے شہر میں محصور ہو کر تمہیں پکارتا ہے۔ تم دیکھو گے میرے یہ الفاظ عمیر کے خون کی گردش کو تیز کر دیں گے اور وہ آگ کا طوفان بن کر جنگ کے میدان کی طرف بڑھے گا۔ جاؤ اب تم روانہ ہو جاؤ۔

ربیع فصیل سے نیچے اترا شہر کے مشرقی دروازے سے جہاں عیسائی لشکر نہ تھا وہ شہر سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر بعد وہ شمال کے رُخ پر اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح اڑا جا رہا تھا۔

ربیع اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ بھوک و پیاس کو نظر انداز کر کے وہ اپنی منزل کی طرف طوفان کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ غزنی اور اخباریں کے میدانوں میں گزرتا ہوا۔ اب وہ عمیر کے کوہستانی مسکن کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

جب وہ مسکن کی حدود میں داخل ہونے لگا سنگلاخ چٹانوں کے اندر سے کسی نے اسے پکارا۔

ٹھہرو!

ربیع نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور رک گیا۔ پتھروں کی طرح سخت ایک محافظ چٹانیں پھلانگتا ہوا نیچے آیا اور ربیع سے کہا۔

کہاں سے اور کس مقصد کے تحت آئے ہو۔

ربیع نے منت کے انداز میں کہا۔

مجھے مت روکو۔ میں فوراً تمہارے سالار عمیر بن حزام سے ملنا چاہتا ہوں۔

محافظ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

میں جانتا ہوں تم مصر کے جنگی محاذ سے کوئی اہم خبر لائے ہوں گے۔ لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم کچھ دن بعد یہاں پہنچتے۔ اگر یہ نہیں تو کیا تم ایک دن رک کر انتظار نہیں کر سکتے۔ ان چٹانوں کے اندر تمہارے آرام کا پورا بندوبست کیا جائے گا۔

ربیع نے حسرت سے پوچھا۔

لیکن تم مجھے رکنے کا مشورہ کیوں دے رہے ہو۔

محافظ نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ہمارے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس مبارک موقع پر قلعے کے اندر اس وقت خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔

ربیع سوچوں میں کھو گیا اور اداس لہجے میں کہا۔

میں جو پیغام لے کر آیا ہوں وہ سب خوشیوں سے کہیں اہم ہے۔ اگر تم مجھے زبردستی روکتے ہو تو میں رک جاتا ہوں۔

محافظ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

میں تمہیں روکنے کا مجاز نہیں۔ میں نے تمہیں صرف ایک مشورہ دیا تھا۔ ایسے سب معاملات کا حتمی فیصلہ ہمارے سالار اعلیٰ کو کرنا ہوتا ہے۔ تم کہو کہاں سے آئے ہو۔ میں تمہاری آمد کی اطلاع قلعے میں پہنچنے سے پہلے پہنچا دوں گا۔

ربیع نے اس بار مطمئن انداز میں کہا۔

مجھے منصورہ کے محاذ جنگ سے رکن الدین بیبرس نے ایک پیغام دیکر عمیر بن خزام کے پاس بھیجا ہے۔

محافظ کے اشارے پر ربیع نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ چٹانوں کے اوپر آکر اس محافظ نے کاغذ پر ایک پیغام لکھا اور اسے کبوتر کے پاؤں سے باندھ کر ہوا میں چھوڑ دیا۔ جاسوسی کبوتر نیلی فضاؤں میں غوطے لگاتا ہوا قلعے کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

ربیع جب اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا قلعے میں داخل ہوا اس نے دیکھا

سامنے ہی عمیر، ابوالواس اور ہوازن کھڑے تھے۔ ربیع ان کے پاس آکر گھوڑے سے اترا اور تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مجھے آپ کے سالار عمیر بن خزام سے ملنا ہے۔

عمیر فوراً ہی بولا۔

میں ہی عمیر بن خزام ہوں۔ کہو ہمارے بھائی رکن الدین بیبرس نے ہمارے نام تمہیں کیا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ ربیع ان کی اس قدر تیز پیغام رسانی پر دنگ رہ گیا اور پھر یہ بات بھی اس کی حیرت کے لیے کم نہ تھی کہ وہ تینوں اس وقت اس کے سامنے اپنے پورے جنگی لباس میں کھڑے تھے۔

ربیع سنبھلا اور اداس لہجے میں گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

میرے پاس آپ کے لیے کوئی تحریری پیغام نہیں۔ میں رکن الدین کا ایک قاصد ہوں۔ اس نے کہا ہے عمیر بن خزام سے کہنا امیر فخرالدین عیسائی لشکر کے ساتھ جنگ میں شہید ہو چکا ہے۔ اب جنگ میں رکن الدین مصری افواج کا سالار ہے وہ عیسائی سپاہ کے سامنے منصورہ کے قلعے میں محصور ہے اور آپ کو مدد کے لیے پکارتا ہے۔

عمر کا رنگ یوں سرخ ہو گیا تھا جیسے اس کے جسم کی ساری چربی پگھل گئی ہو۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ تلوار کے دستے پر رکھا اور دوسرا فضا میں بلند کرتے ہوئے اس نے پرجوش انداز میں کہا۔

لبیک یا اخی لبیک (میں حاضر ہوں۔ میرے بھائی میں حاضر ہوں)

عمیر اب ربیع سے مخاطب ہوا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام ربیع ہے اور میں بنو کنانہ سے ہوں۔

میں ابھی اور اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا ہوں۔ تھکے ہوئے ہو کیا تم ہمارا ساتھ دے سکو گے۔

ربیع کے چہرے پر دور دور تک مسکراہٹیں بکھر سی گئیں۔

اے شاہینوں کے سالار! میں دُنیا کے آخری کونے تک آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں۔ صرف میرا گھوڑا تھکا ہوا ہے۔ اگر آپ میرے لیے ایک تازہ دم گھوڑے کا بندوبست کر دیں تو آپ کی عنایت ہو گی۔

عمیر نے ہوازن سے کہا۔

ہوازن! ربیع کے کھانے اور اس کے لیے تازہ دم گھوڑے کا بندوبست کرو۔ لیکن بہت جلد — میں فوراً کوچ کرنا چاہتا ہوں اور جاتے جاتے ہشام کو میرے پاس بھیج دو۔ پھر عمیر نے ابوالواس سے کہا۔

ابوالواس! لشکر کو تیاری کا حکم دو۔ آٹھ ہزار سپاہی ہمارے ساتھ جائینگے

ابوالواس بھاگتا ہوا اپنے مکان کے پاس اس بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور اپنی دھاڑتی ہوئی آواز میں وہ اپنے لشکروں کے نام لے لے کر پکارنے لگا جس کے جواب میں قلعے کے اندر لبیک لبیک کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور موت کے مسافروں پر کفن باندھ کر تکبیریں بلند کرتے قلعے سے باہر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

عمیر اپنے کمرے میں آیا۔ سامنے بستر پر اریطہ لیٹی ہوئی تھی۔ اور اس کے پہلو میں اس کا نوزائیدہ بچہ تھا جس کی شکل عمیر سے ملتی جلتی تھی۔ اور جس کا نام ابوالواس کی تجویز پر مغیث رکھا گیا تھا۔ عمیر آگے بڑھا اور اریطہ سے کہا۔

اریطہ! میں مصر کے محاذِ جنگ پر روانہ ہو رہا ہوں۔ میری کامیابی کی دعا کرنا

اریطہ نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

خدا ہر جگہ آپ کا حامی اور ناصر ہو گا۔

عمیر اور آگے بڑھا نیچے جھک کر اس نے باری باری اریطہ اور مغیث کی پیشانی چومی اور پھر وہ اپنے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ جب وہ مکان سے باہر آیا تو وہاں ہشام اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ابوالواس اور ہوازن بھی تھے۔ ان کے قریب آکر عمیر نے ہشام سے کہا۔

ہشام! میں آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس

مسکن کی حفاظت کے لیے اب صرف دو ہزار سپاہی بچے ہیں۔ میرے لیے
اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاگتے رہنا۔ ہمارے مغرب میں صلیبی قلعوں میں
ہوتے نائٹ شاید اس نازک موقع سے فائدہ اٹھا کہ تم پر حملہ آور ہوں۔ ایسی صو
میں تم جابر اور رباح کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو۔

عمیر آگے بڑھ گیا۔ ابو نواس اور ہوازن اس کے ساتھ تھے۔ تینوں بام
آتے جہاں ان کا لشکر تیار کھڑا تھا۔ لشکر کے آگے شیبان کے ساتھ ربیع بھی تھا
اور وہ اب تازہ دم گھوڑے پر سوار تھا۔ جب وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے
سے باہر نکلے تو لشکر کے اندر نقارے اور جنگی دفیں بجیں اور لشکر کوچ کر گیا۔ عمیر
کے نیچے آج وہی گھوڑا تھا جو کبھی بچھیرا تھا۔ جسے اس نے جنگی تربیت دی تھی اور
اب جوان ہو چکا تھا۔

لشکر جب دھول اڑاتا اجنادین کے میدان میں سے گزر رہا تھا۔ ربیع
جو اپنا گھوڑا عمیر کے پہلو میں دوڑا رہا تھا۔ عمیر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

یا امیر! آپ کا رُخ کس طرف ہے؟

عمیر کی جوان توانا اور پُرجوش آواز سنائی دی۔

نیل کا ڈیلٹا۔

کیا آپ منصورہ کی طرف نہیں جائیں گے۔ جہاں رکن الدین بیبرس آپ
کا انتظار کر رہا ہے۔ ربیع کی آواز میں تفکرات کی لہریں تھیں۔

عمیر نے اس کی ہمت بندھی۔۔

تمہارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ ربیع۔ میرے جاسوس جنگ کی پل
کی خبریں مجھے پہنچاتے ہیں۔ میں اپنی مہم کا آغاز نیل کے ڈیلٹا سے شروع کر
جہاں فرانسیسیوں کے بحری جہاز کھڑے ہیں۔ میں ان کی کمک اور رسد
کاٹ کر اُن کے تعاقب میں لگ جانا چاہتا ہوں۔ نیل کے ڈیلٹا سے لے کر

بلکہ اس سے بھی آگے بنو کنانہ کے بدو اور میرے بھائی جگہ جگہ فرانسیسیوں کے ساتھ
گوریلا جنگ شروع کر چکے ہیں۔ میں ان سب کو اپنے ساتھ ملا کر متحد کروں گا۔ اور اس
طرح میری قوت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

ربیع نے بڑی عقیدت سے کہا۔

آپ کے سامنے میرا جنگی تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت
دیں گے کہ میں یہاں سے علیحدہ ہو کر منصورہ کا رخ کروں اور رکن الدین کو آپ کی آمد
کی اطلاع کروں۔ یہ خبر سُن کر یقیناً ہمارے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے

عمیر نے ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تم منصورہ جانے کے لیے اس رُخ پر آگے بڑھ جاؤ اور رکن الدین سے
میرا سلام کہنا۔ اسے کہنا ہم سر پر کفن باندھ کر میدان میں کود چکے ہیں۔ اب ہماری
تلواریں اس وقت تک نیام میں نہیں جائیں گی۔ جب تک فرانسیسی ہمارے
سامنے ہتھیار نہیں ڈال دیتے یا وہ اپنے ملک کی طرف دفع نہیں ہو جاتے۔

عمیر نے فضا میں ہاتھ لہرا کر ربیع کو الوداع کہا اور ربیع ان سے علیحدہ ہو کر
ایک پگڈنڈی پر اپنا گھوڑا دوڑانے لگا۔ چونکہ وہ اپنی مہم میں کامیاب رہا تھا لہٰذا
وہ تیز ہوا کے جھونکوں کی طرح اڑا جا رہا تھا۔

ایک روز شام سے ذرا پہلے وہ منصورہ کے مشرقی دروازے سے شہر میں
داخل ہوا۔ برج کے اوپر کھڑے رکن الدین بیبرس نے اسے دیکھ لیا۔ وہ بھاگتا ہوا
نیچے اترا۔ اور گھوڑے سے اترتے ہوئے ربیع سے بڑی بیتابی کے عالم میں پوچھا
ربیع نے بڑے اطمینان سے کہا۔

میرے آقا! صوت کے مسافر آپ کی پکار پر لبیک کہہ چکے ہیں۔ اجنادین
کے میدان سے آگے تک وہ میرے ساتھ تھے۔ وہاں میں ان سے علیحدہ ہو کر
آپ کی طرف چلا آیا۔

رکن الدین نے ربیع کی بات کاٹ کر بیتابی سے پوچھا۔

اور وہ کہاں گئے؟

میرے آقا! عمیر بن خزام اپنے آٹھ ہزار لشکر کے ساتھ نیل کے ڈ
کی طرف بڑھ گیا ہے۔ اس نے کہا تھا میں نیل کے ڈیلٹا سے اپنی مہم کا آغا
کروں گا۔ اور دشمن کی رسد اور کمک کی لائن کاٹتا ہوا ان کے پیچھے لگ جا

رکن الدین نے خوشی میں بلند آواز سے کہا۔

خدا کی قسم! اس نے بہترین فیصلہ کیا ہے۔ اگر وہ فرانسیسیوں کی پش
پر گہرے زخم لگاتا ہوا اس طرف بڑھتا رہا تو یقین جانو ربیع منصورہ کا یہ دش
میں فرانسیسیوں کا قبرستان بنا دوں گا۔ پھر رکن الدین نے گہری آواز میں کہا

اب وہ دن دور نہیں جب میں دشمن کے لیے بھاگنے کے سار
راستے مسدود کر دوں۔ اور انہیں اس طرح ماروں گا جس طرح شتر کو درخت
ساتھ باندھ کر مارا جاتا ہے۔ کیا عمیر نے میرے نام کوئی پیغام بھی دیا تھا

ہاں میرے آقا! اس نے کہا تھا اپنے آقا سے کہنا اب جبکہ ہم جنگ
میں کود چکے ہیں ہماری تلواریں اس وقت تک نیام میں نہ جائیں گی جب تک
فرانسیسی ہمارے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دیتے یا وہ ہماری سرزمین سے د
نہیں ہو جاتے۔

رکن الدین کی آنکھوں میں لشکر کے آنسو تھے اس نے اپنی بھیگی پلکوں
ساتھ مسکراتے ہوئے کہا وہ ایک مخلص دوست اور جفاکش جرنیل ہے۔
کی قسم! خدا کی قسم! امیر فخر الدین اور قسطر غلطی پر تھے۔ عمیر بن خزام ہمارے جسم
ایک حصہ ہے جسے ہم نے کاٹ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ وہ ہمارا تھا اور ہمارا
ربیع! تم آج کی رات آرام کر لو اور کل سے مشرقی برج پر کماندار کے فرائض سنبھا

رکن الدین پھر فصیل پر چڑھ گیا۔ اور ربیع اپنا گھوڑا پکڑے آگے

مصر میں داخل ہونے کے بعد عمیر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے نیل
مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کیطرف بڑھتا چلا گیا۔ جہاں دریا کا گھاٹ

تھا وہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ اس نے دریا کو عبور کر لیا۔ جاڑے کا موسم اپنے
زوال پر تھا۔ اس لیے دریا میں پانی کم تھا لہٰذا اس جگہ سے وہ دریا کو بڑی آسانی سے
عبور کر گئے۔

دریا کے مغربی کنارے اتر کر لشکر پھر واپس مڑتے ہوئے شمال کی طرف
بڑھنے لگا ان کا رُخ نیل کے ڈیلٹا کی طرف تھا۔ راستے میں فرانسیسی فوج کے
گشتی دستوں سے ان کی کئی جگہ مڈبھیڑ ہوئی جنہیں وہ خون کے جمے ہوئے لوتھڑے
کی طرح اپنے پاؤں تلے مسلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

نیل کے ڈیلٹا پر آکر انہوں نے اپنا رُخ اب بائیں طرف موڑا۔ اور
ان کے سامنے ذرا فاصلے پر فرانسیسیوں کے بحری جہاز کھڑے تھے اور ہزاروں
مسلح اور لوہے میں غرق سپاہی ان کی حفاظت کے لیے وہاں موجود تھے۔

عمیر بھوکے اور تیز پرواز رکھنے والے عقاب کی طرح ان پر حملہ آور ہوا
اور فرانسیسی فوج کو تین اطراف سے گھیر کر ان نے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔
جبکہ ان کے چوتھی طرف اور پیچھے بحیرہ روم اپنی طوفانی لہروں کے ساتھ ٹھاٹھیں
مار رہا تھا۔

سورج جب ایشیا اور یورپ کی قدرتی حد فاصل بحیرہ روم میں غروب
ہوتا ہوا تاریکیوں کو اعانت مجرمانہ کی دعوت دینے لگا تھا اور سورج کی سنہری
کرنیں سمندر کے اعماق تک اُتر گئی تھیں۔ عیسائی فوج میں پسپائی کے آثار پیدا
ہوئے۔ اور وہ لڑتے لڑتے اُلٹے پاؤں سمندر کی طرف پسپا ہونے لگے تھے۔

عمیر کی تکبیر کے جواب میں موت کے مسافروں نے ایک زوردار حملہ کیا۔
اور ایک ساتھ وہ دشمن پر شہاب ثاقب کی سی تیزی کے ساتھ صاعقۂ آسمانی کی
طرح دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ فرانسیسی بھاگ کھڑے ہوئے اور موت کے
مسافران کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں ریوڑ کی طرح ہانک ہانک کر قتل کرنے
لگ گئے تھے۔ دشمن کے کچھ سپاہی جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ سمندر

لہ: محاربات صلیبی

میں کود پڑے اور ساحل کے قریب کھڑے جہازوں میں سوار ہونے لگے
عمیر کے اشارے پر کچھ مسلمان سپاہی بھی ان کے پیچھے سمندر میں کود گئے اور
ان جہازوں کو آگ لگا دی جن کے اندر فرانسیسی سپاہی جان بچا کر چھپ
گئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساحل کے ساتھ ساتھ کھڑے کئی جہاز آگ کی لپیٹ میں
گئے اور رات کی تاریکی میں آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف
اٹھنے لگے۔

جہازوں اور ساحل سمندر کی حفاظت کرنے والی فرانسیسی فوج کو ختم
کرنے کے بعد عمیر دریائے نیل کے مغربی کنارے کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھنے
لگا۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر فرانس کا بادشاہ لوئی نہم چلتا ہوا منصورہ پہنچا تھا۔
نیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے عیسائی دستوں کا صفایا کرتا ہوا
عمیر دریائے نیل کے اس پل کے پاس پہنچ گیا جسے عبور کر کے صلیبی سپاہیوں نے
دمیاط پر قبضہ کیا تھا۔

پل کے قریب عمیر نے پڑاؤ ڈالا۔ یہاں لشکر کے کھانے پینے اور آرام
کا بندوبست کیا گیا۔ چند دستے پہرہ دینے کی غرض سے پل پر متعین کر دیئے
گئے تھے۔ اور باقی لشکر آرام کرنے لگا تھا۔

رات کے پچھلے پہر جب کہ ہر چیز تاریکی کے گلے مل کر خوابوں کی دنیا میں
کھو چکی تھی۔ عمیر نے ابوالواس اور ہوازن کے ساتھ مل کر لشکر کو جگایا۔ سپاہی تو
سمجھ گئے تھے کہ رات کی تاریکی میں کہیں حملہ ہوگا لہٰذا فوراً کوچ کی تیاری ہوگئی۔
سورج طلوع ہونے میں ابھی تین ساعتیں باقی تھیں کہ عمیر نے اپنے لشکر کے
ساتھ دریائے نیل کا پل پار کیا اور راستے کی تاریکی میں ان کے گھوڑے میدان
میں دھول اڑاتے ہوئے دمیاط کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دمیاط کا شہر جسے لوئی نے اپنی رسد اور کمک کا سب سے بڑا مرکز
بنا رکھا تھا اور جہاں اس کی فوج کا کچھ محفوظ حصہ قیام کیے ہوئے تھا اسوقت

تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور عیسائی سپاہی غفلت کی گہری نیند سوتے تھے۔ صرف چند
سپاہی بنوکنانہ کے عربوں کی گوریلا سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے پہرہ دے رہے تھے

عمیر نے ان کی غفلت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رات کی تاریکی میں ان پر
شبخون مارا جو اس قدر اچانک، تند اور کامیاب تھا کہ نیند سے ہم آغوش صلیبی سپاہی
ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ موت کے مسافران کا قتل عام شروع کر چکے تھے۔ یہ
جنگ صرف ایک ساعت تک جاری رہی اور اس قلیل وقت میں موت کے
مسافر اپنے سارے دشمنوں کا صفایا کر کے میدان اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے۔

عمیر نے دمیاط کی اس جامع مسجد میں اپنے لشکر کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی
جسے لوئی نے گرجے میں بدل دیا تھا۔ جب سورج طلوع ہوا تو اردگرد کی کمین گاہوں میں
چھپے بنوکنانہ کے بے شمار رضاکار شہر میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ عمیر نے ان
سب کو جمع کیا رسد کا جو سامان عیسائیوں سے چھینا گیا تھا۔ اس کا زیادہ تر حصہ
بنوکنانہ کے ان رضاکاروں کو سونپا گیا اور دمیاط شہر کی حفاظت ان عرب گوریلوں کے
دستہ کر کے عمیر دمیاط سے بھی کوچ کر گیا منصورہ کی طرف ابھی اس نے پانچ میل کا
فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی جو راستے کے درمیان میں کھڑا تھا اپنے دونوں
ہاتھوں کو ہوا میں لہرا لہرا کر
لشکر کے آگے آگے اپنا گھوڑا دوڑانے والے عمیر کو روکنے کا اشارہ کرنے لگا۔

عمیر نے جب اپنا گھوڑا اس بوڑھے کے پاس لا کر روکا تو سارا لشکر اس کے
پیچھے رک گیا۔ بوڑھا آگے بڑھا اور عمیر کے گھوڑے کی رکاب پکڑتے ہوئے اس
نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے سنا ہے آپ نے عیسائیوں سے اپنا شہر دمیاط چھین لیا ہے خدا
کے لیے بتائیے آپ کون ہیں؟ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

عمیر نے اس بوڑھے مصری کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی نرمی اور
دلاسا دینے کے لہجے میں کہا۔

آپ اگر دمیاط شہر جانا چاہتے ہیں تو بے دھڑک ہو کر چلے جائیے۔ شہر

اس وقت مسلمان گوریلوں کے قبضے میں ہے۔ ہم موت کے مسافر ہیں اور دریائے یرون کے کوہستانوں سے اپنے مصری بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں۔

عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے اس بوڑھے نے بڑی شفقت سے کہا۔

آپ ہمارے تاریک افق پر روشنی کی ایک تیز لہر بن کر نمودار ہوئے ہیں۔ خدا آپ کو ہر میدان میں اسی طرح فتح نصیب کرے۔ اس کے ساتھ ہی وہ بوڑھا جھکا اور رکاب میں جماتے ہوئے عمیر کے پاؤں کو لگاتار بوسے دینے

عمیر نے فوراً اپنا پاؤں سمیٹتے ہوئے کہا۔

آپ قوم کے بزرگ ہیں آپ کا احترام ہم پر واجب ہے۔

بوڑھے نے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔

میں جو ایک بوڑھا انسان ہوں اور جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا آپ جیسے سرفروشوں کو سلام کرتا ہوں جو سر پر کفن باندھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے نکلے ہیں۔ میں ان رزم گاہوں کو سلام کرتا ہوں جن کے اندر آپ کے جنگی گھوڑے دوڑتے ہوئے ہمارے دشمنوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان چراگاہوں کو سلام کرتا ہوں جن کے اندر آپ جیسے جانثار سپاہیوں کے گھوڑے چرتے ہیں

بوڑھا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ عمیر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھ گیا۔ اب وہ اپنے شاہینوں کے ساتھ ترکتاز کرتا ہوا بڑی تیزی سے بحرالصغیر کے اس پار منصورہ کے دشت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شام ہونے والی تھی۔ سورج مغربی افق کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ دھوپ مدہم ہو کر پیلی پڑ گئی تھی اور سائے پھیلتے جا رہے تھے۔ رکن الدین بیبرس منصورہ کی فصیل کے مشرقی برج میں ربیع کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ بڑے غور سے افق کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں ریت کے بڑے بڑے تودوں اور ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ ربیع کی طرف دیکھتے ہوئے رکن الدین نے مایوسی کے عالم میں

اسے ابھی تک پہنچ جانا چاہیئے تھا۔

ربیع نے خدشہ ظاہر کیا۔

میرے آقا! ہو سکتا ہے وہ دشمن کے ہاتھ چڑھ گیا ہو؟

رکن الدین نے برہمی میں اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ وہ میرا سب سے زیادہ چالاک اور ہوشیار جاسوس ہے، وہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ جمعہ کی شام تک وہ مجھے عمیر کی کارگزاری کے متعلق ضرور اطلاع دے گا اور اس نے آج تک جو وعدہ کیا ہے وہ ہمیشہ اس پر پورا اترا ہے۔ وہ ایک مخلص، دیانتدار اور محنتی جاسوس ہے اور موت کی پرواہ کیے بغیر وہ دشمن کی صفوں سے بھی خبریں اڑا لانے کی جرأت رکھتا ہے، اگر آج ——

رکن الدین فوراً خاموش ہو گیا اس نے دیکھا دور —— بہت دور مشرقی افق پر ریت کے چھوٹے چھوٹے گراؤز فضا میں اوپر اٹھنے لگے تھے۔ اور لحہ بہ لحہ وہ گراؤز منصورہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

پھر ریت کی اس دھند میں سیاہ رنگ کے دھبے کی مانند ایک سوار نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی رکن الدین نے خوش ہوتے ہوئے۔

وہ آ گیا۔ ربیع! وہ آ گیا —— میں نہ کہتا تھا وہ اپنے وعدے کے مطابق ضرور آئے گا۔

ریگستان سے نمودار ہونے والا وہ سوار اب منصورہ کی فصیل کے قریب آ گیا تھا وہ اور اس کا گھوڑا دونوں پسینے اور گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ جب وہ نزدیک آیا تو شہر کے مشرقی دروازے کے پہرہ داروں نے دروازہ کھول دیا اور وہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔

رکن الدین بیبرس تقریباً بھاگتا ہوا فصیل سے نیچے اترا اور شہر میں داخل ہونے والے اس جاسوس کے پاس آ کر پوچھا۔

کیا خبر لائے ہو؟

جاسوس گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا۔

یا امیر! میں بہت حوصلہ افزا خبر لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔
رکن الدین بلنیاب ہو گیا۔
تو پھر جلدی کہو۔ تم نے کیا دیکھا اور عمیر اس وقت اپنے لشکر کے
اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔
یا امیر! عمیر بن خزام ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ فاصلہ طے کر چکا
اس نے نیل کے ڈیلٹا کے کنارے فرانسیسیوں کو شکست دے کر ان کے بحری جہ
کو آگ لگا دی ہے۔ دریائے نیل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے رات کا کچھ
اس نے پل کے اس پار گزارہ اور اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کا تھوڑا سا
دیا۔ رات کے پچھلے پہر اس نے پھر کوچ کیا۔ اور دمیاط میں صلیبیوں پر ایک خ
خشک کر دینے والا شب خون مارا۔ صلیبی اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور اس
سب کو تہ تیغ کر دیا جس وقت میں نے آخری بار عمیر کے لشکر کو دیکھا تھا۔ وہ د
کی جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور
کے رُخ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے اگر وہ بحر الصغیر کے اس
دشمن کے دستوں کے ساتھ زیادہ دیر بھی اُلجھے رہے تو بھی وہ چند دن تک کسی
کسی راستے سے منصورہ ضرور پہنچ جائیں گے۔
کیا عمیر کے ساتھ تمہاری بات چیت ہوئی۔
نہیں میں صرف خاموش تماشائی کی طرح ان کے لشکر کی حرکات سکنا
کو دیکھتا رہا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار عمیر کی رکاب میں طوفانوں سے
اور بجلیوں سے کھیلنے والے جوان دیکھے ہیں۔ ان کے حوصلے بلند ہیں اور وہ
اس رفتار کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسے کوئی عجیب و غریب جبلت
انہیں کھینچ کر طوفان کی شکل میں دشمن کی طرف لے جاتی ہو۔ میں نے عمیر اور اس
کے سپاہیوں کے چہروں پر اضمحلال اور پژمردگی کے بجائے حیات بخش رنگوں
بکھری ہوئی تحریریں پڑھی ہیں۔
رکن الدین کی چھاتی تن گئی تھی اور ایک بلند عزم کے ساتھ اس نے کہا

تھا میں نے عمیر اور اس کے لشکر سے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ اس سے کہیں بڑھ
کر اپنی مہم میں کامیاب ہوتے ہیں۔ دشمن کی کمک اور رسد کی لائن کاٹنا یقیناً عمیر نے
دشمن کی بیٹھ میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ اب میں کل صبح سے شہر سے باہر نکل کر کھلے
میدان میں ان سے مقابلہ کروں گا۔
رکن الدین دوبارہ فصیل پر چڑھ کر اپنے سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا
اور وہ جاسوس شہر کے بازار کی طرف چلا گیا۔
دوسرے روز شہر کے مغربی دروازے کھلے اور رکن الدین بیبرس اپنے
لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ کھلے میدان میں صلیبیوں کے ساتھ گھمسان کی جنگ
ہوئی جو شام تک جاری رہی اور سورج غروب ہونے پر رکن الدین بیبرس اپنے
لشکر کو سمیٹ کر شہر میں داخل ہو گیا۔
۱۲۵۰ء اور فروری کی ۲۹ تاریخ تھی مصر کا نیا حکمران توازن شاہ بھی
قاہرہ سے ایک تازہ دم کمک کے ساتھ منصورہ پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو کافی تقویت
ہوئی اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔
اپریل کی تین تاریخ کو رکن الدین بیبرس ایک بار شہر سے پھر باہر نکلا شام
تک وہ دوبارہ دشمن سے جنگ کرتا رہا تھا۔ اور اندھیرا پھیلنے پر وہ شہر میں لوٹ
آیا۔ شاید اس طرح وہ دشمنوں کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔
اپریل کی تین تاریخ کو دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد رکن الدین بیبرس
کے اسی جاسوس نے عمیر بن خزام کا پیغام دیا کہ وہ بحر الصغیر کا پل پار کر کے منصورہ
کے دشت میں داخل ہو گیا ہے۔ لہٰذا اپریل کی پانچ تاریخ کو کھلے میدان میں صلیبیوں
کے ساتھ آخری اور فیصلہ کن جنگ کی جائے۔
عمیر کا پیغام ملتے ہی رکن الدین جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا سپاہیوں
کو اس نے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اور خود وہ جنگی اسلحہ جمع کرنے میں لگ گیا۔

۴ اپریل ۱۲۵۰ء کو جب کہ رات دو گھڑی گزر چکی تھی فرانس کا بادشاہ لوئی اس کے بھائی الفانسو اور کاؤنٹ آف انجو چند اور جرنیلوں کے ساتھ جنگ کی حکمت عملی پر بحث کر رہے تھے کہ حاجب نے اندر آکر ایک جاسوس کے آنے کی اطلاع کی لوئی نے اسے فوراً اندر بھیجنے کو کہا اور حاجب باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک صلیبی جاسوس لوئی کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ بھی مسلمانوں جیسی تھی۔ اور وہ عربوں جیسا عمامہ اور عبا پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کی بکھری ہوئی کئی داستانیں تھیں۔ لوئی کے قریب آکر اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی خبریں لایا ہوں جو ہمارے لیے زہر قاتل سے کم نہیں۔

لوئی نے فکر مند لہجے میں کہا۔

کیا مسلمانوں کے لیے کوئی بھاری کمک پہنچ گئی ہے۔

جاسوس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

جو لشکر میں نے دیکھا ہے اسے کسی صورت میں ایک کمک نہیں کہا جا سکتا ان کی تعداد صرف آٹھ ہزار ہے۔ وہ قعر گمنامی سے نکلے بھولے بسرے اور ویرانہ نورد سے ایسے سپاہی ہیں جو ہنستے اور مسکراتے ہوئے موت سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ انہوں نے ساحل سمندر پر ہمارے محفوظ دستوں کو تہ تیغ کر کے ہمارے کئی جنگی جہازوں کو آگ لگا دی ہے۔ یہ ساری کارروائی انہوں نے چند ساعتوں میں مکمل کر لی اور اس کے بعد وہ یورش کرتے ہوئے دمیاط میں نمودار ہوئے شہر کو انہوں نے فتح کر لیا اور ہماری رسد کا سلسلہ کاٹ دیا۔ اب بحر الصغیر کو عبور کرنے کے لیے شمالی صحرا کے اندر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ میں نے انہیں بہت ڈھونڈا لیکن وہ صحرا میں اس طرح سما گئے ہیں جیسے سراب ہوں۔ وہ اپنا کوئی وجود نہ رکھتے ہوں۔ مسلمان اس لشکر کو موت کے مسافر کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ زہر آلود خنجر اور آگ اگلنے والے اژدھے کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔

لوئی کا سر جھک گیا اور وہ کچھ سوچنے لگا ـــــ اس کے بھائی الفانسو نے فوراً ایک تجویز پیش کی۔

ہمیں فوراً واپس جا کر دمیاط کو دوبارہ فتح کر کے اپنی رسد کا سلسلہ پھر سے بحال کرنا چاہیئے۔ اور اس کے بعد یکسوئی کے ساتھ دوبارہ یہاں آکر جنگ کا سلسلہ بحال کر دیا جائے۔

لوئی نے فکر مند لہجے میں کہا۔ اس میدان سے روگردانی سب سے بڑی حماقت ہوگی۔ اگر ہم نے یہاں سے پسپا ہو کر دمیاط کی طرف کوچ کیا تو رکن الدین بیبرس منصورہ سے نکل کر اس طرح ہمارا تعاقب کرے گا جس طرح بھوکا بھیڑیا منتشر اور پراگندہ بھیڑوں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ وہ ایک بہادر جرنیل ہے اور لڑنے لڑانے کے سارے گر جانتا ہے۔ وہ منصورہ میں بیٹھ کر اس طرح ہم پر نگاہ رکھے ہوئے ہے جس طرح درندہ اپنی کچھار میں بیٹھ کر باہر گھومنے والے جانوروں کو دیکھتا ہے۔

لوئی کا دوسرا بھائی کاؤنٹ آف انجو بولا۔

اگر مسلمان کل شہر سے باہر نکل کر لڑنے آتے ہیں تو ان سے فیصلہ کن جنگ کی جائے اور اگر وہ قلعے کے اندر ہی محصور رہتے ہیں تو ہمیں اس میدان میں پڑے رہنے کی بجائے قاہرہ کی طرف کوچ کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں رکن الدین منصورہ سے نکل کر کھلے میدان میں ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ جو ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔ کمک اور رسد کا سلسلہ کٹ جانے کے بعد اس میدان میں بیٹھ کر زیادہ عرصہ انتظار کرنا ہمارے لیے انتہائی خطرناک ہوگا۔

لوئی مسکرا دیا شاید اسے یہ تجویز دل پذیر لگی تھی۔ پھر اس نے اپنے دونوں بھائیوں کو اگلے روز کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور سب ایک ساتھ خیمے سے باہر نکل گئے۔

۵ اپریل کو جبکہ سورج سر پر چمک رہا تھا اور تیز چلچلاتی دھوپ میں صحرا

کی دھوپ گرم ہوگئی تھی۔ دونوں لشکر منصورہ سے باہر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ دونوں طرف جنگ کے طبل اور نقارے بج رہے تھے۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرتے ہوئے رکن الدین بیبرس کی نگاہیں بار بار مشرق کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ اسے عمیر کا انتظار تھا لیکن وہ ابھی تک نہ آیا تھا۔

عیسائی لشکر سے سینٹ الامار کا ایک رضاکار نکلا اس کا جسم لوہے کی طرح مضبوط اور قد خوب تناور تھا۔ تیز دھوپ میں اس کی زرہ، خود، تلوار اور ڈھال چمک رہے تھے۔ آہستہ آہستہ ایک وقار کے ساتھ چلتا ہوا وہ میدان کے وسط میں آیا اور مسلمانوں کے لشکر کی طرف منہ کرکے اس نے مقابلے کے لیے للکارا۔

میدان میں بنوکنانہ کا ایک بھاری بھرکم بدو اترا۔ دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ بدو شروع شروع میں اس کو وہ پیکر نائٹ پر چھا گیا۔ لیکن جلد ہی اس کے حملوں میں تیزی پیدا ہوگئی۔ اور وہ دُور دُور تک اس بدو کو دھکیلتا چلا گیا۔ پھر اس نے تلوار ایک خوفناک انداز میں لہرائی اور بنوکنانہ کے اس عرب کا سر کاٹ کر علیحدہ کر دیا اور مسلمانوں کی طرف منہ کرکے پھر مقابلے کے لیے پکارا۔

میدان میں اس بار ایک خونخوار ترک اترا۔ لیکن اس نائٹ نے اپنے ابتدائی حملے میں اس ترک کی تلوار کاٹ دی پھر اس نے اس ترک کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر فضا میں کئی فٹ اُوپر اچھالا۔ ترک بڑی بے بسی سے زمین پر گرا۔ نائٹ نے اس ترک کا جسم پیٹ سے دو حصوں میں کاٹ دیا صلیبی لشکر میں جوش و خروش سے نقارے اور طبل بجنے لگے تھے۔ جبکہ مسلمانوں پر مایوسی اور پژمردگی کی گھٹا چھا گئی تھی۔

وہ نائٹ دوبارہ اسلامی لشکر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا تھا۔

قبل اس کے مسلمانوں کی صفوں سے کوئی اور سپاہی نکل کر اس صلیبی نائٹ کا مقابلہ کرتا۔ مشرق کی سمت سے صحرا کے اندر بگولوں کی طرح ریت اڑتی دکھائی دی۔ دونوں لشکر غور سے اس طرف دیکھنے لگے تھے۔

فضا میں اُڑتی ہوئی ریت کی چادر جب پھٹی تو دونوں لشکروں کے قریب دو سوار نمودار ہوئے وہ اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ جب وہ

دونوں اس میدان سے ایک تیر کی مسافت پر آئے جہاں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ تو ان میں سے ایک وہیں رُک گیا۔ اور دوسرا نقاب پوش اس طرح اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کی عبا دور دور تک لہریے لیتی ہوئی ہوا میں اڑ رہی تھی۔ جس کے نیچے اس کی زرہ چمک رہی تھی۔ اس کے سر پر خود تھا۔ جس کا نقاب اس نے اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا اور اس کا چہرہ پہچانا نہ جا سکتا تھا۔ اس کا گھوڑا جس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ سیاہ سیاہ کی آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

میدان کے وسط میں مقابلہ کرنے والے نائٹ کے پاس آکر اس اجنبی نقاب پوش نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ اس کا گھوڑا دونوں لشکروں کے درمیان اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر زور سے ہنہنایا پھر وہ زور زور سے ہنہنانے پھڑپھڑاتے ہوئے باری باری زمین سے اپنی ٹانگیں اٹھا کر کلیلیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی مضبوط اور ایالو سے بھری ہوئی گردن کمان کی طرح دہری کر رکھی تھی اور اس کا منہ زمین کی طرف جھک گیا تھا۔ نقاب پوش اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر اپنے گھوڑے سے کود پڑا۔

پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس نائٹ کی طرف اس انداز سے بڑھا جیسے ایسے میدانوں میں چھا جانے کی ہمت اور جرأت رکھتا ہو۔ نائٹ جو اس سے پہلے دو مسلمانوں کو موت کی نیند سلا چکا تھا بڑے فخریہ انداز میں اپنی چھاتی تانے اس نقاب پوش کی طرف بڑھا۔

اس نقاب پوش نے نزدیک آکر نائٹ پر حملہ کیے بغیر یونہی پوری قوت کے ساتھ اپنی تلوار تین چار بار ہوا میں بڑی تیزی سے لہرائی جس سے سائیں سائیں کی تیز اور وحشتناک آوازیں پیدا ہونے لگیں۔ بالکل یوں جیسے چمڑے کے کئی موٹے کوڑے پوری قوت کے ساتھ یکبارگی ہوا میں مار دیئے گئے ہوں۔

نائٹ نے آگے بڑھ کر فوراً اس پر حملہ کر دیا۔ نقاب پوش نے اس کا حملہ بڑی آسانی سے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ اور پھر اس نے جوابی حملہ کیا کچھ اس سرعت اور تیزی کے ساتھ جیسے چشم زدن میں آسمان کے ایک سرے سے

دوسرے سرے تک برق کی تیز لہریں کوندتی ہوں۔ پھر اس نے رکے
لیے بغیر بے روک طوفان کی طرح حملے شروع کر دیئے اور نائٹ کو پیچھے دھ
لگا تھا۔

دونوں لڑتے لڑتے ایک جگہ رُک گئے۔ پھر نقاب پوش نے اپنی
کی طرح چنگاڑتی ہوئی آواز میں تکبیر بلند کی۔ اور اس کے ساتھ ہی نائٹ نے
اس نقاب پوش نے ماحوق الفطرت انداز میں کچھ اس قدر تیزی کے ساتھ
اور اس نائٹ کے اُوپر اپنی تلوار کو چاروں طرف حرکت دینا شروع کی تھی کہ
کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی تلوار کی چمک سے اس کے اوپر ایک سفید
سی تن گئی ہو۔ وہ اس بات کا تعین نہ کر پا رہا تھا کہ فضا میں کوندتی ہوئی
تلوار سے کس رُخ میں اپنا دفاع کرے۔

ناگہاں اس نقاب پوش نے اپنی تلوار اس نائٹ کی تلوار پر ماری
کی تلوار کا پھل کٹ کر ریت میں گرا اور دستہ اس کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا
اس اچانک اور غیر متوقع ردِ عمل پر گھبرا اٹھا تھا۔ اور بڑی تیزی سے پیچھے ہٹنے
تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تلوار کا دستہ پھینک دیا اور اپنے دونوں
یں ڈھال سنبھال کر دفاع کے لیے مستعد ہو گیا۔

نقاب پوش چند لمحوں تک اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر اس نائٹ کو گھو
رہا اس نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور ڈھال زمین پر پھینک دی۔ اور اس طر
منہتا ہو کر وہ نائٹ کی طرف بڑھا۔ نائٹ کے لبوں پر حیات بخش مسکراہٹ
گئی تھی۔ اس نے بھی ڈھال پھینک دی اور آگے بڑھا۔

دونوں جب ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو نقاب پوش چیتے
کی سی پھرتی سے جست لگا کر آگے بڑھا اور نائٹ کے دونوں بازو پکڑ لیے
قبل اس کے وہ نائٹ کچھ سمجھ پاتا۔ نقاب پوش اس کا ایک بازو مڑوڑ
اس کی پشت پر لے گیا اور دوسرا بازو اس کے گلے میں لپیٹتے ہوئے اس
نائٹ کی پشت اپنی طرف کر کے اسے کھینچا اس کا جسم اپنے دونوں گھٹنوں
رانوں کے درمیان دبا لیا۔

نائٹ کو اس لمحہ یوں محسوس ہوا تھا۔ جیسے اس کا جسم کسی نے رسوں میں

کسی درخت کے ساتھ باندھ دیا ہو۔ اس نے اپنی پوری طاقت صرف کر کے اپنا
آپ چھڑانا چاہا۔ لیکن وہ اپنے جسم کو حرکت دینے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔ نقاب پوش
نے اسے اس طرح جکڑ لیا تھا۔ جیسے جالا بننے والا مکڑا کیڑے مکوڑوں کو اپنی تاروں
میں جکڑ لیتا ہے۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نقاب پوش نے نائٹ کو اپنے دونوں ہاتھوں
پر اوپر اُٹھا کر اور بالکل اس طرح جیسے اس نائٹ نے ترک کو فضا میں اچھالا اس
نقاب پوش نے بھی نائٹ کو فضا کے اندر کئی فیٹ تک اوپر پھینکا۔ نائٹ جب
زمین پر گرا تو نقاب پوش نے دوبارہ اسے اٹھا کر فضا میں پھینک دیا اور یہ عمل
اس نے چار بار دہرایا۔

آخری بار جب نائٹ زمین پر گرا تو اس زہریلے نقاب پوش نے اپنا
ایک پاؤں نائٹ کی گردن پر رکھتے ہوئے غرا کر کہا۔

میرا رب اگر تمہیں ہزار بار زندگی دے تو خدا کی قسم ہر بار میں تمہیں اسی طرح
رسوا اور ذلیل کر کے ماروں۔ پھر نقاب پوش نے نائٹ کی گردن پر اس طرح اپنے
پاؤں کا بوجھ ڈالا کہ اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

نقاب پوش نے نائٹ کے سر سے خود اتار کر پھینک دیا اپنی ڈھال
اٹھائی نائٹ کی لاش کو بالوں سے پکڑ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور لاش
کو گھسیٹتا ہوا وہ مسلمانوں کے لشکر کی طرف بڑھا۔

رکن الدین بیبرس کے پاس آ کر نقاب پوش نے اپنے گھوڑے کو
روکا۔ گھوڑے پر ہی بیٹھے اس نے نائٹ کی لاش کو اوپر اٹھایا پھر وہ لاش اس
نے رکن الدین بیبرس کے پاؤں کے قریب زمین پر پھینک دی۔

رکن الدین نے صرف ایک لمحہ نائٹ کی لاش کو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں
صحرا میں اس طرف اُٹھ گئیں جہاں دوسرا نقاب پوش ابھی تک اپنے گھوڑے
پر سوار اسی جگہ ستون کی طرح کھڑا تھا۔ رکن الدین نے وہاں سے اپنی نگاہیں
ہٹائیں اور اپنے سامنے گھوڑے پر بیٹھے نقاب پوش پر جما دیں۔ اس نے

دیکھا اس نقاب پوش کی عبا سفید رنگ کے کھردرے کپڑے کی تھی۔ اس کے خود کے اندر سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ اور زرہ کی کڑیوں کے اندر سے بھی پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ رکن الدین نے یہ بھی دیکھا نقاب پوش کا سفید گھوڑا پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ نقاب پوش بھی اپنے گھوڑے پر بیٹھا رکن الدین کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔

رکن الدین کے ہونٹ کپکپاتے، تھراتے اور پھر اس نے نہایت عقیدت میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

عمیر! میرے دوست میرے بھائی! اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا دو۔ میرے سپاہی تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تمہارے آج کے مقابلے کو اگر میں سنہری حروف میں لکھ کر ساری دنیا میں پھیلا دوں تو بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ نقاب اتار دو میرے بھائی! امیر لشکر تمہیں دیکھنے کے لیے ایک عرصے سے بیتاب ہے۔

عمیر کا ہاتھ حرکت میں آیا پھر اس نے اپنا نقاب ہٹا دیا رکن الدین نے دیکھا عمیر کا چہرہ اور آنکھیں غصے میں ابھی تک سُرخ تھے اور پیشانی سے پسینہ پہاڑی سوتوں کی طرح بہہ رہا تھا۔

مسلمانوں کی اگلی صف سے آخری صف تک سپاہیوں نے کھُسر پھُسر کرتے ہوتے یہ خبر پہنچا دی تھی کہ عمیر بن خزام آگیا ہے۔

رکن الدین نے صحرا میں کھڑے دوسرے نقاب پوش کی طرف اشارہ کرتے ہوتے پوچھا۔

عمیر! تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔

اپنی عبا کے پلو سے اپنا چہرہ پونچھتے ہوتے عمیر نے کہا۔

ہوازن ہے؟

ابونواس کہاں ہے؟

وہ لشکر کو لے کر آہستہ آہستہ اس میدان کی طرف بڑھ رہا ہے مجھے پہنچنے

میں دیر ہوئی ہے کیونکہ لوقی نے اپنے چار ہزار نائٹ ہماری تلاش میں لگائے تھے جن سے صحرا کے اندر ہماری مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ انہیں ختم کرنے میں مجھے کچھ وقت لگ گیا اور میں یہاں دیر سے پہنچا۔ مجھے اس نائٹ کے ہاتھوں اپنے عرب اور ترک بھائی کے شہید ہونے کا سخت صدمہ ہے۔

رکن الدین نے عمیر کے گھوڑے کی گردن تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

لڑائی میں اب آپ کا کردار کیسے اور کہاں شروع ہوگا۔

آپ جنگ کا آغاز کیجیے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ اس وقت دشمن پر حملہ آور ہونگا۔ جب جنگ زور پکڑ چکی ہوگی۔ اس کے دو فوائد ہوں گے ایک تو فرانسیسی یہ سمجھیں گے کہ قاہرہ سے ہماری کمک آگئی ہے۔ کیونکہ میرا لشکر قاہرہ کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر اس طرف بڑھ رہا ہے۔ دوسرے اس وقت میرا لشکر تازہ دم ہوگا اور میں فرانسیسیوں میں صفیں درہم برہم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

رکن الدین نے مسکراتے ہوتے کہا۔

مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔

عمیر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوتے کہا۔

مجھے اب اجازت دیں۔

رکن الدین بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوا بولا۔

میں آپ کو اپنے لشکر کے آخری سرے تک چھوڑنے جاؤں گا۔

دونوں گھوڑوں پر سوار اپنے لشکر کی صفوں کے آگے آگے گزرنے لگے سپاہی عمیر کو دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرا لہرا کر تکبیریں بلند کر رہے تھے۔ عمیر مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوتے سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا

اسلام کے بہادر علمبردارو! میرا نام عمیر بن خزام ہے اور میں موت کے مسافروں کا سالار ہوں۔ دشمن کی تعداد کی فکر نہ کرو ہمارے نبی اکرمؐ نے تین سو تیرہ کے ساتھ بے کسی کی حالت میں ہزار کو جس طرح کی شان و شوکت رکھتے

تھے بدر کے میدان میں شکست دی تھی یہ خبر تمہارے لیے حوصلہ افزا ہوگی
ہیں نے فرانسیسیوں کے جہازوں کو آگ لگا کر دمیاط ان سے چھین لیا ہے اور
بحر الصغیر تک ان کی تمام خرگاہوں کو پامال کر دیا ہے۔ صلیبی ہم پر دیوانوں کی طرح
حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور یاد رکھو پاگل کتے زیادہ دیر تک اپنی من مانی نہیں کر سکتے
ان کے تمام وہ مسکن جہاں سے اٹھ کر یہ ہم پر گدھوں کی طرح حملہ آور ہوتے
تھے ہم نے ختم کر دیتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ
مل کر انہیں اس طرح ہانک دوں گا جیسے ہمارے عرب ساربان صحرا کے
اندر اونٹوں کے قافلوں کو ہانکتے ہیں۔

عمیر ذرا دیر کو رکا پھر اپنی کھولتی ہوئی آواز میں بڑی روانی کے ساتھ کہتا
چلا گیا۔

ہمارے دشمن کی تہذیب ہمارے لیے ایک خار دار جھاڑی ہے اور
ہم اپنے مرغزاروں میں ایسی خار دار جھاڑیاں نہ اگنے دیں گے۔ اس جنگ
کو اپنے دفاعی حصار کا آخری بند سمجھ کر لڑو۔ ہم دشمن کی کمر پہلے ہی توڑ چکے
ہیں اب اس میدان میں اسے آج تلخ حقائق کا سامنا کرنا ہوگا۔

عمیر خاموش ہو گیا۔ اور اسلامی لشکر کی صفوں میں ایک سرے سے
دوسرے سرے تک اس زور سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئیں کہ یہ تو
آوازیں منصورہ کی فصیل سے ٹکرا کر ایک بھیانک بازگشت کے ساتھ صحرا کی
وسعتوں میں پھیل گئیں۔

لشکر کے آخری سرے پر آکر عمیر نے رکن الدین سے مصافحہ کیا اپنے
چہرے پر پہلے کی طرح خود کا نقاب گرا کر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ریت کے
ٹیلے پر کھڑے ہوازن کے پاس آیا اور پھر وہ دونوں اپنے گھوڑے دوڑاتے
ہوئے صحرا کے اندر غائب ہو گئے۔

دونوں لشکر جنگ کے بگل نقارے، دفیں اور طبل بجاتے ہوئے ایک
دوسرے کی طرف بڑھے۔ چلچلاتی دھوپ میں گھمسان کا رن پڑا اور صحرائی ریت
انسانی خون سے سرخ ہونے لگی۔

لوئی، فرانس کا بادشاہ اپنے قلب میں لڑ رہا تھا جبکہ اس کے دائیں بائیں
کے لشکروں کی کمان اس کے دونوں بھائیوں الفانسو اور کاؤنٹ آف انجو کے
ہاتھ میں تھی۔

لڑائی جب زوروں پر تھی صحرا کے اندر اللہ اکبر کی ہزاروں صدائیں دونوں
لشکر کے کانوں میں پڑنے لگیں جب لڑتے لڑتے انہوں نے مشرقی کی طرف دیکھا
تو عمیر اپنے لشکر کے ساتھ سنسناتے تیروں کی طرح بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ان تکبیروں
کے جواب میں لڑتے ہوئے مسلم سپاہی بھی تکبیریں بلند کرنے لگے اور جنگ کا
نقشہ بدلنے لگا۔

عمیر آتے ہی اپنے موت کے مسافروں کے ساتھ لوئی کے بھائی کاؤنٹ
آف انجو کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔ عمیر کا یہ حملہ اس قدر اچانک اور زوردار
تھا کہ وہ کاؤنٹ آف انجو کے لشکر کو اپنے قلب سے علیحدہ کرتا منصورہ کی
فصیل تک دھکیل کر لے گیا تھا۔ یہاں آکر عمیر نے کاؤنٹ کے لشکر کو کاٹ کر دو
حصوں میں بانٹ دیا ایک حصے پر ابو نواس اور دوسرے پر ہوازن حملہ آور ہوئے
تھے۔ اور مصری فوج کے وہ سپاہی جو پہلے سے ان کے ساتھ لڑ رہے تھے اب
صلیبیوں کی پشت پر سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ کاؤنٹ آف انجو کے لشکر کی
صفوں کو درہم برہم کرنے کے بعد عمیر نے آدھا لشکر ابو نواس اور ہوازن کی
قیادت میں رہنے دیا اور آدھے لشکر کے ساتھ فرانسیسی فوج کے میسرہ پر جس
کی قیادت لوئی کا دوسرا بھائی الفانسو کر رہا تھا۔ اس طرح حملہ آور ہوا تھا جیسے
اس نے زین کا کمر بند پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھینچ لیا ہو۔

عمیر جس وقت دشمن کے میسرہ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس وقت رکن الدین
بیبرس نے اس زور کا حملہ کیا کہ فرانسیسی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں

نے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ آخر بچی کھچی صلیبی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ فرانس کا بادشاہ لوئی نہم اور اس کے دونوں بھائی الفانسو اور کاؤنٹ آف انجو تینوں گرفتار کر لیے گئے۔ اسلامی لشکر قیدیوں کو لے کر شہر کی طرف بڑھنے لگا۔

اپنے گھوڑے پر سوار عمیر جب منصورہ میں داخل ہوا تو ایک بزرگ صورت بوڑھا آگے بڑھا اور عمیر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے ہوئے کہا میں آپ کو اس شہر میں داخل ہونے پر خوش آمدید کہتا ہوں آپ ہماری قوم کے ترکش میں ایسے تیر ہیں جس پر بھروسہ کر کے ہم اپنے کسی بھی دشمن کو اس سے چھید سکتے ہیں۔ اس جنگ میں ہمارے لیے آپ نے جو کردار ادا کیا ہے۔ اس کے بیان اور تعریف کے لیے ہم مصری مناسب الفاظ جمع نہیں کر سکے۔

عمیر جواب طلب نگاہوں سے اپنے بائیں طرف رکن الدین بیبرس کی طرف دیکھنے لگا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اس سے بہت کچھ پوچھ رہا تھا۔ رکن الدین بیبرس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ مصر کے قاضی القضاء تاج الدین ہیں قاہرہ سے آنے والی کمک کے ساتھ تبلیغ کے سلسلے میں یہاں آتے تھے اور اب آپ کو شہر میں داخل ہونے پر خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

عمیر ان کے احترام میں جب فوراً گھوڑے سے کودنے لگا تو قاضی تاج الدین نے اس کی ٹانگ پکڑی اور گھوڑے سے اترنے نہ دیا۔ عمیر نے سراپا التجا بن کر ان کی طرف دیکھا جس کے جواب میں قاضی تاج الدین نے بڑی شفقت سے کہا۔

بیٹے! مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت سے محروم نہ کرو میں اس جنگ میں حصہ تو نہیں لے سکا لیکن یہ سعادت ضرور نصیب ہوئی ہے کہ ایک ایسے مجاہد کے گھوڑے کی باگیں پکڑ کر پیدل چلوں جس نے

ہمارے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت کی اور بجلی و رعد بن کر ان کی صفوں کو اس طرح درہم برہم کر دیا جس طرح تیز طوفان تنکوں یا خشک پتوں کو منتشر کر دیتا ہے۔

عمیر نے پھر بڑی بے کسی سے کہا۔

آپ میرے ساتھ پیدل چل رہے ہیں اور میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔

تاج الدین نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

تمہارے ضمیر کی ملامت میرے لیے ایک نیکی بن گئی ہے مجھے امید ہے تم مجھے اس نیکی سے محروم نہیں کرو گے۔ عمیر خاموش ہو گیا اور اس حالت میں کہ تاج الدین اس کے گھوڑے کی باگیں پکڑے اس کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے وہ شہر کے قلعے کی طرف بڑھنے لگے۔

شہر کے وسط میں آ کر جہاں عام لوگوں اور لڑائی میں حصہ لے کر لوٹنے والے سپاہیوں کی بہت بھیڑ تھی۔ لوگوں نے احتراماً عمیر کے گھوڑے کو روک لیا اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا بے پناہ ہجوم اسے دیکھنے لگا مکانوں کی چھتوں سے اس پر پھول پتیاں نچھاور کیے جا رہے تھے۔

رکن الدین ذرا آگے بڑھ کر راستہ صاف کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

اسی لمحہ ایک دُبلا پتلا سپاہی جس نے اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرا رکھا تھا۔ عمیر کے قریب آیا اور انار کے رس کی بھری ہوئی چھاگل اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر عمیر کو پیش کی۔ عمیر اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

وہی حسین ترین لڑکیوں جیسے ہاتھ اور لمبی مخروطی انگلیاں جنہوں نے یروشلم میں عمیر کی ٹانگ کے زخم پر پٹی باندھی۔ اس کی انگلیوں کے ناخن ایسے سُرخ تھے۔ گویا وہ ناخن نہیں پکھراج ہوں جو ہاتھ میں جڑ دیئے گئے ہوں۔

عمیر نے جب ہاتھ بڑھا کر چھاگل نہ پکڑی اور اس کے خوبصورت ہاتھوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا ۔ تو وہ حسین ترین لڑکی جو سپاہیانہ لباس پہنے ہوئے تھی حرکت میں آئی۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے اور ٹانگوں میں لرزش پیدا ہوگئی۔ چھاگل اس نے جلدی جلدی زین کے ہینے سے لٹکا دی اور خود ہجوم کے اندر ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

عمیر اپنے گھوڑے سے کودا اور اس کے پیچھے بھاگنے لگا تھوڑی دور تک وہ اس لڑکی کو بھاگ کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہجوم کے اندر ایسی غائب ہوئی کہ عمیر لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اسے تلاش نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں طرح طرح کے سوال ابھر رہے تھے۔

وہ کون ہے؟

ہر جنگ میں وہ میرے پیچھے کیوں آتی ہے؟

کیا اس کا تعلق مصر سے ہے یا وہ ——— لیکن اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

عمیر اُلجھا اُلجھا سا اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ رکن الدین لوگوں کے ہجوم کو پیچھے ہٹا کر واپس آرہا تھا۔ عمیر کے پیچھے ابونواس اور ہوازن کھڑے تھے۔ ابونواس نے مسکراتے ہوئے عمیر سے پوچھا۔

آپ کہاں چلے گئے تھے۔

عمیر پیچھے مڑتے ہوئے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ابونواس اور ہوازن کے پیچھے اس کی نگاہیں ایک جوان پر مرکوز ہوگئیں جو گھوڑے پر سوار تھا جس کے چہرے پر ایک لمبے سفر کے آثار اور لباس پھٹا ہوا تھا۔ عمیر کے سپاہیوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اور اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ لیکن وہ انہیں دائیں بائیں ہٹاتا ہوا عمیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابونواس اور ہوازن بھی گھبرائے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اتنے میں رکن الدین کی آواز عمیر کے کانوں سے ٹکرائی۔

کیا دیکھ رہے ہیں؟

عمیر نے ہاتھ سے اسی جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ جوان میرا سپاہی ہے۔ میں اسے مسکن میں چھوڑ کر آیا تھا۔ وہاں سے میرے لیے کوئی بڑی خبر لایا ہے۔

اتنی دیر تک وہ جوان عمیر کے قریب آیا اور ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

میرے آقا! گلیل اور ناصرہ کے صلیبی نائٹوں نے ہمارے مسکن پر حملہ کر دیا ہے۔ اور ہمارے جوان قلعے میں محصور ہو کر انہیں روکے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ میں بڑی مشکل سے رسوں کے ذریعے قلعے کی پشت سے اتر کر باہر آیا۔ پانچ میل پیدل چلنے کے بعد ایک بستی سے میں نے گھوڑا خریدا اور آپ کے پاس یہ خبر لے کر آیا ہوں۔

عمیر کا رنگ غصے میں سرخ ہوگیا تھا اس نے ابونواس سے کہا۔

ابونواس لشکر کو کوچ کا حکم دے دو۔

ابونواس نے ایک سیاہ جھنڈی فضا میں لہرائی جس کے جواب میں جگہ جگہ سیاہ جھنڈیوں سے مخصوص اشارے ہوئے اور عمیر کا لشکر واپس مڑ کر شہر سے باہر نکلنے لگا۔

رکن الدین پھر بولا۔

آپ کا لشکر تھکا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر انہیں ستانے دیں پھر کوچ کریں میں بھی اپنے چند دستوں کے ساتھ آپ کے ساتھ چلوں گا۔

عمیر نے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑتے ہوئے کہا۔

یہ وقت آرام کرنے کا نہیں۔ میرے مٹھی بھر سپاہی قلعے میں محصور ہو کر بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے اپنے سپاہیوں کو ہمیشہ لگاتار گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرنے کی تربیت دے رکھی ہے۔ اس وقت جبکہ ہمارا مسکن دشمن کے حصار میں ہے وہ مرنے کو آرام پر ترجیح

دیں گے۔

رکن الدین نے بھی اپنا گھوڑا موڑ لیا۔

میں بھی اپنے لشکر کے ایک حصّے کے ساتھ آپ کے ساتھ جا

عمیر نے اسے روک دیا۔

آپ کے ذمہ ابھی یہاں بہت کام ہیں۔ آپ نے ابھی جنگی قیدی

کو سنبھالنا ہے میں اکیلا ان کرگسوں کے لیے کافی ہوں۔ انشاء اللہ بہت

آپ سنیں گے کہ صلیبی میرے آگے آگے لومڑیوں کی طرح بھاگ رہے

رکن الدین نے ایک اور پیشکش کی۔

تو پھر میرے لشکر سے اپنی ضرورت کے مطابق جتنے دستے بھی

مناسب سمجھیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

عمیر نے پھر انکار کر دیا۔

اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے کام میں لگ جائیے۔

ہی اس نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

مجھے اب اجازت دیں۔

رکن الدین نے اس سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد قاضی تاج الدین

ہاتھ ملا کر عمیر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر سے باہر نکلا۔ اس کا لشکر وہاں

ہی اس کا منتظر تھا۔ اور چند لمحوں بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ شمال کے

رُخ پر بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

فرانس کے بادشاہ لوئی کو اس کے بھائیوں کے ساتھ منصورہ

کاتب فخر الدین لقمان کے مکان میں رکھا گیا اور کچھ عرصہ بعد اسے اس

دوسرے ساتھیوں کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔

لوئی کے دوسرے امیر و رئیس تو یورپ روانہ ہو گئے خود لوئی

چلا گیا جو ساحل فلسطین پر ایک مشہور شہر ہے اور یہاں صلیبیوں کا

وقت ایک مضبوط قلعہ تھا۔ چونکہ شکست کی ذلت و رسوائی کے باعث

وہ وطن واپس نہ جانا چاہتا تھا لہٰذا چار سال تک وہ فلسطین میں رہ کر عیسائیوں

کے قلعوں کی مرمت کرکے انہیں مضبوط کرتا رہا۔ آخر فرانس کے رُوسا کے زور دینے

پر وہ چار سال کی طویل مدت کے بعد اپنی پیشانی پر شکست کا داغ لیے فرانس

چلا گیا۔

چاند اندھیری رات کے اس تھکے ہارے مسافر کی طرح مغربی افق کی طرف

جھک گیا تھا جو رات بھر بغیر کہیں قیام کیے سفر کرتا رہا ہو۔ ستاروں کی روشنی اب

نجلانے لگی تھی۔ مشرق سے سورج طلوع ہونے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اریطہ

قلعے کے مغربی برج میں کولان اور حمورا کے ساتھ کھڑی چاند کی روشنی میں قلعے کے

گرد پھیلے ہوئے صلیبی سپاہیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جنگ اس وقت رُکی

ہوئی تھی شاید صلیبی سپاہی اپنی تھکن گاہوں میں آرام کر رہے تھے۔

اریطہ بار بار اپنا رخ بدل کر جنوب کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔ شاید اسے

عمیر کی آمد کا انتظار تھا۔ لیکن مصر سے آنے والے راستے تو سنسان اور اداس

پڑے تھے۔ جہاں دریائے یرون زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں بہہ رہا تھا جس

کی ہلکی ہلکی لہروں کی تڑپ میں ایک آواز تھی۔ ایک صدا اور پکار تھی جیسے —

جیسے وہ رجز خوانی کر رہی ہوں۔ وہ دریائے یردن جس میں مسکن کے ملاح ہمہ

وقت جال اور جل کا کھیل کھیلا کرتے تھے۔ ویران پڑا تھا۔

سورج نے جب پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے ابھر کر دیکھا تو قلعے کے

گرد شور مچ گیا۔ صلیبی قلعے پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اریطہ کولان اور حمورا اس برج

سے نیچے اتر گئیں۔ اور بھاگتی ہوئی قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھیں جو

اس تنگ گھاٹی کے اندر تھا جسے پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

اس تنگ گھاٹی کے دونوں طرف جس کے اندر قلعے کا دروازہ تھا۔ پہاڑ

کی بلندیوں پر ہشام نے اپنے سپاہی پھیلا رکھے تھے۔ اریطہ کولان اور حمورا بھاگتی

ہوئی وہاں آ گئی تھیں۔

صلیبی سپاہی دماموں کی اوٹ میں حملہ آور ہوتے تھے اور قلعے کے

دروازے پر آتش باری شروع کر دی تھی وہ گندھک اور کوئلے کے شعلے بھی اس نیت سے دروازے پر پھینک رہے تھے کہ دروازے کو آگ لگا کر وہ قلعے کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ کیونکہ دروازے پر لوہے کی مضبوط پتریاں لگی تھیں جس کی وجہ سے وہ ان کی آگ سے محفوظ تھا۔

جب وہ یلغار کرتے ہوئے دروازے کے قریب آتے تو پہاڑوں کے اندر اپنی کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے موت کے مسافران پر تیروں، پتھروں، اُبلتے پانی، کوئلے کے دہکتے انگاروں اور گندھک کے شعلوں کی بوچھاڑ کر دیتے جس کی وجہ سے صلیبی لشکر کو بڑی مایوسی کی حالت میں ناکامی کا منہ دیکھتے ہوئے پسپا ہونا پڑتا تھا۔ اور یہ کھیل کئی دن سے جاری تھا۔ ہشام بڑی جرأت کے ساتھ ان بھیڑیوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ مسکن کی عورتیں بڑی جانفشانی سے پہاڑوں کے اُوپر پانی، کوئلوں کے انگارے پہنچا رہی تھیں۔ اریطہ کولان اور حمورا کی سرکردگی میں بے شمار جوان عورتیں دروازے کے دونوں جانب پہاڑوں کے اُوپر پتھروں کے ڈھیر جمع کر رہی تھیں۔

اچانک قلعے کے جنوبی برجوں میں زور زور اور دل ہلا دینے والی آوازیں میں نقارے بجنے لگے تھے۔ اور بیشمار دفیں ایک ساتھ پیٹی جانے لگی تھی۔ ہشام، اریطہ، کولان اور حمورا جو اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ اتنے میں قلعے کے جنوبی حصے کے محافظوں کا ایک بربری کمانڈار قلعے کی طرف منہ کر کے زور سے چلایا۔

ہماری فوج آگئی ہے۔ ہمارا لشکر لوٹ آیا ہے۔ آقا ہماری مدد کو پہنچ چکے ہیں۔ ہشام اریطہ، کولان اور حمورا نیچے اتر کر قلعے کے جنوبی حصے کی طرف بھاگنے لگے۔ کیونکہ اس کمانڈار کی آواز پر قلعے میں ہر جگہ کیا مرد کیا عورتیں زور زور سے لشکر کے آجانے کی خبر دوسروں تک پہنچا رہے تھے۔ قلعے کے دروازے کی حفاظت کرنے والے سپاہی اب پہلے سے بھی زیادہ تندی اور جوش و خروش کے ساتھ

دشمن پر زہریلے تیروں، آگ اور اُبلتے پانی کی بارش کرنے لگے تھے۔

جب وہ سب بھاگتے ہوئے جنوبی حصے میں آئے تو انہوں نے دیکھا قاہرہ کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر ان کا لشکر اپنے گھوڑوں کو مارتا دوڑاتا ان کی طرف بڑھ رہا تھا آگے عمیر تھا اور اس کی مفید عبا ہوا میں جنگی علم کی طرح اڑ رہی تھی۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے لشکر زیتون کے درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس عمیر کے اشارے پر رُک گیا۔ پھر لشکر کی طرف سے ایک جاسوس کبوتر نے پرواز کی اور پیغام رسانی کے برج پر آکر بیٹھ گیا۔ وہاں پہرہ دینے والا سپاہی فوراً وہ پیغام ہشام کے پاس لے گیا جس میں عمیر کی طرف سے ہشام کو تنبیہہ کی گئی تھی کہ جب تک اسے ابو نواس کی طرف سے سرخ جھنڈی کا اشارہ نہ ملے وہ قلعے سے باہر نہ نکلے اشارہ ملنے پر وہ صرف ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلے گا اور باقی سپاہی قلعے کے اندر ہی رہ کر قلعے کی حفاظت کریں گے۔ ہشام نے سیاہ جھنڈی لہرا کر پیغام کے مل جانے کا اشارہ کیا اور پھر سب وہیں کھڑے ہو کر اپنے لشکر کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے عمیر کے ساتھ الصّاعقہ، الزئب اور الاسد کے دستے حرکت میں آئے اور جنوب مغرب کے رخ پر وہ پہاڑی سلسلے کے اندر روپوش ہو گئے تھے۔ لشکر کے دوسرے دستے ابو نواس اور ہوازن کی کمان میں زیتون کے درختوں میں چھپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

عمیر اپنے لشکر کے ساتھ گلیل اور ناصرہ کے ان قلعوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو ابھی تک صلیبیوں کے قبضہ میں تھے اور وہاں سے نکل کر وہ صلیبی اس کے مسکن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ عمیر جب اس گرجے کے پاس سے گزرنے لگا۔ جس میں مریانہ اپنے راہب باپ کے ساتھ رہتی تھی تو اس نے لشکر کو روک دیا۔ اپنے گھوڑے کی باگیں دائیں طرف موڑتے ہوئے اس نے ایڑھ لگائی اور گھوڑا ہنہناتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھنے لگا تھا۔

گرجے کے پاس آکر وہ گھوڑے سے اترا اور تلوار کے دستے پر ہا
رکھتا ہوا وہ گرجے میں داخل ہوا۔ اندر بوڑھا راہب ایک لکڑی کی کھاٹ
لیٹا ہوا تھا اور مریانہ اس کے پاس اداس اداس بیٹھی ہوئی تھی۔ عمیر کو دیکھ
حسین مریانہ چونک کر کھڑی ہوگئی اور عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے
آپ ؟
عمیر آگے بڑھا اور ہمدردی سے پوچھا۔
کیا ہوا تمہارے باپ کو ؟
مریانہ کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔
یہ کئی روز سے بیمار ہیں۔
عمیر کچھ کہنے والا تھا کہ راہب نے کراہتے ہوئے مریانہ سے پوچھا
مریانہ! مریانہ! کون ہے ؟
مریانہ نے اپنے بوڑھے باپ کے قریب ہوتے ہوئے کہا موت
کے مسافروں کے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام ہیں۔
بوڑھے راہب نے آہستہ آہستہ اپنا سر اوپر اُٹھایا اور رحم طلب نگا
سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
آپ یہاں ؟
عمیر نے آگے بڑھ کر راہب کا بازو تھام لیا اور پھر چونکتے ہوئے
آپ کو تیز بخار ہے۔ ٹھہریے میں اپنے طبیب کو بلاتا ہوں۔ عمیر بھاگتا ہوا گر
سے باہر آیا اور اپنے دونوں ہاتھ منہ پر جمانے کے بعد اس نے شیبان
پکارا۔
چند ہی لمحوں بعد شیبان اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ اور عمیر کے قر
رک کر نیچے اترتے ہوئے پوچھا۔
مجھے پکارا آپ نے ؟
ہاں۔ میرے ساتھ آؤ۔ گرجے کے اندر مریانہ کا باپ اور اس گ

راہب سخت بخار میں مبتلا ہے اسے ذرا دیکھو ـــــ شیبان نے گھوڑے کی زین
سے لٹکتا ہوا اپنی دوائیوں کا تھیلا اتار لیا۔ اور عمیر کے ساتھ وہ گرجے میں داخل ہوا
مریانہ انہیں دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی اور ایک طرف ہٹ گئی۔
شیبان نے راہب کی نبض کا جائزہ لیا پھر عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے
اس نے کہا۔
ایسی فکر کی کوئی بات نہیں میرے آقا! موسمی بخار ہے۔ میں دوائی دیتا
ہوں چند روز تک بخار اتر جائیگا۔ شیبان نے چند سفوف ملا کر دوائی بنائی اور
مریانہ سے پانی منگوا کر اس نے دوا راہب کو پلا دی۔ عمیر پھر شیبان سے مخاطب ہوا
شیبان! تم واپس لشکر میں جاؤ اور کسی اچھے طبیب کو میرے پاس بھیج
دو وہ یہاں رہ کر راہب کی تیمارداری کرے گا۔ مریانہ کو میں ایک اہم کام سونپنا
چاہتا ہوں ـــــ شیبان باہر نکل گیا اور عمیر نے مریانہ سے کہا۔
کیا تم جانتی ہو گلیل اور ناصرہ کے صلیبی میرے مسکن کا محاصرہ کر چکے ہیں۔
اور میرے قلعے پر وہ آگ برسا رہے ہیں۔ میرے مسکن کے سب لوگ قلعے کے اندر
محصور ہو چکے ہیں۔ اور صلیبیوں نے قلعے سے باہر ہماری چند بستیوں کو آگ
لگا کر جلا دیا ہے۔
مریانہ نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
مجھے افسوس ہے میں یہ خبر آپ تک نہ پہنچا سکی۔ اگر میرا باپ بیمار نہ ہوتا
تو میں آپ کو اس حملے کی اطلاع پہنچانے منصورہ بھی پہنچ جاتی۔
عمیر آگے بڑھا اور مریانہ کے قریب ہوتا ہوا بولا۔
تم اب بھی میرے لیے بہت کچھ کر سکتی ہو۔
آپ حکم دیں میں اسے ضرور انجام دوں گی۔
اسی وقت صلیبیوں کے اس لشکر کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ جو میرے
مسکن کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اور اس کے سپہ سالار سے یہ خبر کہو کہ گلیلی کے
میدان میں موت کے مسافر اپنے سالار اعلیٰ کی سرکردگی میں تباہی مچا رہے ہیں

اور انہوں نے بستیوں کو آگ لگانا شروع کر دی ہے میں ابھی یہاں سے اپنے
لشکر کے ساتھ کوچ کر دونگا اور گلیل کے میدان میں صلیبیوں کی بستیوں کو تاراج
دونگا کیونکہ انہوں نے میری بستیوں کو جلا کر ویران کر دیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی صلیبی
لشکر فوراً محاصرہ اٹھا کر گلیلی کے میدان کی طرف بڑھے گا۔ اور پھر کھلے میدان میں
انہیں میں کھیرے کی طرح کاٹ کر رکھ دونگا۔ اپنے باپ کی بیماری کے متعلق تم
بے فکر رہو۔ میں یہاں ایک طبیب چھوڑ کر جا رہا ہوں جو تمہارے باپ کا
علاج کرتا رہے گا۔

اتنی دیر تک شیبان ایک طبیب کو لے کر آگیا جسے راسب کے پاس
بٹھا دیا گیا۔ مریانہ نے گرجے سے ملحقہ ایک چھپر کے نیچے سے اپنا گھوڑا
جس پر زین پہلے ہی رکھی ہوئی تھی۔ مریانہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور عمیر کے
مسکن کی طرف اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑانے لگی۔

عمیر نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا اور راستے میں
کہیں رکے اور قیام کیے بغیر وہ گلیلی کے میدان میں آیا جہاں صلیبیوں کی بیشمار
بستیاں تھیں۔ عمیر ایک طرف سے شروع ہوا اور مرد عورتوں کو باہر نکال کر انہوں
نے بستیوں کو آگ لگانا شروع کر دی تھی۔ اس کے سپاہی صلیبی بستیوں میں
اس طرح چھا گئے تھے جس طرح فضاؤں کے اندر اپنے شکار کو تلاش کرتے ہوئے
شاہین تیرتے پھرتے ہیں۔ بستیوں کے اندر سے آگ اور دھوئیں کے بادل
اٹھنے لگے تھے اور ان میں سے جان بچا کر بھاگنے والے مرد عورتوں کی چیخیں
بھی شامل ہو کر ماحول کو اور زیادہ عبرتناک بنا گئی تھی۔

مریانہ اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی عمیر کے قلعے کے گرد پھیلے ہوئے صلیبی
لشکر میں داخل ہوئی وہ اپنا وہی روایتی سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ اور
میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ صلیبی سپاہی بڑے احترام سے اس کا

استقبال کر رہے تھے۔

چند سپاہیوں کی راہنمائی میں مریانہ اطلس کے پردوں والے ایک
خیمے میں داخل ہوئی جس کے اندر صلیبی سپہ سالار اپنے چند جرنیلوں کے ساتھ
بیٹھا تھا۔ ساتھ وہ جنگ کے متعلق انہیں ہدایات جاری کر رہا تھا۔ مریانہ کو
دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا اور بڑے ادب سے کہا۔

میں مقدس مریم کی راہبہ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا آپ ہمارے
لیے کوئی اچھی خبر لے کر آئی ہیں۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ کے اشارے سے
مریانہ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن مریانہ اسی طرح کھڑی رہی پھر اس نے اپنی آواز
میں دکھ ہمدردی اور غم کے عناصر پیدا کرتے ہوئے کہا۔

میرے پاس بیٹھنے کو وقت نہیں۔ میں تمہارے لیے ایک بری خبر
لے کر آئی ہوں ایسی آزار کشیدہ خبر جس کی وجہ سے تمہارے اس مقدس کام
میں رکاوٹ پڑ جائے گی۔ جو تم نے شروع کر رکھا ہے۔

سالار نے چونک کر پوچھا۔

وہ کون سی ایسی خبر ہے جس سے ہماری اس یلغار پر اثر پڑیگا کیا قلعہ میں
محصور مسلمانوں کے لیے کہیں سے کمک پہنچ گئی ہے۔

نہیں

پھر مقدس راہبہ کا اشارہ کس طرف ہے۔

مریانہ نے مغموم سی آواز میں کہا۔

گلیلی کے میدان میں ہماری بستیوں کے اندر موت کے مسافروں کے
سالار اعلیٰ نے اپنے لشکر کے ساتھ تباہی مچا دی ہے۔ اور دور دور تک اس
نے ہماری بستیوں کو نذر آتش کر دیا ہے۔ اگر آپ بروقت اس کی سرکوبی کو روانہ
نہ ہوئے تو خدشہ ہے۔ وہ گلیل اور ناصرہ کے قلعوں کا محاصرہ بھی کر کے
ان کی رسد اور کمک کے سارے راستے کاٹ دے گا۔ اور اس صورت میں
وہ ہمیں ایسا نقصان پہنچائیگا جس کی تلافی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگی۔

سالار نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ تو فرانسیسی فوجوں سے لڑنے منصورہ گیا ہوا ہے۔

وہ وہاں سے لوٹ آیا ہے اور گلیلی کے میدان کو اپنا پہلا ہدف بنا کر جنگ کی طرح ڈالی ہے۔

سالار نے بیتابی کا اظہار کیا۔

لوئی کے لشکر کا کیا ہوا۔

منصورہ کے میدان میں ہمیں شکست ہوئی۔ لوئی اپنے بھائیوں الفانسو اور کاؤنٹ آف انجو کے ساتھ گرفتار ہو چکا ہے۔ شاید یسوع مسیح ہم سے خفا ہے جو ہمارے صلیبی لشکر کو یوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

صلیبی سالار نے اپنے ایک جرنیل کی طرف دیکھتے ہوئے سخت اور غصیلی آواز میں کہا۔

محاصرہ اٹھا کر لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ گلیلی کے میدان میں آنے والی رات کی تاریکی میں ہم موت کے مسافروں پر جان لیوا شب خون ماریں گے۔ مربانہ باہر نکلی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ اپنے گرجے کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ صلیبی لشکر تھوڑی دیر بعد گلیلی کے میدان کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

جب عمیر اپنے لشکر کے ساتھ پہاڑی سلسلے کے اندر روپوش ہو گیا تھا تو قلعے کے جنوبی حصے پر کھڑی اریطہ نیچے اتری اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی ایک نگاہ اپنے معصوم بچے مغیث پر ڈالی جو بستر میں گہری نیند سو رہا تھا۔ مطمئن ہو کر اریطہ پھر پلٹی اور ہرنی کی طرح بھاگتی اور پھلانگتی ہوئی پھر قلعے کے جنوبی حصے کی طرف چڑھ گئی۔ جہاں ہشام، کولان اور حمورا پہلے ہی کھڑے تھے۔ اور ان کا دھیان قلعے کے نیچے درختوں کے جھنڈ میں چھپے ہوئے اپنے لشکر کی طرف تھا۔ انہیں ابوالواس کی طرف سے سرخ جھنڈی کے اشارے

کا انتظار تھا۔

صلیبی لشکر جب محاصرہ اٹھا کر جنوب مغرب کے رُخ پر روانہ ہوا تو ابوالواس نے فضا میں سُرخ جھنڈی لہرائی۔ ہشام بھاگتا ہوا نیچے اترا۔ اور قلعے کا انتظام ایک بربری کماندار کے ہاتھ میں دیکر وہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلعے سے نکلا۔ دوسری طرف ابوالواس اور ہوازن بھی صلیبی لشکر کا تعاقب شروع کر چکے تھے۔ ہشام بھی ان کے ساتھ آن ملا تھا۔

اب صلیبی لشکر کے بائیں طرف پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر ہشام اور دائیں طرف ہوازن دو ہزار سواروں کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ اور دو ہزار سواروں کے ساتھ ابوالواس پشت پر تعاقب میں لگ گیا تھا۔ صلیبی لشکر اس تعاقب سے بے خبر بڑی تیزی سے گلیلی کے میدان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

صلیبی لشکر جب پہاڑوں سے گھرے ہوئے ایک میدان میں سے گزر رہا تھا تو ایک دم چونک کر رک گیا ان کے سامنے عمیر اپنے چار ہزار سواروں کے ساتھ ان کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ صلیبیوں نے دیکھا چار ہزار موت کے مسافر اپنے سالار کی سرکردگی میں اس طرح ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے۔ جیسے جنگل کا کوئی درندہ شکار کیے جانے والے جانور کی طرف دیکھتا ہے۔ تاہم وہ مطمئن تھے کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار تھی اور موت کے مسافر صرف چار ہزار

عمیر نے اپنی تلوار فضا میں لہرائی اور جواب میں اس کے سپاہیوں نے اپنی دھاڑتی ہوئی آوازوں میں تکبیر بلند کی اور اس کے ساتھ ہی عمیر آگے بڑھ کر حملہ آور ہوا صلیبی بھی آگے بڑھ کر حملہ آور ہوتے تھے۔ لیکن موت کے مسافر جنہوں نے گھوڑے کی پیٹھ پر زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا۔ ان پر کہیں بوجھل ثابت ہوتے تھے۔ وہ درندوں کی طرح حملہ آور ہوتے تھے اور بگولوں کی طرح اپنا اپنا آپ بچا جاتے تھے۔

جنگ کی بھٹی جب ذرا گرم ہوئی تو دائیں بائیں اور پشت سے ابوالواس

ہوازن اور ہشام اپنے اپنے سواروں کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ صلیبی صرف تھوڑی دیر تک مقابلے میں ٹھہر سکے۔ اور جب چاروں طرف سے موت کے مسافروں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا تو وہ دائیں طرف ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے عمیر نے اپنے لشکر کے ساتھ دور تک ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے بہت کم سپاہی جان بچا کر گلیل کے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے مسکن کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

اوغدائی کے بعد اس کا بیٹا قویوق جو تاتاریوں کا خاقان بنا فطری طور پر ضعیف تھا۔ اکثر علیل رہتا تھا اس کے باوجود کثرت سے شراب پیتا اور جوان و حسین لڑکیاں اپنے خیمے میں جمع کیے رکھتا تھا۔ اس عیاشی سے اس کی صحت اور بگڑ گئی اور وہ مالیخولیا کا مریض ہو گیا۔

اس نے اپنے چچازاد بھائی باتو اور برقائی کو پیغام بھیجا کہ وہ دشت میں آ کر قرولتائی میں شریک ہوں جو قاصد پیغام لیکر گیا تھا اس نے آ کر بتایا کہ باتو نے کہا ہے میری ٹانگوں میں درد ہے۔ میں قرولتائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

قویوق پہلے ہی باتو کے خلاف تھا۔ قرولتائی میں شرکت سے انکار کا اسے بہانہ مل گیا۔ اور اندر ہی اندر اس نے باتو اور برقائی سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

کوچ کے وقت اس نے اعلان کیا کہ وہ اپنی بیماری کی خاطر کچھ دن شاہینوں کی جھیل۔ (بحرہ کیسپین) کے کنارے گزارنا چاہتا ہے۔ اور شاہینوں کی جھیل کے بالائی میدانوں میں دریائے وولگا کے کنارے باتو اور برقائی تھے۔ سیور قطنی کے سوا

کوئی بھی قویوں کی اس سازش کو بھانپ نہ سکا۔ حسین اور نوکی سیورقطنی جان گئی تھی کہ قویوق باتو سے جنگ کرنے نکلا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک قابل اعتبار ہرکارے کے ہاتھ باتو کو اس حملے سے آگاہ کر دیا۔ اور دریائے دولگا کے کنارے باتو بھی جنگ کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔

بیرونی دشمنوں پر ضرب لگانے سے پہلے قویوق پہلے باتو کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا تھا۔ میمنہ اور میسرہ سمیت پورے شاہی لشکر کے ساتھ اس نے کوچ کیا اس کی ماں توراکینہ اس کی بیوی اغول، سیورقطنی اور اس کے بیٹے منگو اور قبلائی بھی اس لشکر میں شامل تھے۔

سامان سے لدے ہوئے اونٹوں، گھوڑوں، بیل گاڑیوں اور جنگی رتھوں پر مشتمل یہ لشکر دریائے کیرولان کی سرزمین سے نکلا اور صحرائے گوبی کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا۔ ٹنڈرا اور قطب شمالی کی تاریکیوں سے آنے والی کالی آندھیوں اور صحرا کے اندر اڑتے ریت کے گرداب سے بچنے کیلئے جانوروں کے منہ پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ گوبی کے اندھے صحرا کے بھوتوں کو بھگانے کے لیے لشکر کے اندر جگہ جگہ زور زور سے نقارے بج رہے تھے۔

وہ اس شاہراہ پر جا رہے تھے جو دریائے کیرولان سے نکل کر صحرائے گوبی سے ہو کر کوہ الطائی کے پہاڑوں کے اندر بل کھاتی۔ سی بیر کے جنگل سے ہوتی ہوئی جھیل بالکش کے جنوب بحرہ آرال اور بحرہ قزوین کے شمال سے ہو کر دریائے یورال، دریائے دولگا، دریائے ڈان اور دریائے نیپر کے پلوں کو عبور کرتی ہوئی دریائے ڈینیوب کے اس پار چلی گئی تھی۔

جب لشکر صحرائے گوبی اور کوہ الطائی کے پہاڑی سلسلے کے سنگم پر آیا تو قویوق مر گیا۔ ساری سڑکیں بند کر دی گئیں۔ منزلوں کی طرف کوچ کرتے مسافر روک دیئے گئے۔ مسافروں کو سراؤں کے اندر زبردستی روک لیا گیا تاکہ خاقان کی موت کا کسی کو علم نہ ہو۔

پھر قویوق کی ماں توراکینہ اور بیوی اغول نے باتو کو پیغام بھجوایا کہ قویوق مر چکا ہے۔ یہ پیغام اس لیے بھجوایا گیا کہ وہ باتو سے قریب تھے۔ باتو نے کہلا بھیجا کہ میرے گھوڑے آرام کر رہے ہیں اور یہ کہ میری ٹانگ میں درد ہے اور مجھے سفر نہ کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر سیورقطنی نے عقلمندی سے کام لیا اس نے اپنے دو بڑے بیٹوں منگو اور قبلائی کو باتو کی بیمار پرسی کے لیے روانہ کر دیا۔ باتو ان دونوں کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے پیش آیا کیونکہ ان کی ماں نے انہیں قویوق کے حملے کی پوری اطلاع کر دی تھی اور وہ اس کا ممنون تھا۔

ادھر سیورقطنی نے لشکر کو یہ مشورہ دیا کہ چنگیز کے پوتوں میں چونکہ باتو سب سے بڑا ہے۔ اس لیے نئے خاقان کے چناؤ کے لیے اس کے پاس قرولتائی منعقد کی جائے توراکینہ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ آجتک تاتاری دشت سے باہر کبھی قرولتائی نہیں ہوئی لہٰذا نئے خاقان کا چناؤ اپنے دشت میں جا کر ہو گا۔

اس پر چنگیز کے بیٹوں اوغدائی اور تولائی کی بیویوں میں اختلاف ہو گیا۔ لشکر کے زیادہ حصے نے سیورقطنی کا ساتھ دیا اور وہ لشکر کے اس حصے کے ساتھ دریائے دولگا کے کنارے باتو کی طرف کوچ کر گئی۔

توراکینہ اور قویوق کی بیوی اغول لشکر کے تھوڑے سے حصے کے ساتھ دشت کی طرف لوٹ گئیں اور اپنے ساتھ قویوق کی لاش بھی لیتی گئیں۔

باتو کے پاس قرولتائی منعقد ہوئی۔ تاتاری جرنیلوں نے مشورہ دیا کہ باتو جو سب سے بڑا ہے۔ خاقان چن لیا جائے لیکن باتو نے خاقان بننے سے انکار کر دیا اور نئے خاقان کے لیے منگو کا نام پیش کیا۔

پہلے پہل رسمی طور پر منگو نے بھی انکار کیا لیکن اس کا چھوٹا بھائی قبلائی جو دل سے چاہتا تھا کہ اس کا بڑا بھائی خاقان بنے چلا کر بولا۔ منگو اکیلا کیسے باتو خان کے مشورے کو رد کر سکتا ہے اسے یہ خدمت قبول کرنا ہو گی اور یوں منگو نے

خاقان بننا قبول کر لیا۔

اس کے بعد باتو نے حکم دیا کہ ساری فوجیں منگو اور قبلائی کی سرکردگی میں واپس قراقرم جائیں وہاں سے سارے رشتہ داروں کو دعوت نامے بھیج کر قوروتائی منعقد کی جائے اور منگو کی تاج پوشی کی جائے۔ سیورقطتی اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ برسوں سے وہ امید لگائے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں اور لشکر کے ساتھ قراقرم واپس چلی گئی۔ اور سارے رشتہ داروں کو منگو کی تاج پوشی میں حصہ لینے کے لیے دعوت نامے بھیج دیئے۔

●

سیورقطتی دو سال تک انتظار کرتی رہی لیکن اوغدائی کے بیٹے قائدو اور قدآن اور چغتائی کا بیٹا بوری جو دشت سے باہر تھے تاج پوشی میں شرکت کرنے نہ آئے سیورقطتی نے باتو کو پیغام بھیجا کہ میں دو سال سے انتظار کر رہی ہوں لیکن اوغدائی اور چغتائی کے بیٹے تاج پوشی میں شرکت کے لیے نہیں آ رہے۔ باتو نے پیغام بھیجا کہ منگو کی تاج پوشی کرا دو جو انحراف کرے اس کا سر قلم کرا دو۔ ساتھ ہی اس نے اپنے چھوٹے بھائی برقائی کو قراقرم بھیجا تاکہ وہ اس کی طرف سے تاجپوشی کے جشن میں شرکت کرے۔

برقائی کی صدارت میں تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی اور منگو کو خاقان بنا لیا گیا۔

تاجپوشی کی رسم کے دوران ہی اوغدائی اور چغتائی کے بیٹوں قدآن اور بوری نے منگو اس کے بھائیوں اور برقائی کو قتل کرنے کی ایک سازش کی خبر وقت سے پہلے ہی ایک جاسوس نے منگو کو پہنچا دی منگو برقائی، قبلائی اور ہلاکو فوراً حرکت میں آئے قویوق کی بیوی کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

قدآن کو قراقرم سے باہر ایک چراگاہ میں جلاوطن کر دیا گیا اور بوری کو باتو کے پاس بھیج دیا گیا۔ بوری جب باتو کے سامنے پیش ہوا تو اس نے منت سے کہا سوبودائی کے ساتھ جب آپ مغرب پر حملہ آور ہونے والے لشکر کے

اعظم تھے اور میں نے آپ کو بڑھیا کہا تھا اس وقت میں شراب کے نشے تھا۔

باتو نے غصے میں کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نشے میں کہی ہوئی بات تمہیں یاد رہے۔ اور اس نے کو قتل کر دیا۔ اس طرح منگو خاقان بن گیا۔ اور اس نے مغرب کے وسیع وں اور پورے روس پر باتو برقائی اور ان کی اولاد کی ہمیشہ کے لیے حکمرانی ل کر لی۔ کیونکہ باتو اور برقائی اس کے محسن تھے انہوں نے ہی اسے خاقان تھا۔

اب ایشیا اور یورپ کی حکومتیں منگو خان کے رحم و کرم پر تھیں اس کی ح پر اگلے مغلوں جیسی تھی اس کے ہاتھ میں اس نے بیرونی دنیا کی حکمت عملی سیکھ لی تھی۔ وہ مستقل مزاج اور اٹل تھا۔ چنگیز خان کی قانونی کتاب یاسا خت پابند تھا۔ اس نے چنگیز خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نئی فتوحات غاز کیا۔

اپنے ایک بھائی قبلائی کو چین فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ایک لشکر کو دریا دوسرا شمالی ہند کے پہاڑوں کو عبور کر کے لاہور پر حملہ آور ہوا اور پھر ایک تور فوج کے ساتھ اس نے ہلاکو کو مسلمانوں کی قوتوں کو ختم کرنے کے لیے روانہ روانگی سے قبل اس نے ہلاکو کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی ڈوقوزخ کے مشورہ پر ا کرے حسن بن صباح کے فدائیوں، بغداد اور مصر کی حکومتوں کو روند ڈالے۔ انے ہلاکو سے کہا کہ وہ مشہور منجم نصیرالدین طوسی کو میرے پاس بھیج دیا۔ شاید اس سے زندگی کے ان رازوں کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔ جن کے متعلق تاؤمت ذہب کے سرخ پوش لاما اسے کچھ نہ بتا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس فرانس کے بادشاہ لوئی کو پیغام بھیجا کہ ہلاکو مسلمانوں کو تباہ کرنے نکلا ہے اور اس کی مدد کرو۔ لیکن اس بداندیش خاقان کو یہ خبر نہ تھی کہ منصورہ کے میدان ناشکست کھا کر لوئی ابھی تک اپنی بدترین ہزیمت کے زخم چاٹ رہا تھا۔

بہر حال ہلاکو ایک عظیم لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ چار
گھوڑوں کی ایک بگھی پر لکڑی سے بنا ہوا ایک گرجا بھی تھا جس میں اس کی
بیوی دوقوزہ عبادت کرتی تھی۔ اور اس گرجے میں عبادت کے وقت لکڑی
کے باجے بجائے جاتے تھے۔ سوبودائی کے بعد سب سے طاقت ور اور
بہادر تاتاری جرنیل قط بوغا سپہ سالار خاص کے طور پر ہلاکو کے ساتھ تھا۔ یہ
بھی عیسائی تھا۔ اس طرح ہلاکو ایک ایسے لشکر کے ساتھ مسلم ممالک کی تسخیر
کے لیے روانہ ہوا جس پر عیسائیت کا غلبہ تھا۔ اپنی بیوی حسین دوقوزہ کو اس
نے اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور اسے مجلس مشاورت کا ممبر بھی بنا لیا۔

اس طرح ہلاکو اپنے جنگی رتھ پر سوار جنوب کی طرف بڑا۔ صحرائے
گوبی اور کوہستان الطائی میں سے گزر کر اس نے تبت کے برفزاروں کا چکر
کاٹا اور آندھی اور طوفان کی طرح سمرقند کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سورج اجالوں پر اپنی آخری ضرب لگاتا ہوا غروب ہو رہا تھا، پھر چاروں طرف
پھیل گئی۔ ستارے ٹمٹماتے ہوئے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے
آسمان کے حاشیے شفق رنگ میں ڈھل گئے تھے اور فضاؤں میں اوس پڑنے
لگی تھی۔ چار سوار جنہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔ موصل سے طلم کی
طرف اپنے گھوڑے دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔

رات کی تاریکی میں راستے کا تعین کیے بغیر وہ بنجر زمینوں سے گزرتے جا رہے
تھے۔ شاید وہ کسی مصلحت کے تحت موصل سے طلم کی طرف جانے والی سڑک کو چھوڑ
کر ہی دور اس کے متوازی سفر کر رہے تھے۔

عشاء کی اذان سے قبل ہی وہ طلم پہنچ گئے اور قلعے کے دروازے پر دستک
دی۔ پہریداروں نے چھوٹا دروازہ کھولا اور ان میں سے ایک نے سر باہر نکال کر
پوچھا۔

"کون ہے؟"

ان چار اجنبیوں میں سے ایک بھاری آواز میں بولا:

ملے: یہ ہلاکو کی سوتیلی ماں تھی اپنے باپ کے مرنے پر ہلاکو نے اس سے شادی کر لی تھی۔
یہ عیسائی تھی اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھی ہر وقت ہلاکو کو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔

عطا: نصیر الدین اس دور کا مشہور منجم تھا لیکن عیاش اور بے غیرت تھا ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کو اس نے کہا تھا۔ بغداد کے وزیر ابن علقمی کے ساتھ مل کر اس نے ہلاکو کے لیے بغداد کے دروازے کھولے دیئے۔ قلعہ الموت میں شیخ الجبل کا ملازم تھا۔

دروازہ کھولو!

پہریدار نے سخت لہجے میں کہا۔

تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو، گو تم چاروں ہمارے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں بن سکتے۔ اس کے باوجود اپنے سالار کے حکم پر ہم تمہاری تلاشی کرنے کے پابند ہیں۔

پھر وہی بھاری آواز سنائی دی۔

میں موصل کا والی بدرالدین لولو ہوں اور ایک نہایت اہم کام کے سلسلے میں تمہارے امیر سے ملنا چاہتا ہوں۔

قلعے کا دروازہ کھل گیا اور چاروں اجنبی اندر داخل ہوئے۔ پہریداروں میں سے ایک ان کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں اندر لے گیا۔ ایک جگہ اس نے چاروں گھوڑوں سے اترنے کو کہا۔ وہ اپنے گھوڑوں سے اتر گئے اور پہریدار انہیں لے کر ایک عمارت میں داخل ہوا۔ ایک لمبی راہداری طے کرنے کے بعد اس نے ایک دروازہ کھولا۔ اندر جابر اور رباح بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ پہریدار جابر کو مخاطب کر کے کہا:

یا امیر! موصل کے والی بدرالدین لولو آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

جابر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

انہیں اندر لے آؤ۔

وہ چاروں اجنبی ابھی تک اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے۔ انہوں نے اپنے نقاب ہٹا دیئے اور ان میں سے ایک جو ادھیڑ عمر کا تھا، جابر اور رباح کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

میں موصل کا والی بدرالدین لولو ہوں۔ تم دونوں میں سے ظلم کا حاکم کون ہے جس کا نام جابر ہے۔

جابر نے آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

میرا نام جابر ہے اور میں قلعہ کا حاکم ہوں۔ ساتھ ہی اس نے رباح کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا۔

یہ میرا نائب ہے اور اس کا نام رباح ہے۔ رباح نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اور چاروں کو کمرے کے وسط میں کرسیوں پر بٹھایا۔

بدرالدین بیٹھتے ہوئے بولا:

میں ایک اہم کام کے تحت بڑی رازداری سے موصل چھوڑ کر یہاں آیا ہوں۔ میرے شہر میں کسی کو میری اس اچانک روانگی کا علم نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ کتنے دنوں میں تم میرا ایک پیغام اپنے سالار اعلیٰ کو پہنچا سکتے ہو؟

جابر نے مسکراتے ہوئے کہا

صرف چند ساعتوں میں

کس طرح؟

اسے آپ چھوڑیئے آپ پیغام کی نوعیت بتائیں۔

کیا تم جانتے ہو تاتاریوں کا سالار چارمغان[1] فالج کے حملے میں مر گیا ہے اور اس کی جگہ دشتِ تاتار سے ایک اور تاتاری جرنیل بائیڈو ان علاقوں کا سالار مقرر ہوا ہے۔

میں جانتا ہوں اور اس کے دو ہزار سپاہیوں کو جو باؤلے کتوں کی طرح چند مسلم بستیوں کو تاراج کرتا چاہتے تھے۔ میں یہاں سے مشرق کی طرف دس میل کے فاصلے پر شکست بھی دے چکا ہوں۔

بدرالدین نے بڑی مایوسی سے کہا

تو پھر وہی بائیڈو بیس ہزار سواروں کے ساتھ موصل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ جنگی رتھیں، قلعہ شکن سامان اور آگ پھینکنے والی منجنیقیں بھی ہیں۔ بحرہ قزوین کے کنارے کنارے وہ ادھر کا رخ کر رہا ہے۔ یہ اطلاع میرے ان جاسوسوں نے دی ہے جو اپنی آنکھوں سے اس لشکر کو کوچ کرتے دیکھ چکے ہیں۔ اگر تم اپنے سالار اعلیٰ کو اس کی اطلاع کر دو اور وہ اپنے لشکر کو لے کر ہمارے ساتھ پہلو بہ پہلو تاتاریوں کی

[1] چارمغان فالج کے حملے میں مر گیا تھا اور اس وقت کے خاقان تولوق نے ایک جرنیل بائیڈو کو مسلمانوں کے ان مقبوضہ علاقوں کا سالار بنایا تھا۔

اس یورش کے سامنے کھڑا ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ ہم انہیں روک کر پسپا
پر مجبور کر دیں گے اور اس صورت میں ہم موصل کے لاکھوں مسلمانوں کی جان و
اور عزت کی حفاظت کر کے ملت کا ایک اہم فریضہ ادا کریں گے۔

جابر نے فیصلہ کن انداز میں کہا:

ہر جگہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا ہمارے گروہ کا اولین فرض ہے
آج ہی اپنے آقا کو پیغام بھیجتا ہوں اور آپ دیکھیں گے چند دن بعد اپنے لشکر
ساتھ وہ موصل میں ہوں گے۔

بدرالدین کھڑا ہو گیا۔

میں چلتا ہوں۔ میں نے بڑی رازداری کے ساتھ موصل چھوڑا تھا اور فی الحال
واپس پہنچنا میرے لیے بے حد اہم ہے۔ تاتاریوں کے متوقع حملوں کے پیش نظر
میں طرح طرح کی افواہیں اٹھتی رہتی ہیں اور اگر یہ خبر بھی کہیں اڑ گئی کہ میں شہر چھوڑ
چلا گیا ہوں تو لوگ حواس باختہ ہو کر موصل سے بھاگنا شروع کر دیں گے کیونکہ تاتا
ان کی نفسیات پر اس طرح حاوی ہیں جس طرح معصوم بچوں کے ذہن پر بھوت

جابر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

آیئے میرے ساتھ پہلے کھانا کھایئے پھر میں آپ کو رخصت کر دوں گا۔

بدرالدین نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا

ہم کھانا کھا کر چلے تھے تم ان تکلفات میں نہ پڑو۔

مجھے دکھ ہو گا کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔

بدرالدین نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

تم لوگوں کی یہ خدمت کیا کم ہے کہ تم جگہ جگہ مسلمان قافلوں اور بستیوں کی
حفاظت کے امین ہو۔

جابر اور رباح کی رہنمائی میں وہ کمرے سے نکلے۔ راہداری میں چلتے
بدرالدین پھر بولا

میرے پاس تمہارے لیے ایک اور اہم خبر بھی ہے۔

جابر نے چونکتے ہوئے پوچھا:

وہ کیا؟

قزوین شہر کا قاضی شمس الدین قزوین کے چند اکابر کے ساتھ تاتاریوں کے دشت
میں گیا تھا اور اس نے منگو سے التجا کی تھی کہ ہمیں فدائین کے مظالم سے نجات دلائی
جائے کیونکہ ان دنوں قزوین اور اردگرد کے دوسرے شہروں میں فدائین نے تباہی
مچا رکھی ہے اور اب سنا گیا ہے کہ منگو نے ایک جرار لشکر کے ساتھ اپنے چھوٹے
بھائی ہلاکو کو فدائین کا استقبال کرنے کو بھیجا ہے اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ان دنوں
الموت کی طرف بڑھ رہا ہے۔

جابر نے فکرمند لہجے میں کہا

یہ سب سے بری خبر ہے۔ ہم بھیڑیوں کو خود اپنے گھروں میں داخل ہونے
کی دعوت دے رہے ہیں۔ میں یہ ساری اطلاعات اپنے آقا کو پیغام میں لکھ
بھیجوں گا۔ وہ سب چلتے ہوئے اس جگہ آ گئے تھے جہاں ان چاروں کے
گھوڑے کھڑے تھے۔ امیر بدرالدین اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ سوار ہوا۔ قلعے
سے باہر وہ نکلے اور موصل کے رخ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

جابر اور رباح واپس اسی کمرے میں آئے۔ دونوں نے مل کر عمیر کے نام ایک
پیغام لکھا اور اسے جاسوس کبوتر کے پاؤں سے باندھ کر فضا میں چھوڑ دیا۔

○

رات کا کافی حصہ بیت چکا تھا۔ بردن کے آسمان اور ستارے پوری آب و
تاب سے چمک رہے تھے۔ عمیر کے مسکن میں دور دور تک خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔
قلعے سے باہر اور دور دور تک چاروں طرف نکلنے والے راستوں پر اور
قلعے کے برجوں پر پہرہ دینے والے شاہین باری باری جاگ رہے تھے۔ دریائے
بردن اسی طرح بہہ رہا تھا اور مسکن کے مچھیرے نکھری چاندنی میں جال پھینک پھینک
مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ فضا میں خاموشی، تنہائی اور ایک یکسوئی تھی۔

قلعے کے اندر جاسوسی کے برج پر پہرہ دینے والے سپاہیوں میں سے ایک
انگڑائی کے ساتھ برج کی سیڑھیاں اتر کر میدان میں اترا اور رکے بغیر عمیر کے مکان
کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ شاید کوئی غیر معمولی حادثہ رونما ہوا تھا۔ پہریدار کے ایک

ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی اور دوسرے میں ایک کاغذ تھا۔ شاید کوئی پیغام لا
پکار ہو ــــ

عمیر کے مکان پر آکر پہریدار نے دروازے پر دستک دی، پھر عمیر کے کمرے
دروازہ کھلا اور وہ اپنی عبا پہنتا ہوا باہر نکلا۔ ابونواس اور ہوازن بھی اپنے کمرو
نکل آئے تھے۔ عمیر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے پہریدار
پوچھا ــــ

"کیا ہوا؟"

پہریدار نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ عمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"میرے آقا! ظلم سے جابر کا ایک پیغام آیا ہے۔"

عمیر نے کاغذ لے لیا۔ پہریدار نے مشعل آگے بڑھائی اور اس کی تیز روشنی
عمیر، ابونواس اور ہوازن جابر کی تحریر پڑھ رہے تھے۔

کاغذ تہہ کرتے ہوئے عمیر نے بھاری آواز میں پہریدار سے کہا

تمہارے پھونک دو۔ ابتلا کی اس گھڑی میں بدرالدین لولو کو ہم تنہا نہیں چھ
گے۔ ہشام کو بھی یہ پیغام پڑھا دو۔

پہریدار جب چلا گیا تو عمیر نے ابونواس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ابونواس! صرف ہوازن میرے ساتھ جائے گا۔ تم مسکن میں رہو گے۔ لا
بیمار ہے۔ تمہارا اس کے پاس رہنا ضروری ہے۔

ابونواس نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ

میرے آقا! میرے یہاں رہنے کی اب ضرورت نہیں۔ کولان نے بچی کو جنم
ہے اور اب وہ تندرست ہے۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"کب؟"

"آدھی رات کے قریب"۔

"تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی۔ اریطہ کو لے جاتے وہ کولان کے پاس بیٹھتی
آپ دونوں سو رہے تھے۔ میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ رو انگی سے
بچی کا نام بھی تجویز کرتے جائیے کیونکہ مغیث کا نام میں نے رکھا تھا اور میر

کا نام آپ رکھیں۔

عمیر نے سر جھکا کر سوچا، پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں جیسے اس نے کوئی فیصلہ
کر لیا ہو ساتھ ہی اس نے ابونواس سے کہا ــــ

اس کا نام امینہ رکھو۔ میرا خیال ہے تم یہیں رہو۔ تمہاری جگہ میں ہشام کو
لے جاتا ہوں۔ اس وقت کولان کو تمہاری ضرورت ہوگی۔

ابونواس نے ضد کرتے ہوئے کہا ــــ

نہیں! میرے آقا! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ کولان کے پاس میری بہنیں
اریطہ اور حمورا کافی ہیں وہ اسے سنبھال لیں گی۔

عمیر نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا

تو پھر تیاری کرو ــــ

عمیر اپنے کمرے میں آیا۔ اریطہ پلنگ پر بیٹھی شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس
کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں اور پلنگ پر اس کے ساتھ ننھا مغیث گہری نیند
سویا ہوا تھا جو اب دو سال کا ہو چکا تھا۔

عمیر جب کمرے میں داخل ہوا تو اریطہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

آپ کچھ بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے۔ میں تو اچانک اٹھی اور آپ کا بستر
خالی پڑا دیکھ کر باہر جھانکا۔ دروازے پر کھڑے آپ ابونواس اور ہوازن کسی سے
باتیں کر رہے تھے۔

ظلم سے جابر کا پیغام آیا ہے۔

اریطہ نے پریشانی سے پوچھا

کیسا پیغام؟

تاتاری اپنے نئے سالار بائیڈو کی سرکردگی میں موصل پر قبضہ کرنے کے لیے
بڑھ رہے ہیں۔

اریطہ کی تشویش اور بڑھ گئی۔

پھر؟

میں اپنے لشکر کے ساتھ موصل کے امیر بدرالدین لولو کی مدد کے لیے کوچ

کر رہا ہوں۔

اریطہ نے آگے بڑھ کر پیار سے عمیر کے دونوں ہاتھ تھام لیے

ابھی؟ رات کے اس وقت؟

ہاں اریطہ! میں اسی وقت کوچ کر رہا ہوں۔ فرض کی پکار کسی مقررہ وقت کی پابند نہیں۔ میرے لیے موت کی پکار کی طرح فرض کی پکار بھی اٹل ہے، گزر جانے والا وقت اپنے پیچھے بہت کچھ کرنے والوں کے لیے مایوسی اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں چھوڑ کر جاتا جو قومیں غفلت کی گہری نیند سوتی ہیں ان کے طاقتور اور جاگتے حریف ان سے ان کی قسمت کی عنانیں چھین کر انہیں ابدی نیند سلا دیتے ہیں اور —— اور میں نے اپنی زندگی میں اپنی قوم، اپنی ملّت اور اپنے مذہب کے لیے جاگتے رہنے کا عزم کر رکھا ہے ——

عمیر جذبات میں ڈوب گیا۔

اریطہ! میں جانتا ہوں، تمہیں میری رخصتی پر قلق ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے میں تمہارے لیے ویسا ماحول نہیں پیدا کر سکا جس کی توقع ہر بیوی اپنے شوہر سے رکھتی ہے، لیکن یاد رکھو اریطہ! میں ایک سپاہی ہوں اور جو سپاہی اللہ کی راہ میں موت کے دروازے پر دستک دینا نہیں جانتا اس کا فن ادھورا ہے۔ سپاہی گمنام ہی کیوں نہ ہو اپنے رب کی خوشنودی کے لیے تڑپتے ہوئے وہ اپنے خون اور تلوار کی نوک سے اپنی ملّت کی تاریخ لکھتا ہے۔ مجھے امید ہے تم مجھ سے یہ اعزاز نہ چھینو گی

اریطہ بے تاب ہو کر عمیر سے لپٹ گئی اور اس کی چھاتی پر سر رکھتے ہوئے اس نے سسکیوں میں کہا۔

آپ غلط سمجھے میرے آقا! مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ آپ کی ہستی اور آپ کی خوشنودی ہی میرے لیے بیش بہا گنجینے ہیں۔ آپ کا یہ کوہستانی مسکن میرے لیے جنت موعود ہے۔ آپ عالمِ اسلام کے افق پر ایک روشن ستارہ ہیں اور میں اس ستارے کو ڈوبنے نہ دوں گی۔ میں ہر جنگ کے لیے مسکرا کر آپ کو رخصت کرنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ مجھے فخر ہے آپ میرے شوہر ہیں۔ میں آپ کے ساتھ

دنیا کے آخری سرے تک برہنہ پا کانٹوں پر چلنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ میں آپ کے لیے پیدا ہوئی ہوں اور کوئی دُکھ، کوئی تکلیف میرے اس احساس کو شکست نہیں دے سکتا۔ آپ میری زندگی میں روشنی کا مینار ہیں۔ میرے آقا! میرے لیے یہی سب سے بڑا اعزاز ہے کہ آپ میرے ہیں۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے اریطہ کی پیٹھ تھپتھپائی۔

تم ایک مخلص ساتھی اور دردمند ہمسفر ہو۔

اریطہ نے عمیر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

آیئے میں آپ کی تیاری کراؤں۔ اس کی آواز غم سے کچھ بوجھل ہو گئی تھی۔

اپنے بستر کے ایک طرف کھڑے ہو کر اریطہ نے عمیر کو پہلے کپڑے اور ان پر زرہ پہنائی، پھر اس نے عبا پہننے کو دی اور اس کی تلوار خود اٹھا لائی۔ عمیر نے میان میں بند تلوار اپنی چمڑے کی پیٹی سے باندھ لی اور خود ہاتھ میں پکڑے وہ پلنگ کے قریب آیا۔ جھک کر گہری نیند سوئے ہوئے مغیث کی پیشانی کو اس نے چوما اور کمرے سے باہر نکل کر وہ اپنے گھوڑے پر زین کسنے لگا۔ کمرے کے اندر اریطہ اس کے گھوڑے کی خرجین میں کھانے کی چیز رکھ رہی تھی۔

ابولولو اس اور ہوازن کے گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ان پر زینیں کسی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ خرجینیں اور پانی کے مشکیزے لٹک رہے تھے اور شاید وہ اپنے کمروں سے عمیر کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

عمیر جب اپنے گھوڑے پر زین ڈال چکا تو اریطہ باہر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی خرجین اور دوسرے میں پانی کا مشکیزہ تھا۔ دونوں چیزیں اس نے عمیر کے گھوڑے کی زین سے باندھ دی تھیں۔ عمیر چاند کی روشنی میں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

دونوں چیزیں زین سے باندھ کر جب اریطہ فارغ ہوئی تو عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اریطہ! تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟

اریطہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولی۔

"کہیئے"

ابونواس کے ہاں لڑکی ہوئی ہے اور تمہاری ماں کے نام پر ابونواس کی بچی کا نام میں نے امینہ رکھا ہے۔

اریطہ نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا

کب ہوئی بچی ؟

آدھی رات کو ہمارے بعد کولان کا خیال رکھنا۔

اریطہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ابونواس اور ہوازن باہر آئے۔ شاید وہ عمیر کی آواز سن کر باہر آئے تھے۔ تینوں نے اپنے گھوڑے کھول لیے۔ اریطہ تینوں کو مکان سے تک رخصت کرنے آئی۔

وہ تینوں جب قلعے کے دروازے کی طرف چلے گئے تو اریطہ بھاگتی ہوئی میں آئی اور آندھی کی طرح لپک کر کولان کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اندر کولان پلنگ لیٹی تھی اس کے پہلو میں ایک خوبصورت بچی تھی اور حمورا اس کے قریب بیٹھی کو دبا رہی تھی۔ اریطہ بھاگ کر آئی اور بچی کو چومنے لگی، پھر وہ بھی حمورا کے ساتھ کولان کو دبانے لگی۔ باہر عمیر، ابونواس اور ہوازن اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر گئے

○

ڈوبتے سورج کی آخری نگاہ جب زمین سے اپنی سرخ و سنہری کرنوں کی آخر لپیٹ رہی تھی اہلِ موصل نے دیکھا مغرب کی طرف سے گرد کے بادل اٹھ کر آسمان پر چھانے لگے تھے۔ امیر بدرالدین لولو ایک برج پر کھڑا گرد کے اٹھتے بادلوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جب گرد کے اٹھتے ان بادلوں سے عمیر کا لشکر نمودار ہوا تو بدرالدین لولو اپنے قریب کھڑے اپنے جرنیلوں سے چلاتے ہوئے کہا

وہ آ گئے ہمارے دوست، ہمارے محسن موت کے مسافر آ گئے۔ بدرالدین کی یہ آواز سپاہیوں کی زبانی پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں میں جہاں تاتاریوں کے متوقع حملے کی وجہ سے خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ موت کے مسافروں کی آمد پر شجاعت کے نئے ولولوں اور زندگی سے بھرپور نئے جذبات کا اظہار کر رہے تھے

امیر بدرالدین لولو برج سے اترا اور عمیر کے استقبال کے لیے وہ اپنے جرنیلوں کے ساتھ قلعے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر کا لشکر بھی اپنے گھوڑے دوڑاتا قلعے کے دروازے پر آ رکا۔ آگے آگے عمیر، ابونواس اور ہوازن تھے اور تینوں نے اپنے چہروں پر اپنے بھاری خود کا نقاب ڈال رکھا تھا، قلعے کے دروازے کے قریب آ کر وہ تینوں اپنے گھوڑوں سے اترے عمیر آگے بڑھا اور بدرالدین لولو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ بدرالدین لولو ہیں۔ گو اس سے قبل میں نے آپ کو نہیں دیکھا اس کے باوجود میرا دل کہتا ہے کہ بدرالدین آپ ہی ہیں۔ بدرالدین لولو آگے بڑھا اور گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا —

میں ہی بدرالدین لولو ہوں۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ میں موت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ سے مخاطب ہوں۔

عمیر نے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے کہا —

میں ہی موت کے مسافروں کا سالار ہوں اور یہ دونوں میرے نائب ہیں۔ اس نے ابونواس اور ہوازن کی طرف اشارہ کیا۔ بدرالدین نے ان دونوں سے بھی اسی طرح مصافحہ کیا اس کے بعد دوسرے جرنیل ان تینوں سے مصافحہ کر رہے تھے۔

بدرالدین نے پھر عمیر کو مخاطب کیا۔

میں جانتا ہوں کوئی بھی آپ کے نام اور چہرے سے واقف نہیں۔ اس کے باوجود میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھ جیسے گنہگار انسان کو قوم کے ایک سپاہی کو دیکھنے کی سعادت سے محروم نہ رکھیں گے۔

عمیر نے چہرے سے خود کا نقاب اٹھاتے ہوئے کہا

میرا نام عمیر بن خزام ہے اور میرے ساتھیوں کے نام ابونواس اور ہوازن ہیں۔

ابونواس اور ہوازن بھی اپنے اپنے خود کے نقاب اٹھا چکے تھے۔ بدرالدین پھر آگے بڑھا اور تینوں کو باری باری گلے لگاتے ہوئے اس نے عمیر سے کہا۔

آپ کا لشکر ابھی تک وہی کھڑا ہے۔ اسے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیجیے۔ اہل شہر آپ کا استقبال کرنے کو بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں

عمیر نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔

میرا لشکر شہر سے باہر ہی فروکش ہوگا۔ آپ اپنے لشکر کو بھی تیاری کا حکم دے دیں۔ فجر کی نماز کے بعد کوچ ہوگا۔ میں تاتاریوں کو تبریز اور خوی شہر کے درمیان پہاڑی سلسلے میں روکنا چاہتا ہوں۔ جنگ کا وہ میدان ہمارے لیے سود مند ثابت ہوگا۔ میدانوں میں داخل ہونے سے قبل میں پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر ان سے آخری فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں۔

تو آپ لشکر کے ساتھ شہر میں فروکش نہ ہوں گے۔ بدرالدین ایک التماس کے سے لہجے میں بولا۔

نہیں ہمارا باہر رہنا ہی بہتر ہے۔ آپ اپنے لشکر کی تیاری اور اس کے سامان رسد کا بندوبست کیجیے۔ اتنی دیر تک میں یہاں اپنے لشکر کا پڑاؤ کرتا ہوں۔

بدرالدین نے عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا

میں اپنے لشکر کی تیاری اور آپ کے لشکر کے کھانے کا انتظام کر کے دوبارہ آپ کے پاس آتا ہوں۔ بدرالدین واپس مڑا اور اپنے جرنیلوں کے ساتھ وہ شہر میں داخل ہو گیا۔

عمیر بھی ابولواس اور ہوازن کے ساتھ لوٹا اور اپنے لشکر کے پاس آکر اس نے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ سپاہی گھوڑوں سے اتر کر حرکت میں آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے موصل شہر سے باہر موت کے مسافروں نے سفید چمکتے کپڑوں اور سرخ چمڑے کے خیموں کا شہر آباد کر دیا تھا۔

○

رات کے پچھلے پہر عمیر نے تاتاری لشکر کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے اپنے جاسوس روانہ کر دیئے تھے اور اگلے روز فجر کی نماز کے بعد عمیر اور بدرالدین لولو کے متحدہ لشکر نے موصل سے کوچ کیا تھا۔

پہلے وہ طلم آئے وہاں سے جابر اور رباح کوان کے دو ہزار سپاہیوں سمیت

ساتھ لیا تھا۔ اور لشکر مشرق کے رخ پر آگے بڑھنے لگا۔ سلماس شہر کے باہر تھوڑی دیر پڑاؤ کرنے کے بعد جب لشکر کوچ کر رہا تھا تو عمیر کا ایک جاسوس واپس آیا اور اس نے اطلاع دی کہ تاتاریوں کا لشکر جو پچیس ہزار سواروں پر مشتمل ہے تبریز سے شمال مشرق کی طرف بیس میل دور بڑی تیزی سے بڑھتا آ رہا ہے۔

عمیر اور بدرالدین نے بھی لشکر کو فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اب وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ تبریز اور خوی کے درمیان میں سے گزر کر انہوں نے پانچ میل کا فاصلہ طے کیا اور پہاڑی سلسلے میں داخل ہو کر وہ ایک ایسی جگہ رک گئے جہاں شمال مشرق سے آنے والا راستہ ایک کھلے میدان میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ بدرالدین راستے کے دائیں طرف گھات میں بیٹھ گیا تھا۔ بائیں طرف عمیر تھا۔ اس نے اپنے سارے لشکر کو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے ساتھ، دوسرا ابولواس اور تیسرا ہوازن کی کمان میں دے دیا تھا اور تینوں اپنے اپنے لشکر کے درمیان ایک ایک میل کا فاصلہ رکھ کر وہ راستے کے ساتھ ساتھ کمین گاہیں بنا کر بیٹھ گئے تھے۔

سورج جب غروب ہونے کے قریب آیا تو وہ چوکنے ہو گئے۔ ارد گرد کا سارا پہاڑی سلسلہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھا تھا جس کا مطلب تھا تاتاری لشکر اب قریب آ چکا ہے سائے جب پھیل گئے اور آفتاب پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں کے اندر اپنا آپ چھپا رہا تھا۔ تاتاری لشکر اس جگہ نمودار ہوا جہاں عمیر اور بدرالدین لولو کے لشکر گھات میں بیٹھے تھے۔

آدھا تاتاری لشکر جب ان کے پاس سے گزر چکا تو بدرالدین اپنی کمین گاہوں سے نکلا اور اپنے لشکر کے ساتھ تاتاری لشکر کے درمیان میں حملہ آور ہوا۔ وہ ایک زبردست حملہ تھا اور موصل کے مسلمان سپاہی جان کی پروا کیے بغیر حملہ آور ہوئے تھے۔

حملہ ہو جانے کی صورت میں آدھا تاتاری لشکر جو آگے نکل گیا تھا فوراً واپس مڑا اور سمٹ کر جب بدرالدین کے لشکر پر حملہ آور ہونے لگا تھا۔ ابولواس اور ہوازن بھی اپنے ساتھ اپنی کچھاروں سے نکلے اور تاتاری لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاری لشکر کا اس وقت بدرالدین کی طرف سمٹ رہا تھا اور اس کی پشت ابولواس اور

ہوازن کی طرف تھی لہذا ان دونوں نے تاتاریوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تاہم بدرالدین کی طرف بڑھتے ہوئے ان کے قدم رک گئے اور ابونواس اور ہوازن کے لشکروں پر حملہ آور ہوئے، لیکن اب تو تاخیر ہو چکی تھی اور اس وقت تک ابونواس اور ہوازن اس جولان گاہ پر چھا چکے تھے۔ جنگ کے اس حصے میں موت کے مسافر ابونواس اور ہوازن کی سربراہی میں تلوار کے ایسے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے جسے یقیناً موت کا کھیل ہی کہا جا سکتا تھا۔

عمیر نے پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر ایک مختصر ترین کاٹا اور جس طرف سے تاتاری آئے تھے اس جانب وہ ان کی پشت پر نمودار ہوا، پھر اس نے جب مخصوص انداز میں اپنی تلوار فضا میں لہرائی تو موت کے مسافروں نے اللہ اکبر کی جرأت آمیز صدائیں بلند کیں اور ان صداؤں کے جواب میں دشمن میں لڑتے ابونواس، ہوازن اور ان کے ساتھیوں نے بھی تکبیریں بلند کر کے ان صداؤں کا جواب دیا اور یہ اپنے سالارِ اعلیٰ کا اشارہ تھا کہ ہم آپ کے حملہ آور ہونے سے آگاہ ہیں ——

عمیر کچھ اس طرح حملہ آور ہوا تھا جیسے —— جیسے جہاں لڑائی ہو رہی تھی وہاں کی زمین کا کمر بند پکڑ کر وہ اپنی طرف کھینچ لے گا۔ تانبے کی طرح سخت اس کے ساتھی اپنی خون آشام تلواروں کے ساتھ طوفانوں میں جل کر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ چاروں طرف آہوں اور خون میں ڈوبی ہوئی گرد کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور فضا کی سانس بوجھل ہو گئی۔ عمیر نے پشت سے تاتاریوں کو جو کے کھیت کی طرح کاٹنا شروع کیا تو وہ یوں محسوس کر رہے تھے گویا میدانِ جنگ میں نہیں کسی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر آ رکے ہوں۔

ترکتانہ اور غارت گری کا یہ بازار سورج غروب ہونے تک گرم رہا اور تاتاری لشکر کا زیادہ حصہ کٹ کر زمین بوس ہو چکا تھا۔ جب اجالا اپنی بساط لپیٹ چکا تو تاتاری لشکر میں ہزیمت اور پسپائی کے واضح آثار دکھائی دینے لگے تھے۔

تاتاری سالار بائیڈو بھی اپنی اور اپنے لشکر کی حالت دیکھ چکا تھا۔ اندھیرے کی لمحہ بہ لمحہ دراز ہوتی ہوئی چادر سے اس نے فائدہ اٹھایا۔ جلتے ہوئے شعلوں کے

اس نے اپنے لشکر کو مخصوص اشارے دیئے اور بائیں طرف سے اپنے لشکر کو نکال کر لے جانا چاہا لیکن رنگ برنگی مشعلوں کے یہ اشارے عمیر اور اس کے ساتھی بھی سمجھتے تھے لہذا انہوں نے فوراً بائیں طرف کا راستہ روک لیا ایک بار پھر پورے زور اور تندی سے ان کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

پریشان ہو کر بائیڈو پھر پلٹا اور دائیں طرف سے جہاں بدرالدین لولو تھا اپنے لشکر کو لے کر بھاگ نکلا۔ تاتاریوں کی حالت اس وقت میدانِ جنگ سے بھاگنے والے ان بدحواس ہاتھیوں جیسی تھی جو اپنے ہی سپاہیوں کو روندتے جا رہے ہوں۔

اسی لمحہ عمیر نے جلتی ہوئی سرخ مشعلوں کے اشارے اپنے لشکر کو دیئے جس کے جواب میں وہ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے تاتاریوں کا تعاقب کرنے لگے تھے۔ عمیر کے پیچھے پیچھے بدرالدین لولو بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس تعاقب میں شامل ہو چکا تھا۔ اب تاتاری آگے آگے تھے اور تعاقب میں لگے ہوئے مسلمان سپاہی ان کا شکار کر رہے تھے۔

قزوین شہر تک یہ تعاقب جاری رہا۔ اب بائیڈو کے ساتھ گنتی کے چند تاتاری رہ گئے تھے۔ شہر کے قریب سے گزرتے ہوئے عمیر نے مشعل کا اشارہ دے کر اپنے لشکر کو روک دیا اور پھر بلند آواز سے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے عمیر نے کہا ——

سپاہیو! رک جاؤ! بائیڈو اب بے ضرر ہے۔ کچھ عرصہ وہ مسلم بستیوں اور شہروں کا رخ نہیں کرے گا اور کئی ماہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے زخم چاٹتا رہے گا۔ عمیر نے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور جب ابونواس اور ہوازن کے ساتھ گھوم پھر کر لشکر کا جائزہ لے رہا تھا تو اس نے دیکھا جابر اور رباح لشکر میں نہ تھے۔ عمیر کا دل زور زور سے دھڑک اٹھا۔ وہ بار بار ان زخمیوں کی طرف بھی گیا جن کی مرہم پٹی شیبان اپنے سپاہیوں کے ساتھ کر رہا تھا، لیکن جابر اور رباح ان زخمیوں میں بھی نہ تھے۔ اس کے دل کے تاریک گوشے سے ایک پکار سنائی دی۔

کیا جابر اور رباح شہید ہو گئے؟

عمیر، ابولؤاس اور ہوازن کے ساتھ ظلم کے سپاہیوں کے گروہ میں آیا جنہوں نے جابر اور رباح کی سرکردگی میں جنگ کی تھی۔ عمیر نے بلند آواز سے پکارتے ہوئے ان سے پوچھا—

میرے ساتھیو! کیا تم میں سے کوئی جابر اور رباح کے متعلق جانتا ہے؟

ایک سپاہی فوراً کھڑا ہوتا ہوا بولا:

میرے آقا! ہمارے وہ دونوں جرنیل جنگ میں کام آچکے ہیں۔

عمیر کی آواز غم سے کپکپا کر رہ گئی۔

کیا تم نے اپنی آنکھوں سے انہیں شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟

ہاں میرے آقا!

عمیر کی گردن جھک گئی تھی اور وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی حالت راکھ کے اس ڈھیر کی مانند ہو گئی تھی جس کے نیچے جھلسا دینے والی چنگاریاں پرورش پا رہی ہوں اور جو کسی وقت بھی بھڑک کر جنگل میں لگی آگ کی صورت اختیار کر سکتی تھیں۔ عمیر نے آہستہ آہستہ سر اوپر اٹھایا اور ابولؤاس و ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑے دکھ اور مغموم آواز میں کہا

ابولؤاس اور ہوازن کی حالت بھی عمیر جیسی ہی تھی۔ ان دونوں کی گردنیں بھی جھکی ہوئی تھیں اور انہوں نے عمیر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ وہ بگولوں کے اندر کھڑے ان درختوں کی طرح لگ رہے تھے جن کی شاخیں کاٹ دی گئی ہوں اور ان سے ٹکراتی ہوئی تیز ہوائیں آواز پیدا کیے بغیر گزر جاتی ہوں۔ وہ تینوں زخمیوں کے پاس آئے اور کافی دیر تک ان کی تیمارداری کرتے رہے۔ شیبان اب اپنے طبیبوں کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی سے فارغ ہو چکا تھا۔ عمیر نے شیبان کو مخاطب کر کے کہا:

شیبان! میدانِ جنگ میں پڑے اپنے زخمیوں کے لیے کتنے طبیب چھوڑ کر آئے ہو؟

شیبان عمیر کے قریب ہوتے بولا:

میرے آقا! وہاں میں پچاس کے قریب طبیبوں کا ایک دستہ چھوڑ

کر آیا ہوں۔

عمیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ امیر بدرالدین لولو وہاں آگیا۔ اسے دیکھتے ہی عمیر نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ بدرالدین نزدیک اور عمیر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

میں آپ کو اس عظیم فتح پر مبارک باد دیتا ہوں۔

عمیر زبردستی مسکرا رہا تھا۔

اس فتح میں آپ بھی برابر کے شریک ہیں۔

عمیر، امیر بدرالدین، ابولؤاس اور ہوازن اپنے سپاہیوں کا جائزہ لینے لگے تھے۔ اتنی دیر تک رسد کے سامان کے دستے بھی پہنچ گئے۔ کچھ بڑی تیزی سے خیمے نصب ہوئے اور لشکر کے لیے کھانا تیار ہونے لگا۔ بدرالدین اپنے لشکر میں واپس چلا گیا عمیر، ابولؤاس اور ہوازن کے ساتھ پھر زخمیوں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی وہاں آیا اور عمیر کو مخاطب کیا۔

یا امیر! آپ کا خیمہ نصب ہو چکا ہے۔ آکر کھانا کھائیے!

عمیر نے سلگتی ہوئی آواز میں کہا۔

مجھے بھوک نہیں۔ پھر اس نے ابولؤاس اور ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

ابولؤاس اور ہوازن! تم دونوں جا کر کھانا کھا لو اور آرام کرو۔ میں آج رات لشکر میں جاگ کر پہرہ دوں گا۔

ابولؤاس یوں مغموم آواز میں بولا جیسے برسوں کا خاموش جوالا مکھی پھٹ پڑا ہو۔

میرے آقا! جس لشکر میں آپ جاگ کر پہرہ دے رہے ہوں۔ وہاں ابولؤاس اور ہوازن دونوں کے لیے سونا حرام ہے۔

عمیر نے کچھ سوچا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ابولؤاس اور ہوازن کو ساتھ لے کر وہ اپنے خیمے میں آیا۔ ان کے ساتھ کھانے کے چند لقمے زبردستی لیے۔ اپنے لشکر کے گرد دور دور تک اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے جاسوس پھیلا دیئے۔ سپاہیوں کو اس نے آرام کرنے کو کہا اور خود وہ ابولؤاس اور ہوازن کے ساتھ اپنے لشکر کے چاروں طرف گھوم کر پہرہ دینے لگا تھا۔

دوسرے روز فجر کی نماز کے بعد عمیر بدرالدین لولو کے خیمے میں آیا۔ وہ اپنے خیمے

میں چٹائی پر بیٹھا تھا اور عمیر کو اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ عمیر اس کے قریب کھڑا ہوتا ہوا بولا:

میں جلدی میں ہوں۔ آپ لشکر کو کوچ کا حکم دیں۔ اتنی دیر میں ابولواس اور ہوازن کے ساتھ قزوین شہر سے ہو آؤں۔

بدرالدین نے پریشانی سے پوچھا۔

وہاں کیا کرو گے؟

قزوین کے قاضی شمس الدین سے ملوں گا جو منگو کے پاس فدائین کے مظالم کے خلاف ایک فریاد لے کر گیا تھا۔ اور جس کے کہنے پر اب ہلاکو خان طوفان کی طرح اسلامی دنیا کی طرف بڑھ رہا ہے۔

بدرالدین نے اپنے دائیں طرف چٹائی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

بیٹھو! تم پہلی بار مجھے تنہائی میں ملے ہو۔ میں تم سے ایک اہم بات کہنے والا ہوں۔ عمیر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

کہیے۔!

بدرالدین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

تم ایک شجاع اور عملی مزاج جرنیل ہو۔ سنو! میری ایک جوان اور حسین بیٹی ہے، اگر تم پسند کرو تو میں اسے تم سے بیاہ دوں گا اور یہ میری۔

عمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

اگر ایسا ممکن ہوتا تو یہ میرے لیے ایک سعادت اور خوش نصیبی ہوتی، لیکن میں ایک حسین اور محبت کرنے والی بیوی کا شوہر اور ایک دو سالہ بچے کا باپ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عمیر اٹھ کر خیمے سے نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ، ابولواس اور ہوازن کے ساتھ قزوین شہر کی طرف جا رہا تھا جو وہاں سے صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اس حالت میں کہ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے اور خود کے بھاری نقاب سے انہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔

تینوں قزوین شہر میں داخل ہوئے۔ عمیر نے بازار کے اندر ایک راہگیر سے قاضی شمس الدین کے گھر کا پتہ پوچھا اور راہگیر نے ان کے گھوڑوں کے آگے

چلتے ہوئے کہا۔

میرے ساتھ آیئے میں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا۔ میں نے بھی ادھر ہی جانا ہے

بازار کو چھوڑ کر وہ ایک محلے میں داخل ہوئے اور تین چار گلیوں میں سے گزرنے کے بعد اس راہگیر نے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

یہ قاضی شمس الدین کا مکان ہے۔

عمیر اپنے گھوڑے سے اترا اور اس مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ابولواس اور ہوازن بھی گھوڑوں سے اتر کر عمیر کے پہلو میں کھڑے ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکے نے جب دروازہ کھولا تو عمیر نے اس سے پوچھا:

کیا یہ قاضی شمس الدین کا مکان ہے؟

لڑکا دروازے سے باہر نکل کر کھڑا ہوتا ہوا بولا:

جی ہاں یہ ان کا گھر ہے اور میں ان کا لڑکا ہوں۔

کیا وہ اندر ہیں؟

ہاں وہ گھر پر ہیں۔

تو پھر ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔

لڑکے نے دیوان خانے کا دروازہ کھولا، عمیر، ابولواس اور ہوازن کو اس نے وہاں بٹھایا اور خود مکان کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بزرگ دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ تینوں اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور باری باری اس سے مصافحہ کرنے کے بعد عمیر نے پوچھا۔

کیا آپ قاضی شمس الدین ہیں؟

وہ ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولے

"میں ہی قاضی شمس الدین ہوں"

کیا آپ ہی قزوین کے اکابر کے ساتھ منگو کے پاس فدائین کے خلاف مدد مانگنے گئے تھے؟

ہاں میں وہاں گیا تھا اور ہلاکو ہماری مدد کو آ رہا ہے۔ وہ اب تک سمرقند پہنچ چکا ہوگا عمیر نے سراپا التجا بن کر پوچھا:

کیا آپ بتا سکیں گے آپ کیوں یہ فریاد لے کر منگو کے پاس گئے تھے؟

شمس الدین حسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولے:

تم یقیناً کہیں دور سے آ رہے ہو، اگر تم یہیں کہیں بسنے والے ہوتے تو تمہیں ضرور یاد ہوتا کہ ان دنوں فدائین ہم مسلمانوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ دن دھاڑے وہ جوان لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں جسے چاہے قتل کر دیتے ہیں۔ اور ہر وقت جگہ جگہ، شہر شہر اور قریہ قریہ لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ ان حالات میں منگو کے پاس جا کر ان کی شکایت کرنا کیا میرے لیے مناسب نہیں تھا، جبکہ قزوین شہر تاتاریوں کی عملداری میں ہے۔

عمیر نے ایسی آواز میں کہا جس میں بے کسی ٹپکتی تھی۔

کاش آپ نے منگو کے بجائے کسی مسلم حکومت کے دروازے پر دستک دی ہوتی۔

شمس الدین نے بڑی مایوسی سے کہا

کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ ان کا سر کچل سکے۔

عمیر نے بھاری آواز میں کہا:

میرے بزرگ! آپ نے تباہی کی آگ اور مایوسی کے اندھیرے کو اپنی سرزمین کی طرف آواز دے کر بلایا ہے۔ آپ نے ایسے بھیڑیوں کو اپنی مدد کو بلایا ہے جو جہاں سوزی اور تباہ کاری میں اپنے پرائے کی تمیز بھول جاتے ہیں۔ ہلاکو جب اپنے لشکر کے ساتھ آیا تو آپ دیکھیں گے فدائین سے نبٹنے کے بعد اس کا لشکر ٹڈی دل کی طرح پھیل جائے گا۔ اور آتش زنی اور خوں ریزی کا وہ کھیل شروع ہو گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

قاضی شمس الدین کی گردن جھک گئی تھی عمیر کہتا چلا گیا۔

میرے محترم! آپ نے اپنی قوم کے لیے ایک بدترین نوشتے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ عمیر کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔ آپ نے ملت کے جسد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر گزرے ہوئے برس آپ کے لیے خواب و خیال نہیں بن گئے تو ماضی کے نقاب الٹ کر دیکھیے جب چنگیز خان نے ہماری ماؤں بہنوں کے

سروں سے دوپٹے نوچے اور ہمارے اجداد کے سر کاٹ کر اس نے اپنے محل تعمیر کیے جس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے لیے ایک عذاب کا نام دے کر مسلم قوم سے ہر برا سلوک اور ظلم کیا اور اب آپ نے پھر اسی چنگیز کے پوتے ہلاکو کو اس سرزمین کا رخ کرنے کی دعوت دی ہے۔ میرے بزرگ! آپ نے تیز طوفانوں کے اندر ملت کی کشتی کے بادبان کھول دیئے ہیں۔ اب آپ کو آزادی کی ہر سانس کی قیمت ادا کرنی ہو گی اور اس سرزمین پر آ کر ہلاکو جو دستورِ زباں بندی عائد کرے گا وہ یقیناً آپ کے لیے ضرور بخیر ثابت نہ ہو گا۔ آپ نے جو بیج بوئے ہیں ان کی جو فصل بھی ڈوبی ہوئی آپ اپنی آنکھوں سے کٹتی ہوئی دیکھیں گے۔

عمیر رکا اور پھر گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

کاش! فدائین کے خلاف آپ نے بغداد کے دروازے پر دستک دی ہوتی۔ عرب کے صحرانشینوں کو اپنی مدد کے لیے پکارا ہوتا۔ مصر کو جہاں نیل کے سفید غلام ایک قوت بن چکے ہیں اپنی مدد کے لیے پکارتے مراکش کے باہمت بربریوں کو آواز دی ہوتی۔

عمیر کی آواز ڈوب گئی تھی اور وہ خاموش ہو گیا۔

قاضی شمس الدین نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

آپ کون ہیں؟ آپ کہاں سے آئے ہیں اور آپ تینوں نے اپنے چہروں پر ادر کے نقاب کیوں گرا رکھے ہیں؟

عمیر کی مغموم آواز سنائی دی۔

ہم قوم کے گمنام سپاہی ہیں۔ حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے جو کہنا تھا آپ سے کہہ چکا۔ اب نتائج ہم سب کے سامنے ہوں گے۔ مجھے اپنی ملت کا درد یہاں تک کھینچ لایا ہے ورنہ ان الفاظ میں آپ جیسے بزرگ کو مخاطب کرنے کی جرأت کبھی نہ کرتا۔ عمیر کھڑا ہو گیا اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

قاضی شمس الدین نے مصافحہ کرنے کے بجائے جواب طلب نگاہوں سے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں پھر آپ سے پوچھتا ہوں آپ کون ہیں؟

عمیر کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایک بدو، ایک اعرابی، ایک صحرانشین جس نام سے چاہے آپ مجھے پکار لیں"

"اگر مجھے آپ کی کبھی ضرورت در پیش ہو تو میں آپ کو کہاں اور کس نام سے پکاروں"

عمیر کا لہجہ پھر ویسا ہی تھا۔

دریائے یرون کے کنارے موت کے مسافروں کا سالار۔

قاضی شمس الدین آگے بڑھا اور عمیر کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

میری قوم کے محسن اور غمگسار سپاہی! تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے کارنامے مسلمانوں کے لیے اظہر من الشمس ہیں۔ اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹا دو تم جیسے سپاہی کو ایک نظر دیکھ لینا بھی سعادت ہے۔

عمیر نے اپنے خود کا نقاب ہٹا دیا۔ شمس الدین نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس نے افسردہ لہجے میں عمیر سے کہا۔

تمہاری آنکھوں کے ان لرزاں آنسوؤں میں تمہارے ضمیر، تمہارے دل اور روح میں قوم کی ہمدردی کے حروف ارقام کی تحریر میں واضح طور پر پڑھ سکتا ہوں۔ اگر اللہ کو اپنی سرزمین کی طرف بلا کر اگر میں نے غلطی کی ہے تو میں اپنے رب سے معافی مانگتا ہوں وہ گنہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

عمیر خاموش کھڑا رہا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ قاضی شمس الدین پھر بولا:

کیا تاتاری سالار بائیڈو کا خوی سے لے کر یہاں تک تعاقب کرنے والا لشکر تمہارا تھا؟

ہاں وہ میرا ہی لشکر تھا۔ عمیر نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

مجھے اب اجازت دیجیے، میرا لشکر میرا انتظار کر رہا ہوگا اور تھوڑی دیر تک میں یہاں سے کوچ کر جانا چاہتا ہوں۔

شمس الدین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

بیٹھو میں تم تینوں کے لیے کھانا منگاتا ہوں۔ تم میری قوم کے محسن ہو اور ایسا شخص مجھ جیسے قاضی کے گھر سے اجنبیوں کی طرح کیسے رخصت ہو سکتا ہے۔

عمیر نے زبردستی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

ہم صبح کا کھانا کھا چکے ہیں۔ خوی کے قریب جس میدان میں بائیڈو سے ہماری

جنگ ہوئی تھی وہاں میرے زخمی سپاہی پڑے ہیں اور انہیں میری توجہ کی ضرورت ہوگی۔ یہاں اب زیادہ دیر تک رکنا میرے لیے ایک مقدس فرض سے انحراف ہے۔ شمس الدین نے بادلِ نخواستہ ان سے مصافحہ کیا اور اپنے گھر سے باہر گلی تک انہیں رخصت کرنے آیا۔

عمیر جب لشکر میں آیا تو خیمے اکھڑ چکے تھے اور سپاہی اپنے گھوڑوں کے ساتھ تیار کھڑے تھے۔ عمیر کے حکم پر کوچ کے نقارے بجے اور لشکر واپس کوچ کرنے لگا۔

عمیر اور بدرالدین نے جس تیزی سے تاتاری لشکر کا قزوین تک تعاقب کیا تھا۔ اسی تیزی سے وہ واپس اس میدان میں آئے جہاں جنگ ہوئی تھی۔ وہاں عمیر کے لشکر کے پچاس طبیب زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے ان کے پاس بیٹھے تھے اور ساری لاشیں انہوں نے ایک جگہ جمع کر رکھی تھیں۔

عمیر نے ساری لاشیں دیکھیں ان میں اس کے عزیز جرنیل جابر اور رباح کی لاشیں بھی تھیں۔ انہیں خون میں لتھڑا دیکھ کر غم سے عمیر کی کمر جھک گئی تھی اور ہچکولے کھاتے ہوئے اس نے اپنے پہلو میں کھڑے ابولواس سے کہا۔

ابولواس لشکر کے یہاں سے کوچ سے پہلے ہی ایک قاصد طلم بھجوا دو جو وہاں اپنے سپاہیوں سے کہے کہ میرے وہاں پہنچنے سے قبل وہ اپنا سارا سامان سمیٹ کر تیار رہیں۔ میں طلم کو خالی کر دینا چاہتا ہوں۔ اس خیال سے نہیں کہ جابر اور رباح شہید ہو چکے ہیں اور کوئی اس قلعے کی حفاظت کرنے والا نہیں بلکہ اس حفظ ماتقدم کے ساتھ کہ اب ہلاکو حملہ آور ہونے والا ہے اور اس قلعے میں مٹھی بھر سپاہ رکھنا انہیں جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیلنا ہے۔

ابولواس وہاں سے ہٹا اور ایک قاصد کو عمیر کا پیغام دے کر طلم کی طرف روانہ کر دیا۔ عمیر نے سب سے پہلے جنگ میں شہید ہونے والوں کے دفن کا بندوبست کیا۔ زخمیوں کے لیے اس نے گھوڑوں کا انتظام کیا اور اس کے بعد وہاں سے اس نے کوچ کیا۔ راستے میں انہوں نے طلم کو خالی کر کے وہاں سے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لیا۔ موصل تک وہ بدرالدین کے لشکر کے ساتھ آیا اور وہاں سے وہ سنجار اور الہبین سے ہوتا ہوا اپنے مسکن کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

ہلاکو اپنے جنگی رتھ پر سوار، صحرائے گوبی، کوہستان الطائی اور تبت کی برف پوش وادیوں میں سے گزر کر شکار کھیلتا ہوا اپنے ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھا۔ جنگی رتھ پر اس کے پہلو میں اس کی حسین بیوی اور سوتیلی ماں دوقوزہ بیٹھی تھی جس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور ان کے پیچھے ان کا مشہور جرنیل سپہ سالار قط بوغا تھا۔ جس کے پیچھے چار گھوڑوں کی بگھی تھی جس پر دوقوزہ کے لیے لکڑی کا گرجا بنا ہوا تھا۔

ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ درندوں کی طرح دندناتا ہوا سمرقند میں وارد ہوا جی بھر کے اس نے شہر کو لوٹا اور جامع مسجد کو آگ لگادی۔ تاہم شہر کے گرجوں کا احترام کیا گیا تھا کیونکہ ہلاکو کی عیسائی بیوی دوقوزہ کا اس پر کافی اثر تھا۔ یہاں ہلاکو نے قیام کیا۔ اسے سمرقند کے تربوز بے حد پسند تھے۔ اس کے بعد اس نے صحرائے الغر کو عبور کیا اور اصفہان، ہمدان، نیشاپور، مشہد اور رے کو روندتا ہوا قزوین شہر کی طرف بڑھا۔ یہیں فدائیں کے شیخ الجبل کا قلعہ الموت تھا۔ ہلاکو نے آگے بڑھ کر الموت کا محاصرہ کر لیا۔

الموت میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا اور ہلاکو بڑی سختی سے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ قلعے کے اندر شیخ الجبل نے جو حسین لڑکیاں اور

لڑکے حور و غلمان کی صورت میں جمع کر رکھے تھے اور جو ابلیس کے اس معاون اور عالم اسلام کے ناسور سے سخت نالاں تھے انہوں نے ہلاکو سے اتحاد کیا اور اسے قلعے میں داخل ہونے کے لیے خفیہ راستوں کی نشاندہی کر دی۔

ہلاکو بے روک آندھی کی طرح قلعہ الموت میں داخل ہوا اور فدائین کا قتل عام شروع کر دیا۔ قلعے میں نچوڑ نچوڑ کی جو حسین ترین لڑکیاں جمع کی گئی تھیں انہیں تاتاریوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ مشہور منجم نصیر الدین طوسی بھی ہلاکو کے ہاتھ لگا اور اسے اپنے بھائی منگو کے پاس بھیجنے کے بجائے ہلاکو نے اسے اپنے پاس رکھ کر اپنا مشیر بنا لیا اور شیخ الجبل اور حسن بن صباح کے ساتویں جانشین رکن الدین خورشاہ[1] کو گرفتار کر کے اس نے اپنے بھائی منگو کی طرف روانہ کر دیا۔ خورشاہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ دشتِ تاتار سے منگو کا ایک قاصد آیا جو یہ پیغام لایا کہ اسے خورشاہ جیسے انسان سے ملنے کا کوئی اشتیاق نہیں، لہٰذا تاتاری سپاہیوں نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔

○

اسے بدقسمتی کہیے یا مسلمانوں کی نااہلی اور بے حمیتی کہ جب ہلاکو خون آشام درندے کی طرح حملہ آور ہو کر مسلمانوں سے ایک کے بعد دوسرا شہر چھینتا جا رہا تھا بغداد کی خلافت کھوکھلی ہو چکی تھی۔ بغداد کے آخری اور بدقسمت خلیفہ مستعصم اور اس کے شیعی وزیر میں چپقلش چل رہی تھی۔ شہر میں جہاں تاتاری حملوں کے پیشِ نظر

[1] اس جنگ میں شیخ الجبل کا بیٹا شمس الدین بچ گیا اور اپنے چچا کے ساتھ بھاگ کر آذربائیجان چلا گیا۔ کچھ عرصہ پوشیدہ طور پر زرد دوزوں کا کام کرتے رہے پھر آہستہ آہستہ اپنے مرید اکٹھے کیے اور ایران میں اسمٰعیلیت پھیلائی۔ یہاں تک کہ ان کے پیروکار پنجاب اور کشمیر تک پھیل گئے۔ حتیٰ کہ ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی نے ان کا قتلِ عام کرا دیا اور اس طرح ان کی امامت ایران سے ہندوستان منتقل ہو گئی۔

اتحاد کی صدائیں بلند ہونا چاہیئے تھیں. بغداد کے بدقسمت عوام سنی شیعہ فساد بپا کرنے میں مشغول تھے۔

پہلے ابن علقمی کی شہ پر شہر کے شیعوں نے سنیوں کے ایک محلے کو لوٹ لیا اور ان پر جبر و مظالم کیے. مستعصم کو اس واقعہ پر سخت طیش آیا. اس نے اپنے دو بیٹوں ابوبکر اور نورالدین کی سرکردگی میں بغداد کے محلہ کرخ پر جو شیعوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا حملہ کرادیا اور محلے میں تباہی مچادی. مزید بدقسمتی یہ کہ بغداد شہر کے بدمعاشوں کا ایک گروہ ان فسادات کو اور ہوا دے رہا تھا. وہ دونوں فرقوں میں سے کسی کی بھی طرفداری نہ کرتے تھے اور دونوں طرف کی لوٹ مار میں حصہ لیتے تھے. شیعہ سنی ایک دوسرے کا کم نقصان کرتے تھے پر یہ بدمعاش چھوٹی سی بات کو ہوا دے کر بلوے کراتے اور شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے۔

ان حالات میں وزیر علقمی خلیفہ سے نجات حاصل کر کے بغداد میں اپنی حکومت قائم کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا. اور اپنے ان خیالات کو عملی صورت دینے کے لیے اس نے ہلاکو سے ساز باز شروع کر دی اور اسے بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی. پہلے اس نے اپنے بھائی کو زبانی پیغام دے کر ہلاکو کے پاس بھیجا، لیکن ہلاکو بغداد پر حملہ کرنے کو تیار نہ ہوا۔

ابن علقمی نے ہمت نہ ہاری اور دوبارہ کوشش کی. اس بار اس نے موصل کے مشرق میں ایک شہر اربل کے حاکم ابن صلایا کو جو اس کے دوستوں اور خیر خواہوں میں سے تھا استعمال کیا۔ ابن صلایا کو ایک پیغام دے کر اس نے ہلاکو کے پاس بھیجا، لیکن ابن صلایا بھی ہلاکو کو بغداد پر حملہ پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ بغداد کو جہاں خلیفہ رہتا تھا. مرکزی حیثیت حاصل تھی اور ہلاکو ڈرتا تھا کہ مبادا اس کے حملے کی صورت میں مسلمان بھڑوں کی طرح نہ اٹھ کھڑے ہوں اور شمال کے بیابانوں تک اس کے کہیں قدم جمنے نہ دیں. لہذا وہ بغداد پر حملے کے لیے تیار نہ ہوا۔

ابن علقمی نے تیسری اور آخری کوشش کی جو کامیاب ہوئی۔ ہلاکو کا مشیر نصیر الدین طوسی بھی شیعہ تھا. ابن علقمی نے اس سے ساز باز کی اور اسے ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے رضامند کرنے کو کہا. ہلاکو نصیر الدین طوسی کی عزت اور اس کے مشوروں پر عمل

کرتا تھا. نصیر الدین طوسی نے جب بلیغ الفاظ میں ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کے لیے کہا تو ہلاکو مان گیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ قلعہ الموت سے بغداد کی طرف بڑھا ایلڈو کا لشکر بھی ہلاکو کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا. اس طرح ابن علقمی نے بغداد کے عوام کا ہلاکو کے ساتھ سودا کر لیا. ہلاکو جو پہلے بغداد پر حملہ کرتے وقت لومڑی کی طرح ڈرتا تھا. اب درندہ بن کر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

○

عمیر اپنے قلعے میں جاسوسی کے برج کے پاس بیٹھا تھا. اس کے گرد ابونواس، ہوازن اور ہشام بیٹھے تھے اور ان کے گرد کھلے میدان میں ان کے سپاہی ٹولیوں میں بٹ کر بیٹھے ہوئے تھے اور مسکن کے داستان گو اور مغنی انہیں اسلام کے بہادر جرنیلوں کی داستانیں سنا رہے تھے اور ان کے لیے رجز خوانی کر رہے تھے. فضا میں تاریکی پھیل چکی تھی. پرندے پیڑوں کے اندر شام کا بسیرا کر چکے تھے. چیڑ، دیودار اور چنار کے تناور درخت تیز ہواؤں کے سنگ چیخ چلا رہے تھے. عمیر نے ابونواس اور ہوازن دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ابونواس اور ہوازن میں کل بغداد جا رہا ہوں. میں سوچتا ہوں وہاں میرا ایک فرض ہے جو مجھے پکار رہا ہے یا یوں سمجھ لو میری جبلت مجھے بغداد کی طرف کھینچ رہی ہے. میں وہاں کے علماء سے ملوں گا، سپہ سالار امیر دیوادار سے بات کروں گا. میں خلیفہ مستعصم اور وزیر ابن علقمی سے التماس کروں گا کہ وہ اسلام کی سربلندی اور کروڑوں مسلمانوں کی بقاء اور سلامتی کے لیے اپنے اختلافات پس پشت ڈال کر متحد ہو جائیں اور بغداد کی طرف بڑھنے والے ہلاکو کو ایسی شکست دیں کہ اپنے دشت تک وہ کہیں قدم نہ جما سکے. میں انہیں بتاؤں گا کہ اگر ہلاکو نے ہمارے انتشار سے فائدہ اٹھا کر بغداد پر قبضہ کر لیا تو یہ حادثہ عالم اسلام کے دل میں زہریلا خنجر پیوست کر دینے کے مترادف ہوگا. میں ان دونوں پر واضح کر دوں گا کہ اگر آپ دونوں متحد ہو کر بغداد کی حفاظت نہ کر سکے تو ہماری آنے والی نسلیں مستعصم کو عیاش اور سہل پسند کا نام

دیں گی اور ابن علقمی کو غدار اور نمک حرام کہہ کر پکاریں گی — عمیر جب رکا تو ابو لؤاسس نے کہا۔

میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔

نہیں، تم اور ہوازن مسکن کی حفاظت کے لیے یہیں رہو گے۔ میرے ساتھ ہشام جائے گا۔ میں کوشش کروں گا وہاں سے اپنے لیے کچھ رضاکار بھی ساتھ لے کر آؤں اور مجھے امید ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہوں گا — عمیر کہتے کہتے رک گیا کیونکہ مسکن کی مسجد میں عشاء کی اذان ہونے لگی تھی۔ اور سب اٹھ کر نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دیئے۔

○

اگلے روز عمیر اور ہشام اپنے قبلے سے نکلے۔ مسکن کے گرد ایک مختصر سا چکر کاٹ کر انہوں نے دریائے عیرون عبور کیا اور پھر وہ جنوب مشرق کے رُخ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ راستے میں کہیں قیام کیے بغیر انہوں نے دریائے فرات پار کیا اور حدیثہ شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں دو روز تک وہ ایک سرائے میں رُکے رہے۔ اپنے گھوڑے کے چارے دانے کا بندوبست کیا اور خود بھی تازہ دم ہو کر دوبارہ وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ حدیثہ سے نکل کر ایک بار پھر انہوں نے جنوب مشرق کی طرف سفر شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ سامرا میں داخل ہوئے۔ شہر میں تاتاریوں کے متعلق افواہیں گرم تھیں۔ ہر طرف خوف وہراس پھیلا ہوا تھا اور ہر مسلمان خاموش نگاہوں کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے؟ ہمارا کیا بنے گا؟ کیا عالمِ اسلام میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو وحشی تاتاریوں کے آگے ناقابلِ تسخیر بند باندھ سکے۔ کیا برسوں کی کوشش سے ہمارے اجداد نے جو حصار تعمیر کیے تھے وہ ختم ہو چکے ہیں۔ ایسے بہت سے سوال تھے جو مسلمان ایک دوسرے سے کرتے تھے، لیکن کوئی انہیں جواب دینے والا نہ تھا۔ کوئی انہیں مطمئن نہ کر رہا تھا اور بے کسی اور انتشار کے اس دور میں مسلمانوں کی پراگندہ قوت کو کوئی بھی ایک مرکز پر جمع کرنے کی آواز بلند نہ کر رہا تھا۔

سامرا میں رکے بغیر عمیر اور ہشام آگے نکل گئے اور دریائے دجلہ کے ساتھ ساتھ کنارے بغداد کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایک روز سرِ شام وہ دونوں بغداد میں داخل ہوئے۔ اب عمیر آگے آگے اور ہشام اس کے پیچھے پیچھے تھا اور دونوں گھوڑوں پر سوار بازار سے گزرے۔ آہن گروں کے بازار میں سے گزرتے ہوئے عمیر نے بغداد کے مشہور اور معروف عالمِ دین علامہ جلال الدین[1] بن الحاجب کے گھر کا پتہ پوچھا اور دونوں دوبارہ آگے بڑھتے ہوئے ایک محلے میں داخل ہو گئے۔

ایک مکان کے سامنے دونوں نے اپنے گھوڑے روک لیے اور نیچے اتر گئے۔ عمیر آگے بڑھا اور اس مکان کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک بزرگ اور عمر رسیدہ آدمی نے دروازہ کھولا اور عمیر سے پوچھا:

آپ کس سے ملیں گے؟

عمیر نے غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا —

اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ علامہ جلال الدین ہیں؟

انہوں نے بڑے استفہامیہ انداز میں عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

میں ہی جلال الدین ہوں — لیکن آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟

میں شام کی سرزمین میں دریائے یردن کے اس پار سے آیا ہوں۔ وہاں کے لوگ ہمیں موت کے مسافر کہتے ہیں۔

جلال الدین نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے ہشام سے مصافحہ کیا اور دونوں کو اندر لے گئے۔

عمیر اور ہشام کو لیے جلال الدین ایک کمرے میں داخل ہوئے جس میں ایک بہت بڑی کھجور کے پتوں کی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ان کی ہمراہی

---

[1] بغداد کے ایک مشہور عالمِ دین تھے۔ سقوطِ بغداد کے وقت تاتاریوں کے ہاتھوں بے دردی سے مارے گئے۔

میں جوتے اتار کر چٹائی پر بیٹھ گئے۔ جلال الدین نے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی انکساری سے کہا:

میرے ہاں آرام دہ پلنگ اور میز کرسیوں کی جگہ اس قسم کی چٹائیاں استعمال ہوتی ہیں۔ شاید آپ ایسے ماحول سے مانوس نہ ہوں۔ میں آپ کی تکلیف پر معذرت خواہ ہوں۔

عمیر کی آواز کچھ اس طرح سنائی دی جیسے برسوں برف تلے دبی رہی ہو۔ ہم دونوں چٹانوں کے اندر پتھریلی زمین پر سونے والے ہیں۔ ایسا ماحول ہم جیسے سپاہیوں کو شاک نہیں گزرتا۔

جلال الدین کو ایکا ایکی شاید کوئی بات یاد آئی۔ اٹھ کر وہ کمرے سے باہر نکلے۔ کسی کو آواز دے کر انہیں عمیر اور ہشام کے گھوڑے مکان کے اندر لاکر باندھنے اور چارہ ڈالنے کو کہا اور دوبارہ آکر عمیر کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

موت کے مسافروں کا نام میرے لیے غیر مانوس نہیں۔ اپنے ساتھیوں میں آپ کی حیثیت کیا ہے؟

میں ان کا سالار اعلیٰ عمیر بن خزام ہوں اور یہ میرا ایک جرنیل ہشام ہے۔ ہم دونوں ایک مقصد کے تحت آپ کے پاس آئے ہیں۔

جلال الدین نے مایوس لہجے میں کہا۔

اگر آپ یہاں سے اپنے لیے رضاکار جمع کرنے آئے ہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی۔ بغداد کے جوان کسی شعبدہ باز کا تماشہ دیکھنے، بے دین علماء کا مناظرہ اور شاعروں کے جھوٹے اور لغو قصائد سننے کے لیے تو لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی پکار پر انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ میں آپ کو ایسی کوشش کرنے سے منع نہیں کروں گا، لیکن حقیقت سے میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔

عمیر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

میں اس سے بھی ایک ارفع مقصد کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔

کیا مقصد؟

اہلِ بغداد کو ہلاکو کے سامنے متحد کرنے کا۔

جلال الدین نے مغموم آواز میں کہا۔

گو ابن علقمی کے ہاتھوں بغداد کے عوام کا سودا ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود اگر بغداد کے عوام کو متحد کرنے اور ان کی بیداری کے لیے آپ کچھ کریں زمین آپ کے ساتھ ہوں، اگر اس نیک مقصد کے لیے قدرت آپ جیسے مجاہد کا انتخاب کر چکی ہے تو میں اپنے مقدور کی آخری وسعتوں تک آپ کا ساتھ دوں گا۔

عمیر کی آنکھوں میں امید کی چمک دکھائی دینے لگی تھی۔ بڑی بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے اس نے کہا۔

کیا آپ بغداد کی افواج کے سپہ سالار امیر دیلوار اور شہر کے چیدہ چیدہ علماء سے میری ملاقات کا بندوبست کر سکتے ہیں؟

میں کل صبح ہی اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔

تو پھر میں امیر دیلوار اور شہر کے علماء کو اعتماد میں لے کر کل سے اپنی مہم شروع کروں گا، اگر میں کامیاب ہوا تو میری خوش قسمتی ہوگی اور اگر مجھے ناکامی ہوئی تو میں سمجھوں گا۔ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔

جلال الدین کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

میں آپ کے لیے کھانا لاؤں پھر آپ آرام کریں۔ آپ ایک طویل سفر کر کے آئے ہیں۔ کل صبح تازہ دم ہو کر آپ اپنی مہم کا آغاز کر دیں۔ جلال الدین باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھانا لے کر لوٹے اور تینوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ اسی کمرے کی چٹائیوں پر دونوں کے لیے بستر لگائے گئے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو شب بخیر کہتے ہوئے اپنے بستروں میں گھس گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہشام سو چکا تھا، لیکن عمیر جاگ رہا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا، پھر اس کے تصورات کی پرچھائیاں پھیلتی چلی گئیں تصور کی اس تصور میں اس نے دیکھا وہ بغداد کے لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ہجوم

سے خطاب کر رہا تھا۔ وہ انہیں آنے والے خطرات اور ان کے نتائج سے آگاہ کر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری شعلہ بیانی کے ساتھ ان سے مخاطب تھا اور لوگ اُٹھ اُٹھ کر اس کے حق میں آوازیں بلند کر رہے تھے۔ پھر تصور کے حاشیے اور پھیلتے گئے۔ اس نے اپنے آپ کو میدان جنگ میں دیکھا۔ افواج کا ایک سیلاب اس کے ہمرکاب تھا اور وہ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے دشت کے بھیڑیے ہلاکو سے جنگ کر رہا تھا۔ اس سے بھی آگے اس نے دیکھا وہ ہلاکو کا تعاقب کر رہا تھا حتیٰ کہ وہ ہلاکو کی افواج کو مارتا کاٹتا ان کے تعاقب میں ٹنڈرا اور سائبیریا کے میدانوں سے بھی آگے قطب شمالی کی تاریکیوں میں داخل ہو رہا تھا۔ عمیر نے اپنی آنکھیں جھپکائیں اور مسکرا دیا۔ کیسا حسین خیال تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

دوسرے روز جب وہ ہشام کے ساتھ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد جلال الدین کے گھر واپس آیا تو اس نے دیکھا ان کے کمرے میں بے شمار لوگ جمع تھے۔ ان میں بغداد کی افواج کے سپہ سالار دیودار، بغداد کے چند فقیہا ابوعلی النحوی، تقی الدین عمر یقینی یوسف بن جوزی، خلیفہ مستعصم کے بیٹے نوالدا اور ابوبکر کے علاوہ بہت سے سنی شیعہ علماء بھی تھے۔

جب وہ دونوں کمرے میں آئے تو جلال الدین نے سب سے ان کا تعارف کرایا۔ امیر دیودار نے عمیر کو اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا اور عمیر اپنی عبا سمیٹتا ہوا اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ قبل اس کے عمیر کچھ کہتا امیر دیودار خود ہی بول پڑا۔

علامہ جلال الدین آپ کے متعلق ہم سب کو بہت کچھ بتا چکے ہیں اور ہم سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج شام آپ کو بغداد کے شہریوں سے خطاب کرنے کا موقع دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ہی کی زبان سے کچھ اثر قبول کر لیں ورنہ ہم تو ایسے لوگوں سے مایوس ہیں جن پر بدمعاشوں کا غلبہ ہو اور جن کے

سامنے کوئی واضح نصب العین نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں سمجھوں گا ہلاکو کی بدبختی اسے بغداد کی طرف کھینچ رہی ہے۔

عمیر نے اپنا جھکا ہوا سر آہستہ آہستہ اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

میری آپ سب سے التجا ہے کہ آپ مسلمانوں کو فرقہ وارانہ دھڑوں میں نہ بٹنے دیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہمارا خدا ایک، رسول اور مقدس کتاب ایک ہے۔ جب ہمارے بنیادی اصول ایک جیسے ہیں تو پھر ہم چھوٹے چھوٹے حاشیائی اختلافات پر ایک دوسرے کے گریبان کیوں پکڑیں۔ اگر آپ سب مل کر خلوص نیت کے ساتھ فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر اپنے عوام کو متحد کرنے کی کوشش کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ہمیں اپنے مقاصد میں ناکامی نہ ہو گی۔ اس وقت ہمارے سامنے اولین مقصد اپنے آپ کو متحد کر کے ہلاکو کے سامنے ایک مضبوط حصار قائم کرنا ہے ——— امیر دیودار نے عمیر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ہلاکو کے بغداد پر حملے کی صورت میں آپ کا کردار کیا ہو گا۔

اگر ہلاکو بغداد پر حملہ کرتا ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں اپنے دس ہزار جان نثاروں کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے آؤں گا۔ یہی نہیں یہاں سے نکل کر میں قاہرہ جاؤں گا اور مصری حکومت سے التجا کروں گا کہ بغداد پر حملے کی صورت میں وہ اپنی افواج ہلاکو کے مقابلے میں روانہ کریں۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تو ہلاکو پر بغداد کی طرف سے آپ اور اس کی پشت سے میں، میرے ساتھی اور مصری فوج حملہ کرے گی اور ایسی صورتِ حال میں ہلاکو کسی فوج بھی ہم سے بچ کر نہ جا سکے گا۔

اس بار خلیفہ مستعصم کا بیٹا ابوبکر بولا۔

آپ آج بغداد کے عوام سے خطاب کریں۔ جلسے کا انتظام ہم خود کریں گے۔ کل میں آپ کی ملاقات خلیفہ اور وزیر ابن علقمی سے کرانے کے انتظامات کروں گا۔ آپ کی زبان میں ایک تاثیر ہے۔ شاید آپ دونوں کے اختلافات ختم کرا سکیں اور

یوں جو ایک تباہی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے وہ ٹل جائے۔

امیر دیودار پھر عمیر سے مخاطب ہوا۔

اگر آپ مصری حکومت کو بغداد کی حفاظت کے لیے اپنی فوجیں بھیجنے پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر یقین کیجئے تاتاریوں نے صحرائے گوبی سے لے کر اصفہان تک جو علاقہ مسلمانوں سے چھین رکھا ہے اس سے ہم ان بھیڑیوں کو نکال باہر کریں گے۔

اب خلیفہ مستعصم کا دوسرا لڑکا نورالدین بولا۔

گو اس وقت بغداد کے خزانے کی حالت سقیم ہے اور اخراجات پورے کرنے کے لیے کسانوں اور صناعوں پر آئے دن ٹیکس لگائے جا رہے ہیں اس کے باوجود جنگ کی تیاری کے لیے ہم آپ کو ایک معقول رقم بھی جمع کر کے دے سکتے ہیں۔ اگر مصری حکومت نے اپنی فوجیں نہ بھی بھجوائیں اور صرف آپ اپنے دس ہزار شاہینوں کے ساتھ ہلاکو کی پشت سے حملہ آور ہوتے تو بھی ہم ہلاکو کو شکست دے سکتے ہیں۔ امیر دیودار کے ساتھ مل کر یہ بھی کوشش کی جائے گی کہ یہاں سے آپ کے لیے رضاکاروں کی ایک جماعت بھی تیار کی جائے ——

عمیر نے نورالدین کی بات کاٹ کر کہا۔

آپ یہ نہ سمجھیں میں کسی مالی امداد اور رضاکار لینے کے لیے بغداد آیا ہوں رضاکار مجھے حجاز، مصر اور مراکش سے کافی مل سکتے ہیں۔ رہی بات مالی منفعت کی تو میں اپنے لشکر کے اخراجات اپنے مسکن کے اندر پورے کر سکتا ہوں، مسکن کے کسان اور پیرو ہمیں بھوکا نہیں مرنے دیں گے۔ میں اور میرے ساتھی وہ لوگ ہیں جو تاتاریوں کے ہاتھوں لٹ چکے ہیں ہم ان کی فطرت سے خوب واقف ہیں۔ میرا یہاں آنے کا مقصد صرف ہلاکو کے مقابلے میں اہل بغداد کو متحد کرنے کی کوشش کرنا تھا۔

نورالدین نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔

یہ بات میں نے آپ سے عفو
ئے وہاں پہنچ گئے۔ کچھ طالب علم فوراً
آپ کی دل آزاری ہرگز نہ تھا۔
بے پکڑ کر ایک طرف باندھ دیئے
جواب میں عمیر مسکرا دیا تھا۔ اس کے بعد علموں نے پُرجوش تکبیریں
اپنی رائے کا اظہار کیا اور یوں بغداد کے علما اور اربابِ حو
دُور تک
پہلی نشست بڑے اچھے ماحول میں ختم ہو گئی۔

یوں جو ایک تباہی ہمارے سروں پر منڈ
امیر دیوار پھر عمیر سے مخا
اگر آپ مصری حکو
بھیجنے پر رضامند کر
صحرا

دریائے دجلہ بغداد کے آسمان پر ڈوبتے سورج کی آخری جھلک دیکھ رہا تھا۔ شفق رنگ پانی میں حلول کر گئے تھے۔ کھلے بادبانوں والی کشتیاں دجلہ کے آر پار تیر رہی تھیں۔ دریا کے کنارے ایک کھلے اور وسیع میدان میں لکڑی کی ایک شہ نشین بنائی گئی تھی جس کے اوپر اطلس کے شامیانے لہرا رہے تھے۔

سورج جب غروب ہو گیا۔ رات تاریکی میں حل اور ضم ہو گئی۔ لوگ مغرب کی نماز ادا کر چکے اور بغداد کے ایوانوں میں قیمتی فانوس روشن ہو گئے تو اس میدان میں جس کے اندر لکڑی کی شہ نشین بنائی گئی تھی لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک ساعت بعد وہاں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جمع ہو گیا تھا۔ چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی لوگوں کے سر ہی سر نظر آتے تھے۔

شہ نشین کے پیچھے بغداد کے جواں سال طالب علم اور حفاظ کرام بیٹھے تھے جن کی مدد سے جلسے کا یہ سارا انتظام کیا گیا تھا۔ شہ نشین کے اوپر بغداد کے کئی علماء اور فقہاء آ کر بیٹھ چکے تھے۔ اتنے میں دو گھوڑوں کی ایک بگھی شہ نشین کے پاس آ کر رکی اس میں سے علامہ جلال الدین، تقی میر یقینی، ابوعلی النحوی اور یوسف بن جوزی جیسے علماء اترے اور شہ نشین پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے پیچھے

اور ہشام بھی اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ کچھ طالب علم فوراً اور بڑے احترام سے ان دونوں کے گھوڑے پکڑ کر ایک طرف باندھ دیئے اور ہشام جب شہ نشین کی طرف بڑھے تو طالب علموں نے پرجوش تکبیریں کیں جس کے جواب میں میدان میں بیٹھے لوگوں کے اندر سے دور دور تک اکبر کی صدائیں سنائی دینے لگی تھیں۔ عمیر کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ ہشام کے ساتھ شہ نشین پر آ کر بیٹھ گیا۔

سب سے پہلے علامہ جلال الدین اٹھے اور انہوں نے جہاد کے موضوع پر مختصر سی تقریر کی۔ اس کے بعد بغداد کے دوسرے علماء کو اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا۔ اس دوران لوگ زور زور سے آوازیں کسنے لگے تھے۔

موت کے مسافر کو لاؤ ——— موت کے مسافر کو لاؤ۔

آخر عمیر اٹھ کر سامنے آیا ایک بار اپنے اطراف گھوم کر اس نے لوگوں کے ہجوم کو دیکھا پھر اس کی بلند آواز سنائی دی۔

خواندگان کرام! خلافت کے محافظو! مسلم قوم کے نگہبانو! ملّت کے سپاہیو! میرا نام عمیر بن خزام ہے اور میں دریائے یرون کے اس پار سے آپ کے پاس ایک پیغام اور التماس کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ میں آپ کو ایک عظیم طوفان سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ جو اپنی پوری شد و مد کے ساتھ آ رہا ہے وہ الپ ارسلان کا طوفان جو بغداد کی شمع کو گل کر دینے کے درپے ہے۔ میرے بھائیو! نیشاپور سے موصل اور سمرقند سے قزوین تک تباہی مچانے کے بعد بغداد کا رُخ کر رہے ہیں۔

عمیر ذرا رکا اور پہلے سے بھی بلند آواز میں بولا۔

اہلِ بغداد! میں شاعروں کے قصائد کی قدر و قیمت اور مرمریں ایوانوں کے آداب سے واقف نہیں لیکن میں آپ کو یہ بتا دوں کہ جب امراء اور حکومت مے و نشاط کی محفلیں منعقد کرنے لگیں جب ان کا ایک ہاتھ جام اور دوسرا زلفِ یار پر ہو تو وہ ملّت کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کے پتوار نہیں

سنبھال سکتے۔ جو لوگ صداقت کی آوازوں کا گلا گھونٹ کر شاہی قالینوں پر جبین سائی کرتے ہیں ایسے لوگوں کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔

بغداد کے مکینو! ہم غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ ہم مطربوں کے میٹھے اور سہانے نغمے سن سن کر اونگھ رہے ہیں اور ہمارے سروں پر موت کھیل رہی ہے۔ اب بھی اگر ہم نہ جاگے تو قیامت تک سوتے رہیں گے۔

عمیر سانس لینے کو رکا اور دوبارہ بولا۔ اب اس کی آواز میں تاسف کے بجائے اور فریاد کرنے والی۔ شہنائی کی طرح سوز تھا۔

بغداد کے نگہبانو! دائم خانہ بدوش تاتاری جو کبھی رزق کی تلاش میں ٹنڈرا کے برف زاروں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اپنے تیز رفتار جنگلی اور مستنگ گھوڑوں کے ساتھ منگولیا اور چینی ترکستان سے طوفان کی طرح اٹھ کر ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم نے اس تباہ کن آندھی کے سامنے کوئی مضبوط بند نہ باندھا تو وہ اپنی وحشت اور بربریت کے ساتھ ہم پر وارد ہوں گے اور ریت کے تودوں کی طرح وہ دور دور کی آبادیوں کو فنا کر دیں گے اگر آپ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اور قوم سے غداری کرنے والوں کا محاسبہ شروع کر دیں تو میں اور میرے دس ہزار جاں نثار بغداد کی حفاظت کی خاطر آپ لوگوں کے ایک ادنیٰ اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہیں ——— عمیر کو رکنا پڑا۔ شہ نشین کے قریب بیٹھے طالب علم نعرے لگانے لگے تھے۔

آپ ہمارے نقیب، ہمارے راہنما اور مشعل بردار ہیں۔ ہم بغداد سے غداری کرنے والوں کی گردنیں کاٹ دیں گے۔ آپ ہمارے ہیں۔ بغداد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

عمیر پھر بولا۔ میری قوم کے باجبروت فرزندو! میں تمہیں اس خوفناک تاریک رات سے متنبہ کرتا ہوں جس کے مقدر میں سحر نہیں ہوتی۔ اہل بغداد کو اپنے ایک لاکھ سے زائد لشکر کے ساتھ بغداد سے اب صرف چند کوس کی مسافت پر بڑھتا آ رہا ہے۔ میں آج ہی یہاں سے کوچ کر رہا ہوں اور اس

لشکر کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے آؤں گا۔ جانے سے پہلے میرے ساتھ وعدہ کیجیے ——— عمیر کہتے کہتے رک گیا۔ دریائے دجلہ کیطرف بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ رات کی تاریکی میں کچھ دکھائی نہ دیا تھا۔ تاہم گھوڑوں کی ٹاپوں سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی لشکر بڑھتا چلا آ رہا ہے دیکھتے ہی دیکھتے سوار قریب آئے اور جلسے کے چاروں طرف پھیلتے گئے۔ پھر ان سواروں کی طرف سے سنسناتے تیروں کی تیز بوچھاڑ ماری گئی۔ جلسے کے اندر سے بھی بیشمار لوگ اٹھ کھڑے ہوتے اور وہ بھی بہتے لوگوں پر تیر برسانے لگے۔ کچھ نے تلواریں نکال لی تھیں اور جو شخص سامنے آتا اسے کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جلسے کو ناکام بنانے کے لیے یہ سب کچھ سوچی سمجھی تدبیر کے تحت کیا گیا تھا۔

ہر طرف شور مچ گیا تھا۔ گھوڑ سوار ٹاپوں تلے بے گناہ لوگوں کو روندے ہے تھے۔ ایکا ایکی کچھ لوگ شہ نشین کے قریب سے اٹھے اور عمیر پر ٹوٹ پڑے۔ عمیر اور ہشام نے اپنی تلواریں نکال کر اپنا دفاع شروع کر دیا تھا۔ ایک ساتھ کئی تلواریں عمیر پر برسیں۔ عمیر اور ہشام نے ان کا دفاع کیا۔ اتنے میں ایک بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور عمیر کی ران پر تلوار ماری۔ عمیر نے اپنا آپ بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے باوجود اس نامراد کی تلوار ایک گہرا گھاؤ لگاتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔

عمیر ڈگمگانے لگا۔ حملہ آوروں نے ایک بار پھر تلواریں لہرائیں۔ ہشام نے فوراً ڈگمگاتے عمیر کو سنبھال لیا اور اس طرح اپنے بازوؤں اور چھاتی کے نیچے چھپا لیا جس طرح مرغی اپنے بچوں کو چیل سے چھپا لیتی ہے۔ ساری تلواریں ہشام کے بدن پر برسیں تھیں اور اس کے جسم کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔

یہ حملہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ سراسیمگی سی پھیل گئی تھی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا تھا۔ تاہم جس وقت ہشام پر تلواریں برس رہی تھیں طالب علموں کا گروہ اپنی تلواریں سونت کر حرکت میں آ چکا تھا اور آناً فاناً وہ ان لوگوں سے

ٹکرا گئے جو عمیر پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہشام لہولہان عمیر کے اوپر گر کر دم توڑ گیا تھا۔ ایک جاں نثار سپاہی اپنے آقا اور سپہ سالار پر قربان ہو چکا تھا۔ عمیر نے ہشام کی لاش کو اپنے بازوؤں میں لیا۔ اور کراہتے ہوئے کہا۔

آہ ہشام! یہ کیا ہو گیا ہے۔ جب عمیر نے دیکھا کہ ہشام مر گیا ہے تو اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

ظالمو! کیا تمہارے ہاں نیکی کا یہی صلہ ہے۔ عمیر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ طالب علم حملہ آوروں کو دھکیل کر پیچھے لے گئے تھے۔ اتنے میں کسی کی آواز عمیر کے کانوں میں پڑی۔

عمیر! عمیر! میرے بیٹے! بھاگ جاؤ۔ اپنی جان بچاؤ۔ غدار اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ بغداد بک چکا ہے۔ بھاگ جاؤ میرے بیٹے بھاگ جاؤ۔ عمیر پہچان گیا وہ علامہ جلال الدین کی آواز تھی۔

میدان میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ لوگ اندھیرے میں ایک دوسرے کو روندتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ عمیر شہ نشین سے اترا۔ اس نے جلال الدین کو دیکھنا چاہا لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آئے۔ اس کی ران سے بڑی تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا اور لمحہ بہ لمحہ اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی۔ شہ نشین سے اترا وہ لنگڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور درختوں کے ایک جھنڈ میں آکر اس نے اپنی عبا پھاڑی اور زخم کو کس کر باندھ دیا تھا۔

عمیر نے ایک درخت کا سہارا لیتے ہوئے شہ نشین کی طرف دیکھا حملہ آور سارے طالب علموں کو کاٹ کر اب شہ نشین کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک آواز عمیر کے کانوں سے ٹکرائی وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

موت کے مسافر کو تلاش کرو۔ وہ یہیں کہیں ہو گا۔ اسے بچ کر نہیں جانا چاہیئے۔ اگر وہ زندہ اپنے مسکن پہنچ گیا تو ہم سے ایسا انتقام لے گا جس

کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے ہو۔ جلدی کرو۔ چاروں طرف پھیل کر اُسے تلاش کرو امیر و یوار اور اس کے سپاہیوں کا فکر نہ کرو۔ ابن علقمی نے مستقر سے اسے اپنے ہاں اہم صلاح مشورہ کے لیے بلا رکھا ہے اور وہ اسے اس وقت تک نہ اُٹھنے دے گا جب تک تم اپنا کام مکمل نہیں کر لیتے۔ یاد رکھو اگر تم اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے تو ابن علقمی تم سب کی گردنیں اڑا دے گا اور یہ اس کے ساتھی کی لاش اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔ عمیر نے دیکھا ہشام کی لاش اٹھا کر وہ دریا کی طرف لے گئے تھے۔

ران میں شدید درد کے باوجود عمیر جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا۔ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر وہ آبادی میں داخل ہوا اور محلوں کی گلیوں میں ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ ران کے زخم سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں اور ہر آنے والا لمحہ اس پر شدید مردگی طاری کر رہا تھا۔ گلیوں میں لوگوں کا ہجوم اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ عمیر بھی ان کے اندر گرتا پڑتا آگے بڑھتا رہا۔

ایک جگہ بلند دیوار کے ساتھ جہاں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ دستانے کی خاطر اس دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اونچے اونچے چند سانس لینے کے بعد اس نے اس عمارت کا جائزہ لیا جس کی دیوار کے ساتھ وہ کھڑا تھا وہ امام احمد بن حنبل کا مزار تھا۔ عمیر نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

میرے اللہ! جس ہستی سے مجھے اپنے روضے کی دیوار میں پناہ دے رکھی ہے اسی ہستی کے طفیل میری حفاظت کر۔ میرے مالک! میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ میری منزل ابھی دُور ہے۔ میرا کام ادھورا ہے۔ میرے اللہ تو مسلمانوں کی بہتری کے لیے مجھے کچھ کرنے کی مہلت عطا فرما۔

عمیر کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھے رہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ان سے آنسو بہہ نکلے۔ پھر اس کے زخم سے جان لیوا ٹیس اُٹھی اور نڈھال ہو کر اس نے اپنے سارے جسم کا بوجھ امام احمد بن حنبل کے روضے کی دیوار

پر ڈال دیا تھا۔

ایک دم چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں قریب ہی اسے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے نگاہ اُٹھا کر ادھر ادھر دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ اس کا اپنا گھوڑا بھاگتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس پر کوئی سوار تھا، جس نے اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرا رکھا تھا۔

دیوار کے قریب آ کر وہ سوار گھوڑے سے اتر گیا کیونکہ گھوڑا وہاں آ کر خود بخود رک گیا تھا۔ شاید وہ اپنے مالک کی بُو پا گیا تھا۔ جونہی وہ سوار گھوڑے سے اترا عمیر کا گھوڑا اتھنے پھڑ پھڑاتا اور ہنہناتا ہوا آگے بڑھا اور عمیر کے قریب آ کر وہ اپنے ہونٹوں سے عمیر کا بدن پیولنے لگا۔ اتنے میں اس سوار نے بڑی رازداری سے عمیر کو پکارا۔

عمیر! اے عمیر!

عمیر جس پر غشی طاری ہو رہی تھی بڑی مشکل سے سنبھلا اور اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر لے گیا اتنے میں اس سوار کی مترنم نسوانی آواز پھر سنائی دی۔

گھبرائیے نہیں میں دشمن نہیں۔

عمیر کو یوں لگا جیسے وہ آواز اس کی جانی پہچانی ہو جیسے جلترنگ جیسی جوان اور نسوانی وہ آواز برسوں سے اس کے ذہن کے گوشوں میں بس رہی ہو۔ وہ اس بات کا تعین نہ کر سکا کہ اس نے یہ آواز کہاں سنی تھی تاہم وہ خوبصورت اور شیریں آواز اس کے لیے مانوس اور شناسا تھی۔

اتنے میں زرہ اور خود میں ڈھکی چھپی وہ لڑکی آگے بڑھی۔ تاریکی کے باوجود عمیر اس جوان اور حسین لڑکی کے ہاتھ پہچان گیا۔ وہ خوبصورت اور لمبی لمبی انگلیوں والے گداز اور گوشت سے بھرے ہوئے حسین ہاتھ جنہوں نے یروشلم میں اس کے زخم پر پٹی باندھی تھی اور منصورہ میں اسے انار کے رس کی چھاگل پیش کی تھی۔ عمیر سوچ میں کھو گیا۔ اس کی نگاہیں بے اختیار آسمان کی طرف اُٹھ گئی تھیں شاید شکریہ ادا کرنے کی خاطر کہ قدرت اس کی حفاظت

کا سامان کر رہی تھی۔

اتنے میں وہ گمنام اور اجنبی لڑکی آگے بڑھی۔ سہارا دے کر اس نے عمیر کو گھوڑے پر ڈالا خود بھی وہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک ہاتھ سے اس نے گھوڑے کی عنان پکڑی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے عمیر کو اپنی جوان اور کنواری گود میں سمیٹ لیا تھا اور گھوڑے کو ایڑھ لگا کر ایک طرف سرپٹ چھوڑ دیا تھا۔ عمیر پر اب مکمل غشی طاری ہو چکی تھی اور اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

لڑکی گھوڑے کو لگاتار دوڑاتی رہی۔ عمیر اس کی گود میں بے ہوش پڑا تھا۔ یہاں تک کہ بغداد سے دس میل دُور سمرا نام کے ایک قصبے میں گھوڑے کو اس نے روکا اور ایک سرائے میں داخل ہوئی۔

گھوڑے کو ایک طرف کھڑا کر کے وہ سرائے کے مالک کے پاس آئی اور آواز بدل کر مردانہ لہجے میں کہا۔

کیا مجھے ایک کمرہ مل جائے گا؟

سرائے کے مالک نے ایک بار غور سے اس کی طرف دیکھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ضرور مل جائے گا۔

وہ گمنام لڑکی پھر بولی۔

میرے ساتھ میرا ایک ساتھی بھی ہے۔ ہم بغداد سے آ رہے تھے کہ ہمارے دشمنوں نے ہم پر حملہ کر دیا جس میں میرا ساتھی بُری طرح زخمی ہو چکا ہے کیا تم کسی طبیب اور جراح کا بندوبست بھی کر سکو گے۔

سرائے کے مالک نے پریشانی سے پوچھا۔

آپ کا ساتھی کہاں ہے؟

لڑکی پھر مردانہ آواز میں بولی۔

وہ میرے گھوڑے پر بے ہوش پڑا ہے۔

سرائے کے مالک نے ایک چابی لی اور باہر نکلتے ہوئے لڑکی سے کہا۔
آیئے میرے ساتھ۔ میں آپ کو کمرہ دکھا کر طبیب کو لاتا ہوں۔
لڑکی پیچھے ہٹی۔ گھوڑے پر بے ہوش پڑے عمیر کو اس نے اپنی پیٹھ پر ڈالا اور سرائے کے مالک کے ساتھ ہولی۔ اس نے ایک کمرہ کھولا۔ لڑکی اندر داخل ہوئی اور عمیر کو ایک بستر پر لٹا دیا اور سرائے کے مالک سے کہا۔
باہر میرا گھوڑا کھڑا ہے۔ اسے اصطبل میں لے جا کر اس کے چارے کا بندوبست کرو اور جتنی جلدی ہو سکے حکیم کو بلا دو۔ اس مقصد کے لیے تمہیں جتنی نقدی چاہیئے لے جاؤ۔ سرائے کا مالک باہر نکلتے ہوئے بولا۔
اس کی کوئی ضرورت نہیں۔
لڑکی عمیر کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی اور عمیر کا لباس ہٹا کر اس نے اس کی ران کا زخم دیکھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی جو ساری خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ لڑکی مغموم ہو گئی اور عمیر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جو بے ہوش پڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سرائے کا مالک لوٹا اس کے ساتھ ایک طبیب بھی تھا جو اپنا چمڑی تھیلا اٹھائے ہوئے تھا۔ سرائے کے مالک کے سمجھانے پر طبیب آگے بڑھا اور عمیر کی ران پر بندھی ہوئی پٹی کھول کر وہ زخم دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ لڑکی نے پریشان ہو کر پوچھا۔
کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟
طبیب نے سنبھلتے ہوئے کہا
گھاؤ کافی گہرا ہے جس تلوار سے یہ زخم لگا ہے اس پر زہر کی پان چڑھی ہوئی تھی اگر یہ کچھ دن بیہوش رہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں۔ زخم مندمل ہوتے ہوتے وقت لے گا۔ یہ دو ماہ تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو سکتے کیونکہ اس طرح ان کا زخم پھر کھل کر ناسور کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔
لڑکی نڈھال سی ہو گئی تھی اور طبیب زخم صاف کر کے اس پر پٹی

باندھ رہا تھا۔ طبیب جب فارغ ہوا تو لڑکی چونکی اپنے لباس کے اندر سے اس نے ایک سنہری سکہ نکال کر طبیب کی طرف بڑھاتے ہوئے ڈوبتی آواز میں کہا۔
جو جوان آپ کے سامنے زخمی حالت میں پڑا ہے اسے اگر کچھ ہو گیا۔ تو یہ عالم اسلام کے لیے ایک جان لیوا نقصان ہو گا۔ یہ ایک ایسا جرنیل ہے جس نے ایک طرف صلیبیوں اور دوسری طرف وحشی تاتاریوں کے آگے دفاع کے مضبوط حصار قائم کیے ہیں۔ اگر آپ اس کی جان بچا سکیں تو مذہب و ملت پر آپ کا یہ ایک عظیم احسان ہو گا۔
سرائے کے مالک نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
ان کا نام کیا ہے؟
لڑکی نے مدہم آواز میں جواب دیا۔
اسے ابھی ایک راز ہی رہنے دیں۔ میری آپ سے التماس ہے کہ ہمارے دشمن اگر ہمیں تلاش کرتے یہاں آ جائیں تو ان کی یہاں موجودگی کا ان پر اظہار نہ کریں۔ انکے علاج کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہو گی وہ میں مہیا کروں گا۔
سرائے کے مالک نے پھر پوچھا۔
تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے۔
یہ میرے آقا ہیں اور میں ان کا غلام ہوں۔
سرائے کے مالک نے لڑکی کے خود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

یہاں اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب آپ بیشک خود اتار دیں۔
لڑکی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔
میں یہ خود سر سے کبھی نہیں اتارتا۔ یہ ایک راز ہے جسے کسی اور سے نہیں کہا جا سکتا ہے۔
سرائے کا مالک طبیب کے ساتھ باہر نکلتا ہوا بولا۔

میں تمہارے لیے کھانا لاتا ہوں۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے طبیب نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

میں روزانہ آکر پٹی بدلتا رہوں گا۔ اگر خطرے کی کوئی بات ہو تو مجھے بلا لیں میں دوائی بدل دوں گا ——— وہ دونوں باہر نکل گئے۔ لڑکی عمیر کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کا سر اس نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ وہ اس کا سر سہلا رہی تھی اور خود کے نقاب میں پوشیدہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر نقاب کے کناروں کے ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے۔

سرائے کا مالک اس کے لیے کھانا رکھ کر چلا گیا۔ لڑکی نے دیوار کیطرف منہ کر کے نقاب ہٹایا۔ کھانے کے چند لقمے لیے پانی پیا اور دوبارہ چہرے پر نقاب گرا کر وہ عمیر کے پاس اسی طرح آکر بیٹھ گئی تھی۔

رات جب آدھی گذر گئی اور لڑکی اسی طرح عمیر کے پاس بیٹھی جاگ رہی تھی۔ عمیر نے حرکت کی۔ لڑکی چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ عمیر نے آنکھیں کھولیں اور ٹکٹکی باندھے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

میں کہاں ہوں؟

لڑکی کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

آپ اس وقت بغداد سے دس میل شمال مغرب میں سمیرا نام کے قصبے کی سرائے میں ہیں۔ طبیب آپ کے زخم پر پٹی باندھ گیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا آپ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔

عمیر کی ایسی آواز سنائی دی جیسے بار بار ڈوب کر ابھری ہو۔

تم نے میری جان بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے اس کی تلافی شاید میں پوری عمر نہ کر سکوں گا۔

لڑکی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں آپ کی کنیز ہوں اور کنیز کا اپنے آقا پر کوئی احسان نہیں ہوتا۔

عمیر نے مغموم لہجے میں کہا۔

جس وقت میں امام احمد بن حنبل کے روضے کی دیوار کا سہارا لے کر کھڑا تھا میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ موت کے سائے میری آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے تھے۔ وہاں میں نے خلوص نیت اور دل کی گہرائیوں سے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ مجھے اپنی ملت کے لیے کچھ کرنے کا موقع دے۔ شاید قدرت کو میرے آنسوؤں میں ڈوب ہوتے وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ پسند آئے تھے اور اس نے تمہیں میری مدد کو بھیج دیا۔ میں تمہارا مشکور ہوں شاید قدرت مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔

عمیر خاموش ہو گیا اور ٹکٹکی باندھ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک بار اس کی پھر نحیف آواز سنائی دی۔

تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟

لڑکی اپنا چہرہ اس کے قریب لے گئی۔

میں آپ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں جسے آقا کسی بھی نام سے پکار سکتا ہوں۔

کیا تم اپنے سر سے خود نہیں اتارو گی؟

لڑکی نے منت کرتے ہوئے کہا۔

میرے آقا! یہ ایک راز ہے جس کے اندر ایک مصلحت ہے میں آپ سے التجا کرتی ہوں اسے راز ہی رہنے دیں۔ اس میں میری اور آپ دونوں کی بہتری ہے۔

عمیر پھر خاموش ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد اسکی نہایت کمزور آواز سنائی دی۔

آہ شام! ظالموں نے تمہیں مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں ——— میں ان کے ناپاک ارادے ضمیر کو جگانے گیا تھا میں نہ جانتا تھا وہ چلتی پھرتی لاشیں ہیں اور ان کے ذہن مردہ ہو چکے ہیں۔ مجھے علم نہ تھا کہ بغداد کے لوگ قوم کے ایسے افراد ہیں جو مٹی کے بت ——— عمیر خاموش ہو گیا۔ لڑکی نے چونک کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ پھر بے ہوش ہو چکا تھا۔ لڑکی اٹھی اور طبیب کو بلانے سرائے کے مالک کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی

ابن علقمی، نصیرالدین طوسی اور اربل شہر کے حاکم ابن صلایا کی سازش کے تحت ہلاکو بغداد پر حملہ آور ہوا۔ ابن علقمی نے خلیفہ سے یہ کہہ کر عباسی فوج کا کافی حصہ پہلے ہی معطل کر دیا تھا کہ فوج کے کم کرنے سے جو رقم حکومت کے خزانے میں بچے گی اسے تاتاریوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں پر صرف کیا جائے گا۔

بہرحال ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ عباسی فوج کا شیر دل سپہ سالار امیر دیوادار اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ بغداد سے نکلا اور ہلاکو پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ تاتاریوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہو کر بھاگ نکلے۔ کچھ فاصلے پر جہاں تاتاری لشکر کا کچھ حصہ گھات میں بیٹھا ہوا تھا ہلاکو پلٹ کر حملہ آور ہوا۔ گھات میں بیٹھے ہوئے تازہ دم سپاہی بھی اس کے ساتھ مل گئے تھے۔

اس متحدہ لشکر نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ عباسی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ شکست کھا کر جب وہ بغداد کی طرف بھاگے تو شہر کے غداروں نے دریائے دجلہ کا بند توڑ دیا۔ اس طرح بغداد شہر اور مسلمان فوجوں کے درمیان سیلاب کا تیز پانی حائل ہو گیا۔ اور تاتاریوں نے سب مسلمان سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ عباسی فوج کا سپہ سالار امیر دیوادار بڑی جرأت مندی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ ایک دریا کی طرح شہر میں داخل ہوا۔

بغداد کے لوگ کیا مرد کیا عورتیں سروں پر قرآن رکھے اپنے گھروں سے واویلا کرتے ہوئے نکلے اور تاتاریوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ ان کے چہروں پر اپنی قوم کے اکابر کا بدترین فیصلہ نوشتہ تھا۔

بغداد لٹتا رہا۔ مصر، ترک اور ہند کے مسلمان سوتے رہے اور ہلاکو بھوکے کتے کی طرح بغداد کا جسم ادھیڑتا رہا۔ بغداد کی نبضیں ڈوبنے لگیں اور اسلام اونگھتا رہا۔ غدار ابن علقمی بے زبان عوام کے سودے کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور بغداد کی تاریک راتیں ابن علقمی اور اس کے ساتھیوں کی بھیانک سازشوں کا راز اپنے سینے میں چھپاتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئیں۔

وہ قوم جس کا خون بغداد کے ایوانوں میں جھلک رہا تھا اور جس پر خود غرض ذلیل اور قسمت آزما حکمران قابض ہو گئے فنا کر دی گئی۔ بغداد جو اسلام کا ایک کمال تھا۔ اسے زنگ کی طرح گہن کھا گیا۔ بغداد جو اسلامی ثقافت کا ایک عظیم ورثہ تھا اغیار نے ہم سے چھین لیا۔ ایک روایت کے مطابق ایک کروڑ چھ لاکھ انسانوں کا قتل عام ہوا۔

ابن علقمی نے ہلاکو سے اپنے لیے امان طلب کر لی تھی۔ ہلاکو نے کہا کہ بغداد کے سب علماء اور فقہا کو جمع کرو تاکہ ان کے ساتھ مل کر ایک صلحنامہ مرتب کیا جائے۔ سب علماء جمع ہوئے تو ہلاکو نے انہیں قتل کر دیا۔

خلیفہ کو ایک نمدے میں لپیٹ کر اس کا گلا گھونٹ دیا گیا اور اس کے اہل و عیال کو قتل کر دیا گیا۔ شہر میں چالیس دن تک قتل کا بازار گرم رہا۔

سقوط بغداد کے بعد شہر کی جامع مسجد کے خطیب نے جو جمعہ کا پہلا خطبہ دیا وہ کچھ یوں تھا۔

تاتاری حکمرانوں کو عام طور پر گلا گھونٹ کر مارتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی سے خون نکلے تو روح پرواز کر جاتی ہے جو بعد میں قاتلوں سے انتقام لیتی ہے لہٰذا شاہی خاندان اور زیادہ اہمیت کے لوگوں کا گلا گھونٹ دیا کرتے تھے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مضبوط عمارتوں کو منہدم کر دیا اور اس کے شہروں کے رہنے والوں کے لیے فنا کا حکم جاری کیا اور اب تک تلوار نیام میں نہیں پہنچی۔

شہر کی تباہی پر بغداد کے مشہور شاعر سبط تعاویری نے کہا تھا۔

بغداد اور اہل بغداد تباہ ہو گئے۔ ان کے گھروں کو وزیر نے تباہ کر دیا۔

ایک اور شاعر نے نوحہ لکھا

اے اسلامی قوت نوحہ کر اور مستعصم پر جو گزری اس کا غم کر کے رو۔ وزارت نے تجھے تباہ کر دیا۔ بغداد کی اسی وزارت نے جو پہلے ابن فرات اور بعد میں ابن علقمی کے ہاتھ میں تھی۔

ابن علقمی نے بغداد میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے ہلاکو کی بہتیری منت سماجت کی لیکن ہلاکو نے اسے بُری طرح جھڑک دیا اور یہ نمک حرام کچھ عرصہ ہلاکو کے ساتھ اس کے ادنیٰ ملازموں کی طرح رہا اور پھر ذلیل و خوار ہو کر مر گیا۔

بغداد میں آگ اور خون کا کھیل کھیلنے کے بعد ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ شام کے رُخ پر مشہور شہر میافارقین کی طرف بڑھا جس پر صلاح الدین ایوبی کی نسل سے ایک شخص ملک ناصر الدین حاکم تھا۔

ڈیڑھ ماہ گزر چکا تھا اور عمیر ابھی تک سمبرا کی اسی سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا زخم اوپر سے کچھ کچھ مندمل ہو چکا تھا لیکن زخم کے اندر ابھی تک اسی طرح ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ زخم اندر سے دیے کا ویسا ہی ہو۔ ابھی وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہوا تھا اور ہر وقت بستر پر پڑا رہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا۔ وہ طبیب زخم کا صحیح علاج نہ کر سکا تھا اور زخم اندر ہی اندر اور زیادہ خراب ہوتا جا رہا تھا۔ ایک روز جبکہ سورج غروب ہو گیا اور رات اپنے پنکھ پھیلا چکی تھی۔ عمیر اسی طرح بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ وہ گمنام لڑکی عمیر

کے لیے کھانا اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

عمیر کے قریب پلنگ پر بیٹھ کر اس نے اسے بٹھایا اور اس کے پیچھے تکیے رکھ دیئے اور وہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگی۔ کھانا کھا کر عمیر نے پانی کا خالی گلاس جب اسے تھمایا اور وہ اُٹھ کر برتن لے جانے لگی تو عمیر نے اسے مخاطب کیا۔

میں آج یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے چونک کر کہا۔

آپ کا زخم ابھی ٹھیک نہیں ہوا۔ آپ سفر نہ کر سکیں گے اگر زخم خراب ہو گیا تو۔

وہ خاموش ہو گئی۔

عمیر نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

یہ طبیب زخم کا صحیح علاج نہیں کر سکا۔ میرا اپنا طبیب، شیبان چند دن میں اس زخم کو اچھا کر دے گا۔

لڑکی نے پریشان ہو کر کہا۔

لیکن آپ گھوڑے پر سفر کیسے کریں گے؟

تم نے میرے گھوڑے کی خوبیاں دیکھی تھی۔

ہاں۔ اس میں نقدی کی تھیلی بھی اور وہ میرے پاس محفوظ ہے۔

تو سرائے کے مالک سے کہہ کر اس نقدی سے ایک بگھی خرید لو۔ میں یہاں [illegible] پڑے تنگ آ گیا ہوں اور پھر اپنے زخم کی طرف سے بھی میں فکر مند [illegible] مجھے کسی نہ کسی طرح اپنے مسکن پہنچنا چاہیئے۔ میرے ساتھی میری گمشدگی [illegible] ہوں گے۔ میں محسوس کرتا ہوں یہاں پڑے پڑے میرا زخم اور خراب [illegible] گا ——— اور ہمیشہ کے لیے بیکار ہو جائے گا

[illegible] جس زخم کو ہاتھ لگا دے وہ دنوں نہیں لمحوں میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔

لڑکی نے کچھ بھی نہ کہا۔ برتن اٹھا کر وہ باہر آ گئی۔ سرائے کے مالک کے

کمرے میں آکر اس نے برتن ایک طرف رکھے اور سرائے کے مالک سے کہا۔
کیا تم ہمارے لیے ایک بگھی کا انتظام کر دو گے؟
سرائے کے مالک نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
کیوں؟
میرے آقا آج کوچ کرنا چاہتے ہیں۔
سرائے کا مالک سوچوں میں کھو گیا۔
تمہاری منزل کس طرف ہو گی۔
لڑکی نے اداس لہجے میں کہا۔
شمال مغرب کی طرف دریائے یرون کا کنارہ۔
سرائے کے مالک نے چونک کر کہا۔
دریائے یرون؟
ہاں۔
تم نے کہا تھا تمہارا آقا عالم اسلام کا ایک عظیم جرنیل ہے؟
کہا تھا۔
تو پھر وہ کون ہے؟
لڑکی اس موضوع سے ہٹتی ہوئی بولی۔
میں نے تم سے بگھی کی بات کی تھی۔
سرائے کے مالک نے سراپا التجا بن کر کہا۔
بگھی کا انتظام ہو جائے گا۔ تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے یہ بتا دو کہ
جرنیل کون ہے۔ یاد رکھو میں ایک مسلم ہوں اور اتنا بے غیرت نہیں کہ اس کے
دشمنوں سے مل کر اس کے خلاف سازش کروں۔ ایسے پُرآشوب اور پُرخطر
کے دور میں جبکہ تاتاری ہم پر باؤلے کتوں کی طرح غرا رہے ہیں۔ جرنیل تو ایک
طرف ایک معمولی سپاہی بھی مجھے اپنی جان سے عزیز ہے۔
لڑکی نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ موت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ ہیں۔
سرائے کا مالک چونک کر کھڑا ہو گیا۔
تم نے مجھے سرائے میں داخل ہوتے ہی کیوں نہ بتایا کہ وہ موت کے
مسافروں کے سالارِ اعلیٰ ہیں۔ خدا کی قسم میں ان کے آرام کے لیے اپنا سارا
مکونتی مکان خالی کر دیتا۔ میری قوم کے سپاہی! کاش تو نے مجھے پہلے بتایا
ہوتا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھ جیسا روسیاہ اب اس عظیم جرنیل کا سامنا
نہ کر سکے گا جو ایک مدت سے صلیبیوں اور وحشی تاتاریوں کو لوہے کے چنے
چبواتا آ رہا ہے۔ تم نے مجھے میری نگاہوں میں ذلیل اور رسوا کر دیا ہے
آؤ میرے ساتھ میں تمہارے آقا سے بات کرتا ہوں۔ میں ان
سے معافی مانگ لوں گا۔
سرائے کا مالک لڑکی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا جس کے اندر عمیر
بیٹھا تھا۔ سرائے کا مالک عمیر کے قریب جا کھڑا ہوا اس کی آنکھوں میں بجلی
کے آنسو تھے لرزتی ہوئی آواز میں اس نے عمیر سے کہا۔
آپ نے میری سرائے میں داخل ہوتے ہی کیوں نہ بتا دیا کہ آپ
ت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ ہیں۔
عمیر نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔
اس سے کیا ہوتا؟
میں محسوس کرتا ہوں میں نے آپ کے لیے کچھ نہیں کیا جبکہ میں اپنی قوم
آپ جیسے جرنیل پر اپنی ہر چیز قربان کر سکتا ہوں۔
تم میرے لیے ایک بگھی کا انتظام کر دو۔ میں سمجھوں گا تم میرے بہت
محسن ہو۔ میرا زخم ٹھیک نہیں ہو رہا۔ میں بہت جلد اپنے مسکن پہنچنا چاہتا
ں ——
سرائے کے مالک نے فکر مند لہجے میں کہا۔
میں آپ کو اکیلے نہ جانے دوں گا۔ آپ کے دشمن آپ کو تلاش کر

رہے ہوں گے۔

کچھ بھی ہو۔ میں آج رات ہر حالت میں یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں اگر بگھی نہ ملی تو میں گھوڑے کی پیٹھ پر بھی تھوڑا تھوڑا فاصلہ طے کر کے اپنے مسکن پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

سرائے کے مالک نے عقیدت سے کہا۔

میں آپ کو اس حالت میں اکیلا نہ جانے دوں گا۔ میں آپ کے ساتھ اپنے چند ملازم بھیج دوں گا جو بحفاظت آپ کو آپ کے مسکن تک پہنچا کر آئیں۔

عمیر نے مسکرا کر کہا۔

چلو بھیج دینا۔ اب بگھی کا انتظام کرو۔ رقم جتنی چاہے لے لو۔

سرائے کے مالک نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

بگھی کے لیے اگر میں آپ سے کچھ لوں تو میں کافر اور زندیق بے غیرت اور فجار ہوں۔ یہاں سے پانچ میل مشرق میں ایک قصبے کے اندر میرا چھوٹا بھائی سرائے کا کام کرتا ہے۔ میں اس سے بگھی حاصل کرنے کے لیے ابھی روانہ ہوتا ہوں۔

سرائے کا مالک باہر نکل گیا۔ لڑکی پھر عمیر کے پاس بیٹھ گئی۔

رات آدھی بیت چکی تھی۔ بدر کامل آسمان پر چمک رہا تھا۔ ستارے کائنات کے حسن پر مسکرا رہے تھے۔ سرائے کا مالک دو گھوڑوں کی ایک بگھی لیے اپنی سرائے کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ لڑکی بھاگتی ہوئی عمیر کے کمرے سے باہر آئی اور سرائے کے مالک سے کہا۔

اچھا ہوا تم آ گئے۔ آقا جانے کے لیے بڑی بے تابی کا اظہار کر رہے ہیں کیا وہ اس وقت سو رہے ہیں؟

نہیں وہ جاگ رہے ہیں اور ان کے زخم کی تکلیف بڑھ گئی ہے وہ کہہ رہے تھے۔ کہ تم اگر آج نہ آئے تو وہ گھوڑے کی پیٹھ پر روانہ ہو جائیں گے

سرائے کا مالک نیچے اترتے ہوئے بولا۔

میں ابھی ان کے کوچ کا انتظام کرتا ہوں۔ وہ سرائے کے اندر آیا۔ اپنے سارے ملازموں کو جمع کیا۔ پہلے اس نے بگھی کے اندر کھانے کا سامان اور پانی رکھوایا۔ چار ملازموں کو مسلح کر کے بگھی کے ساتھ جانے کے لیے مقرر کیا اور ان کی مدد سے عمیر کو چارپائی پر اٹھا کر باہر لایا گیا۔ بگھی کے اندر نرم گدوں کا ایک بستر لگا دیا گیا تھا جس پر بڑے آرام سے عمیر کو لٹا دیا گیا۔

اسی لمحہ کچھ سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے سرائے میں داخل ہوئے۔ شاید وہ سرائے کے جاننے والے تھے کیونکہ وہ ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔

کیا خبر لاتے ہو؟

ان میں سے ایک پریشان اور پراگندہ سی آواز میں بولا۔

ہم ایک منحوس خبر لائے ہیں۔ ہلاکو بغداد کو فتح کر کے شہر میں داخل ہو چکا ہے اور اس نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے۔

عمیر کی روتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ سرائے کے مالک سے مخاطب ہوا تھا۔

اب میرے ساتھ محافظ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میرے دشمن اور قوم کے غدار بغداد کے بے گناہ لوگوں کے ساتھ قتل ہو چکے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بگھی کے اگلے حصے میں بیٹھی ہوئی اس لڑکی سے کہا گھوڑوں کو ہانک دو

سرائے کے مالک اور سب ملازموں نے ہاتھ لہرا کر انہیں خدا حافظ کہا لڑکی نے گھوڑوں کی عنانیں سنبھالیں اور انہیں ہانک دیا۔ بگھی کے گھوڑے حرکت میں آئے اور سرائے سے نکل کر وہ حدیثہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر دوڑ رہے تھے۔ عمیر کا گھوڑا جو بگھی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ ہنہنا تا ہوا بگھی کے

ساتھ ساتھ بھاگنے لگا تھا۔

گھوڑوں کو ہانکتی ہوئی لڑکی دفعتہً چونک پڑی۔ اس نے محسوس کیا، جیسے عمیر گھٹی گھٹی سسکیوں میں رو رہا ہو تڑپ کر وہ پیچھے مڑی اور پچھلے پہر کے چاند کی مدہم روشنی میں اس نے دیکھا عمیر کی آنکھیں بند تھیں اور ان سے آنسوؤں کے تیز دھارے بہہ بہہ کر اس کے لباس کو تر کر رہے تھے وہ بڑی مشکل سے اپنی ہچکیوں اور آنسوؤں کو ضبط کر رہا تھا اور اس کے ہونٹ تیزی سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

لڑکی اسے دیکھتی رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے آہنی نقاب کے ساتھ ساتھ بہتے رہے۔ اچانک عمیر کے ہونٹ حرکت میں آئے۔ لڑکی نے سمجھا شاید اس سے کچھ کہے گا لیکن اسکے دیکھتے دیکھتے عمیر کی پرسوز اور روتی ہوئی آواز بلند ہوئی وہ عربی میں گا رہا تھا جس کا مفہوم کچھ ایسا تھا۔

"میں کتنا بدقسمت ہوں بے کسی کی حالت میں بغداد کی بدقسمتی پر آنسو بہا رہا ہوں۔ کاش میں اس کے دفاع میں حصہ لے سکتا۔ جو شخص بغداد کی خبروں پر آنسو بہاتا ہے۔ اسے کہہ دو احباب تو سب مارے گئے تو یہاں کھڑا کیا کر رہا ہے۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والوں سے کہہ دو اجڑے ہوئے بغداد سے اب دشت اور بیاباں اچھے ہیں۔ تاج خلافت اور میری قوم کے اکابر کی نشانیاں فنا ہو گئیں۔ اے میرے دل کی آگ جو بغداد کی تباہی پر مشتعل ہوئی ـــــ بھڑک! ـــــ ملت پر اغیار کے مظالم نے تجھے اور بھڑکا دیا ہے۔"

لڑکی پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ چاند کی ہر لمحہ دھندلی ہوتی ہوئی روشنی میں وہ اپنے سامنے دور نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہوئی شاہراہ کو دیکھتی زور زور سے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں بگھی کے گھوڑوں کی عنانیں تھیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا ہے۔

چند لمحے رکنے کے بعد عمیر کی روتی ہوئی آواز جس میں آبشاروں کا ترنم

اور دریاؤں کی روانی تھی پھر بلند ہوئی۔

"بغداد کے اُونچے اونچے برجوں پر صلیب بلند ہو گئی ہے۔ بغداد پر ایسے لوگ قابض ہو گئے ہیں جو زنار کے پھندے میں پھنسے ہوتے ہیں۔ بغداد کو گھن کھا رہا ہے۔ جانے والوں میں سے ایک بھی لوٹ کر نہ آئے گا۔ میں نے بغداد کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو پکارا لیکن مجھے ایسی آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیا جس میں تپش اور سوز تھا۔ آہ اسلام کے بدر کامل کو گہن لگ گیا تھا۔ اور میری قوم کے لیے اب کون تازہ بستیاں آباد کرے گا؟"

لڑکی اپنی جگہ سے اُٹھ کر عمیر کے پاس آئی۔ اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ عمیر کے منہ پر رکھ دیا اور پھر اس نے ساری رکاوٹیں گرا دیں اور بری طرح عمیر سے لپٹتے ہوئے اس نے کھل کر روتے اور آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

خدا کے لیے چپ ہو جائیے۔ نہ روئیے۔ میرے آقا! میرے اور آپ کے آنسو بغداد کے دامن پر لگے ہوئے شکست کے داغ نہیں دھو سکتے

لڑکی جب عمیر سے لپٹ گئی اور اس کا ہاتھ عمیر کے منہ سے ہٹ گیا۔ تو عمیر نے بڑی مایوسی سے ہچکیوں میں کہا۔

میری قوم کے سطوت کے ایوان گر گئے ہیں۔ ہر طرف مایوسی کی گھٹائیں چھا گئی ہیں۔ ہماری کوتاہیوں نے ہمیں برباد کر دیا ہے۔ لاکھوں مسلمان آگ کا ایندھن بن گئے ہوں گے۔ گوبی کے ریگزاروں سے اُٹھ کر فنا کی بدلیاں بغداد پر چھا گئی ہیں۔ دائم خانہ بدوش بھیڑیئے مسلمانوں کا خون پی رہے ہوں گے۔ بغداد کی صاف ستھری اور شیریں پانی کی ندیوں میں خون بہہ رہا ہو گا۔ کوئی ان کے لیے تالیف قلوب کرنے والا نہ ہو گا۔ بغداد میں کیسا بے بضاعتی کا عالم ہو گا۔ عزلت نشیں اور گوشہ گیر ـــــ لڑکی نے تڑپ کر پھر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

دونوں ہچکیوں اور سسکیوں میں رو رہے تھے اور بگھی کے گھوڑے انتہائی تیزی سے حدیثہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر دوڑتے جا رہے تھے۔

تین سوار سنسناتے تیروں کی طرح اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے سمرا کی اسی سرائے میں داخل ہوئے جس میں زخمی عمیر اس گمنام لڑکی کے ساتھ ڈیڑھ ماہ تک ٹھہرا رہا تھا۔ تینوں سواروں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے۔ اور وہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ ان میں دو خوب مضبوط جسم اور تنا ور قد کے تھے تیسرا دبلا پتلا اور نازک جسم کا تھا۔ تینوں جنگ کا بہترین لباس پہنے ہوئے تھے ان کی اپنی اور گھوڑوں کی حالت سے ظاہر تھا۔ وہ کسی طویل اور صبر آزما سفر سے لوٹ رہے ہیں۔ تینوں کے گھوڑے پسینے میں بھیگے ہوئے تھے۔

تینوں اپنے گھوڑوں سے اتر کر سرائے میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک نے جو قد میں سب سے لمبا تھا۔ سرائے کے مالک کو مخاطب کر کے اپنی کھولتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

کیا تمہاری سرائے میں کوئی ایسا شخص مقیم رہا ہے جو خوب لمبے تڑنگے، کمسرتی اور مضبوط جسم کا اور زخمی بھی ہو۔

سرائے کے مالک نے تشویش سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا آپ لوگوں کا تعلق بغداد سے ہے۔

اس نے پھر اپنی سلگتی ہوئی آواز میں کہا۔

نہیں

سرائے کا مالک سر جھکا کر سوچنے لگا۔ شاید کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش

کر رہا تھا۔ اس بھیانک آواز والے نووارد نے اسے پھر چونکا دیا۔

تم ہمارا وقت ضائع کر رہے ہو۔ اگر قوم کے اس بے بدل جرنیل سے نہیں ذرہ بھر بھی ہمدردی ہے تو کہو وہ کہاں ہے۔ ہم اسی کے لیے پریشان ہیں اور اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ وہ یہاں تمہاری سرائے میں رہا ہے اور تم جانتے ہو۔ وہ کہاں ہے۔ وہ زخمی ہے اور اس کا زیادہ عرصہ ادھر ادھر بھٹکنا اس کے لیے اور اس کے ساتھیوں کے لیے خطرناک ہے۔

سرائے کے مالک نے سر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔

کہاں؟

حدیثہ کی طرف

کیا ان کا زخم ٹھیک ہو چکا ہے؟

نہیں۔ وہ میری سرائے میں ڈیڑھ ماہ تک مقیم رہے ہیں۔ یہاں ایک طبیب ان کے زخم کا علاج کرتا رہا تھا۔ پر خبر نہیں وہ گھاؤ کیسا تھا جو اچھا نہ ہوا۔ ان طبیب کے علاج سے مایوس ہو کر وہ یہاں سے کوچ کر گئے ہیں۔ وہ کہتے تھے میں اپنے مسکن میں جا کر اپنے جراح سے علاج کراؤں گا اور وہ ایسا طبیب ہے جس کے ہاتھ لگتے ہی زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ وہ ابھی چلنے پھرنے سے قاصر ہیں اور بستر پر سیدھے ہو کر بھی نہیں بیٹھ سکتے۔

اس بھیانک آواز والے نے پریشان ہو کر پوچھا۔

پھر وہ کیسے حدیثہ کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔

میں نے ان کے لیے ایک بگھی کا انتظام کر دیا تھا۔

کیا وہ اکیلے ہیں؟

نہیں ان کے ساتھ ایک دبلا پتلا نوجوان بھی تھا جو اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب نہ ہٹاتا تھا۔

وہ کون ہے؟

میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔ تاہم وہ انہیں آقا کہہ کر پکارتا تھا اور ان کا بڑا خیال رکھتا تھا بالکل اسی طرح جیسے مادہ شیر اپنے زخمی نر شیر کی نگرانی کرتی ہے۔

اس اجنبی نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہشام تو قتل ہو گیا تھا اور اس کی لاش دریا میں پھینک دی گئی تھی پھر یہ ان کے ساتھ کون ہے۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے اپنے سروں کو جنبش دے کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

اس اجنبی نے پھر سرائے کے مالک سے پوچھا۔

وہ کب یہاں سے روانہ ہوئے تھے؟

دو دن ہو گئے ہیں۔

وہ تینوں وہاں سے ہٹ گئے پھر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر سرائے سے نکلے اور حدیثہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

حدیثہ میں آکر وہ شہر میں گھومتے ہوئے سب سراؤں کا جائزہ لینے لگے ایک سرائے کے صحن میں سے گذرتے ہوئے ان کی نظریں جب اصطبل کی طرف اٹھیں وہاں ایک بگھی کھڑی تھی جس کے قریب ہی عمیر کا گھوڑا تھا اور اس کے منہ پر خوراک کا توبرا چڑھا ہوا تھا۔

ان کے دیکھتے ہی وہ نقاب پوش اور گمنام لڑکی سرائے کے ایک کمرے سے نکلی اور عمیر کے گھوڑے کی طرف جانے لگی تھی کہ اس بھیانک آواز والے اجنبی نے اس کے قریب آکر پوچھا۔

کیا تم بتا سکو گے وہ گھوڑا کس کا ہے۔ اس نے عمیر کے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

لڑکی اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر لے گئی۔

تم کون ہو؟

اس بھیانک آواز والے اجنبی نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا وہ ابولواس تھا۔ اس کے دوسرے دونوں ساتھیوں نے بھی اپنے نقاب ہٹا دیئے وہ شیبان اور اریطہ تھے۔

اس گمنام لڑکی نے اپنی تلوار کے دستے سے ہاتھ ہٹا لیا اور نرم لہجے میں سرائے کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

جس کی آپ کو تلاش ہے وہ اس کمرے میں ہیں۔

وہ تینوں آگے بڑھ گئے۔ کمرے کے نزدیک جا کر ابولواس نے اریطہ سے کہا۔

اریطہ! میری بہن! پہلے تم اندر جاؤ۔ ہم دونوں بھائی بعد میں آتے ہیں

اریطہ اس کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے عمیر بے کسی کی حالت میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اریطہ کو دیکھا وہ سپاہیانہ لباس میں بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اریطہ بھاگ کر آگے بڑھی اور عمیر سے لپٹتے ہوئے سسکنے لگی۔ اریطہ نے اپنا گلاب جیسا گال عمیر کے گال پر رکھ دیا تھا اور اس کے آنسو عمیر کی گردن پر گر رہے تھے۔ عمیر نے اس کے سر سے خود اتار دیا اور اس کے بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

تمہیں کیسے خبر ہوئی۔ میں یہاں ہوں۔

اریطہ نے روتے روتے کہا۔

میرے دل و دماغ ہر وقت آپ کی طرف رہتے تھے میں روز آسمان کے ستاروں سے پوچھا کرتی تھی میرے شوہر کب آئیں گے۔ پھر ایک روز میں نے وحشت اور بربریت کی ستم آرائیوں سے بھرپور ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا آسمان پر ستارے نہیں انگارے جھلملا رہے تھے اور ان انگاروں کی مدہم روشنی میں میں نے دیکھا آپ کسی شہر کی گلیوں میں بھاگ رہے تھے اور آپ کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا۔ آپ جانتے ہیں۔ میرے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں۔ دوسرے روز میں ابولواس اور شیبان کو لے کر بغداد روانہ ہوئی

وہاں ہم علامہ جلال الدین سے ملے اور ان سے پتہ چلا کہ ہشام قتل ہو چکا ہے اور آپ زخمی ہوئے تھے لیکن اس کے بعد آپ کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ میں، ابونواس اور شیبان آپ کو بغداد کے نواح میں تلاش کرتے رہے لیکن آپ کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ہم سامرا بھی گئے۔ لیکن آپ وہاں بھی نہ ملے اس دوران ہلاکو نے بغداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر ہم سمرا آئے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ آپ وہاں ڈیڑھ ماہ قیام کر کے حدیثہ روانہ ہو گئے ہیں اور ہم آپ کے پیچھے یہاں چلے آئے۔

عمیر نے پیار سے اریطہ کا گال تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

ابونواس اور شیبان کہاں ہیں؟

وہ دونوں باہر کھڑے ہیں۔ ابونواس نے پہلے مجھے آپ کے پاس بھیجا۔ شاید اس طرح وہ مجھے آپ سے کھل کر ملنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔

ان دونوں کو اندر بلاؤ ـــــ اور مغیث کیسا ہے؟ عمیر نے اپنے بیٹے کا پوچھا۔

اریطہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اپنے آنسو اس نے پونچھ لیے اور بھاری آواز میں کہا۔

مغیث ٹھیک ہے۔ آپ کو بہت یاد کرتا ہے۔ میرے ساتھ آنے پر ضد کرتا تھا۔ بڑی مشکل سے حمورا کو سونپ کر آئی تھی۔ بال درست کرتی ہوئی وہ کمرے سے باہر آئی۔ ابونواس اور شیبان باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اریطہ نے دونوں کو اشارے سے بلایا۔ ابونواس اور شیبان کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں آگے بڑھ کر عمیر سے ملے۔ شیبان نے کوئی اور بات کیے بغیر عمیر سے کہا۔

مجھے اپنا زخم دکھاؤ۔ عمیر نے اپنی ران سے اپنا لباس ہٹا دیا۔ شیبان نے پٹی کھولی۔ زخم ٹھیک نہ ہوا تھا بلکہ پھیل گیا تھا۔ شیبان نے زخم کو سونگھا اور غصے میں کہا۔

خدا کی قسم وہ جاہل تھا۔

عمیر نے مسکرا کر پوچھا

کون؟

وہ طبیب جو آپ کے زخم کا علاج کرتا رہا ہے۔ اس زخم کو صرف چھ دن میں ٹھیک ہو جانا چاہیئے تھا۔

ابونواس نے عمیر سے پوچھا۔

جو سپاہی آپ کو بگھی میں یہاں لایا ہے وہ کون ہے؟

عمیر کہیں کھو گیا۔

وہ کوئی لڑکی ہے۔ شاید قدرت نے اسے میری مدد کو بھیجا تھا وہ وہی ہے ابونواس! جس نے یروشلم میں میری ٹانگ کے زخم پر پٹی باندھی تھی جس نے منصورا شہر میں مجھے انار کے رس کی چھاگل پیش کی تھی وہی جو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتی ہے۔ میں زخمی حالت میں بغداد کی گلیوں میں دھکے کھاتا پھرا تھا وہ میرے ہی گھوڑے پر سوار کہیں سے نمودار ہوئی اور مجھے گھوڑے پر بٹھا کر وہ سمرا لائی وہاں وہ میرا علاج کراتی رہی پھر بگھی میں بٹھا کر یہاں لے آئی

اریطہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

وہ اس وقت کہاں ہے؟ میں اس سے مل کر اس کا شکریہ ادا کروں گی۔ اس نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا۔

تھوڑی دیر ہوئی باہر نکلی ہے۔

ابونواس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

کیا وہ اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرائے رکھتی ہے۔

ہاں وہ کسی کو اپنا چہرہ نہیں دکھاتی۔

تو پھر وہ وہی ہے جس سے سرائے میں داخل ہو کر ہم نے آپ کے متعلق پوچھا تھا کیونکہ وہ فوراً اپنا ہاتھ تلوار کے دستے پر لے گئی تھی۔ ابونواس لڑا ہو گیا ـــــ

میں اسے بلاتا ہوں۔

ابونواس اُٹھ کر باہر آیا لیکن وہاں نہ وہ لڑکی تھی اور نہ عمیر کا گھوڑا۔
ابونواس سرائے کے مالک کے پاس آیا اور اس سے پوچھا۔
اس بگھی کے پاس سفید رنگ کا جو گھوڑا بندھا ہوا تھا وہ کہاں گیا؟
سرائے کے مالک نے مشکوک انداز میں ابونواس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سپاہی لے گیا ہے جو اپنا چہرہ چھپائے رکھتا ہے۔
ابونواس دوبارہ جب کمرے میں آیا تو عمیر نے پوچھا۔
ملی ہے وہ؟
ابونواس نے مایوسی سے کہا۔
وہ آپ کے گھوڑے پر بیٹھ کر چلی گئی ہے۔
عمیر نے اداس لہجے میں کہا۔
بس تو وہ تم تینوں کو پہچان گئی ہے۔ اب وہ واپس نہیں آئے گی۔ اس نے میری خدمت ایک مقدس فرض سمجھ کر کی ہے۔
عمیر خاموش ہو گیا۔ شیبان نے بستر کے قریب رکھے برتن سے پانی کا پیالہ بھرا اس میں اپنے تھیلے سے دوائی نکال کر ڈالی اور عمیر کو پلا دی۔ تھوڑی دیر بعد عمیر بے ہوش ہو چکا تھا۔ شیبان حرکت میں آیا۔ بستر سے اس نے سارا مندمل چیر کر تین بار پانی میں دوائی ملا کر دھویا اور پھر اس میں مرہم بھر کر پٹی باندھ دی۔
عمیر، اریطہ، ابونواس اور شیبان نے ایک ہفتہ حدیثہ کی سرائے میں قیام کیا۔ اس دوران میں عمیر کا زخم شیبان کے علاج سے ٹھیک ہو گیا تھا اور پھر ایک روز وہ حدیثہ سے اپنے مسکن کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ ابونواس اور شیبان اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اریطہ کا گھوڑا بگھی سے باندھ دیا گیا تھا۔ عمیر چونکہ ابھی کمزور تھا لہٰذا اسے بگھی میں لٹا دیا گیا تھا اور اریطہ سپاہیانہ لباس میں بگھی کے گھوڑے ہانک رہی تھی۔

مسکن میں جاسوسی کے بُرج پر کھڑے پہریداروں میں ایک تنومند [illegible] نے عمیر کے مکان کی طرف منہ کر کے پوری قوت سے ناقوس پھونک [illegible] تھا۔ مسکن کے سب لوگ اپنے گھروں سے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ [illegible] دہ کچھ سننے کو بیتاب تھے۔ اسی وقت ہوازن اپنے مکان سے نکلا اور [illegible] اسوسی کے برج کی طرف بھاگنے لگا۔ پھر جس بربری نے ناقوس پھونکا تھا اس [illegible] نیچے کھڑے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔
آقا آ رہے ہیں۔ وہ اپنے مسکن کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔ جنگل کی [illegible] کی طرح یہ خبر سارے مسکن میں پھیل گئی اور لوگ اپنے گھروں سے نکل کر [illegible] استقبال کے لیے میدان میں جمع ہونے لگے تھے جو راستہ مسکن سے ہو کر قلعے [illegible] داخل ہوتا تھا۔
ہوازن جو جاسوسی کے بُرج کی طرف بھاگ رہا تھا رک گیا۔ ایک عرب [illegible] دوڑاتا ہوا اس کے پاس آ کر نیچے اترا اور ہوازن سے کہا۔
یا امیر! آقا! مسکن میں داخل ہو چکے ہیں۔
ہوازن وہیں سے واپس مڑا۔ بھاگتا ہوا اپنے مکان کی طرف گیا اور [illegible] ڑی دیر بعد وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا قلعے سے باہر نکل رہا تھا۔
عمیر کی بگھی آہستہ آہستہ قلعے سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ راستے کے [illegible] طرف مرد عورتوں کا ہجوم اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ اور عمیر اپنا سر [illegible] سے نکال کر ہاتھ لہراتے ہوئے لوگوں کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔
عیسائی راہبہ مریانہ بھی ایک بلند ٹیلے پر کھڑی ہاتھ لہرا کر عمیر کو خوش [illegible] کہہ رہی تھی اور اس کا سفید لباس ہوا میں لہریں لیتا ہوا اڑا رہا تھا۔
ہوازن جو بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑا رہا تھا ایک جگہ رُک گیا کیونکہ سامنے [illegible] ان اور شیبان گھوڑوں پر سوار آ رہے تھے اور ان کے پیچھے عمیر کی بگھی تھی۔ [illegible] کے گھوڑے اریطہ ہانک رہی تھی۔ ہوازن احتراماً گھوڑے سے اتر کر کھڑا

ہو گیا۔

ہوازن کے قریب آکر بگھی رُک گئی اور عمیر نیچے اتر کر ہوازن سے بغلگیر ہو کر ملا۔ اس کے بعد ہوازن بگھی پر سوار ہوا۔ اریطہ ہوازن کے کہنے پر اپنی جگہ سے اُٹھ کر عمیر کے پہلو میں بیٹھ گئی اور ہوازن خود بگھی کے گھوڑوں کو ہانک رہا تھا۔

ہوازن نے قلعے کے اندر لا کر بگھی روکی۔ سارا لشکر ایک طرف استقبال کی خاطر صفیں باندھے کھڑا تھا اور قلعے کی خواتین دوسری طرف ایک جھرمٹ بنائے کھڑی تھیں۔ عمیر اور اریطہ جب بگھی سے اترے تو انہوں نے دیکھا ان کے سامنے ہشام کی بوڑھی ماں کھڑی تھی۔ تیز ہوا میں اس معمر خاتون کی سفید عبا فضا میں اڑ رہی تھی اور وہ مایوسی اور خستگی کی حالت میں مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

عمیر اریطہ کے ساتھ اس خاتون کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا بوڑھی خاتون کا جسم ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھوں کے پس منظر میں گہری نمی تھی۔ وہ ابھی تک ستون کی طرح ایستادہ کھڑی تھی۔ عمیر اس کے قریب آکر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اریطہ عمیر کے پیچھے کھڑی تھی۔ اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ عمیر کے کندھوں پر رکھ دیئے تھے۔

عمیر کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

ماں! مجھے دُکھ ہے میں ہشام کی حفاظت نہ کر سکا۔ اگر میں زخمی نہ ہوتا تو میں یوں اسے بے بسی کی حالت میں مرنے نہ دیتا۔

ہشام کی بوڑھی ماں نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ڈل کے چند قطرے نکل کر اس کے دامن پر پھیل گئے۔ کچھ اس طرح جیسے اب وہ آنسو ہی اس کی آخری پونجی ہوں جو اس نے [illegible]

عمیر نے مغموم آواز میں کہا۔

مجھ سے کوئی بات کرو ماں۔ اگر تم خاموش رہیں تو میں سمجھوں گا میں

تمہاری نگاہوں میں ایک مجرم ہوں۔

قریب کھڑے ابونواس، ہوازن، عمیر کے سر پر کھڑی اریطہ اور دوسری خواتین اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ صفوں میں کھڑے لشکر کے سپاہیوں کی گردنیں غم سے جھکی ہوئی تھیں۔

ہشام کی بوڑھی ماں حرکت میں آئی۔ نیچے جھک کر اس نے عمیر کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

تم میری قوم کے ایک محسن ہو۔ خدا کی قسم ایک ہشام تو کیا میرے سات سو بیٹے ہشام ہوں تو انہیں تم پر قربان کر دوں۔ تم پشیمان نہ ہو میرے بچے! میری آنکھوں کے یہ آنسو تشکر کے آنسو ہیں۔ میں مطمئن ہوں کہ میرے بیٹے نے ایک حقیقی جانثار کی طرح اپنے آقا پر اپنی زندگی قربان کر دی ہے۔

قبل اس کے کوئی بولتا ایک طرف سے عمیر کا لڑکا مغیث بھاگتا ہوا آیا اور ابی! ابی! پکارتا ہوا وہ عمیر سے لپٹ گیا۔ عمیر نے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا ننھے مغیث کو اٹھا کر وہ کھڑا ہوا اور ایک ہاتھ — ہشام کی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لپٹا کر سہارا دیتے ہوئے اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔ اریطہ، ابونواس اور ہوازن سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مکان سے باہر کولان اور حمورا اداس کھڑی تھیں۔

اچانک لشکر کے اندر سے ایک سپاہی نے بلند آواز آہ بھرتے ہوئے رو کر کہا۔

آہ ہشام! تو ہمیشہ کے لیے ہم سے بچھڑ گیا۔ کاش تیری جگہ میں اپنے آقا پر قربان ہو گیا ہوتا۔ وہاں کھڑی ساری عورتیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں اور قلعے کا ماحول اداس ہو گیا تھا۔ عمیر سر جھکائے ہشام کی ماں کو سہارا دیئے اپنے مکان کی طرف لے جا رہا تھا۔ اپنے مکان سے باہر بندھے اپنے گھوڑے کو دیکھ کر عمیر نے ہوازن سے پوچھا۔

میرا گھوڑا تو وہ گمنام لڑکی لے گئی تھی یہ کہاں سے آگیا۔

ہوازن نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

ایک روز رات کے وقت یہ خود ہی آگیا تھا۔ میں نہیں جانتا کون اسے لے کر آیا تھا۔

عمیر پہلے کی طرح سر جھکائے اس بوڑھی خاتون کو سہارا دیتے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہو گیا تھا۔

مصر کے بادشاہ الملک الصالح کا انتقال فرانس کے بادشاہ لوئی کے ساتھ منصورہ کی جنگ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا توران شاہ حکمران بنایا گیا تھا۔ منصورہ کی جنگ کے بعد توران شاہ نے اپنی سوتیلی ماں شجرۃ الدر سے مطالبہ کیا کہ اس کے پاس اس کے باپ کی جو خفیہ دولت ہے۔ اس کے حوالے کر دے۔

حالانکہ توران شاہ کو تخت پر بٹھانے والی شجرہ ہی تھی۔

توران شاہ نے جب شجرہ کو زیادہ ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ تو اس نے فوجی افسروں سے ساز باز کر کے توران شاہ کو قتل کرا دیا۔ خود وہ مصر کی حکمران بن گئی۔ اور ایک مشہور ترک جرنیل معز الدین کو اپنی افواج کا سپہ سالار بنا لیا۔

عوام کے ایک گروہ نے ایک عورت کو حکمران تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور شجرہ کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ شجرہ نے مجبوراً اپنے سپہ سالار معز الدین سے شادی کر لی۔ اور اپنی جگہ معز الدین کو مصر کا حکمران بنا لیا۔ لیکن عوام پھر بھی مطمئن نہ ہوئی۔ مصر کے عوام کا ایک بااثر گروہ صلاح الدین ایوبی کی نسل سے ایک شخص الملک اشرف کو لے آیا جو ان دنوں یمن میں مقیم تھا اور اسے مصر کا حکمران معز الدین کو افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔ لیکن جلد ہی ملک میں انقلاب رونما ہو۔ معز الدین نے بادشاہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور خود حکمران

بن گیا۔ اب وہ ایک عامر کی حیثیت اختیار کر رہا تھا۔ لیکن جلد ہی اس کی کمبختی کا زمانہ شروع ہوا۔ اس نے موصل کے امیر بدرالدین لولو کی حسین لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ وہی لڑکی جس کا رشتہ امیر بدرالدین لولو عمیر کو دیتا تھا۔

جب شجرہ کو علم ہوا کہ معزالدین موصل کے حکمران کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے اپنے حلقے کے جرنیلوں سے مدد لی اور معزالدین کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد شجرہ کے نابالغ لڑکے علی کو مصر کا حکمران بنایا گیا۔ اور مشہور ترک جرنیل اور رکن الدین بیبرس کے دوست قتز کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا۔

ان دنوں چونکہ ہلاکو بغداد کو فتح کر کے شام کا رُخ کر رہا تھا۔ لہٰذا قتز نے بہانہ بنایا کہ تاتاریوں سے جنگ کی تیاری کے سلسلے میں کسی مضبوط اور جوان حکمران کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس نے خود ہی نابالغ علی کو معزول کر دیا خود وہ مصر کا حکمران بن گیا۔ اور رکن الدین بیبرس کو مصری افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا اور اس طرح یہ دونوں ترک جرنیل تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے قتز تاجروں کے جواہرات کے انبار اور دولت مند خاندانوں کے خزانے ضبط کرتا رہا اور افواج کا سپہ سالار رکن الدین مصر کے وحشی خودہ قبیلوں، جفاکش عربوں اور ترکوں کو بڑی تیزی سے اپنی فوج میں بھرتی کرنے لگا۔ جلد ہی وہ ایک لاکھ کا لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دن رات محنت کر کے انہیں جنگی تربیت دینے لگا۔

روس اور یورپ کے کچھ حصّے کا حکمران اور تاتاریوں کا بزرگ ترین شہزادہ اور چنگیز خان کا پوتا باتو مر گیا اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی برقائی اپنے بھائی کی وسیع سلطنت کا حکمران بنا۔ اب اس نے اپنے مسلمان ہونے

کا کھل کر اعلان کر دیا تھا۔

منگو کو یہ ناگوار گزرا کہ ایک مسلمان اس قدر وسیع سلطنت کا حکمران ہو کیونکہ خود اس کا اور اس کے چھوٹے بھائی کا رجحان عیسائیت کی طرف تھا۔ لہٰذا اس نے باتو کے بیٹے سرتاک کو جو عیسائی تھا اور دشت تاتار میں منگو کے پاس مقیم تھا باتو کا جانشین بنا کر بھیجا لیکن سرتاک ایشیا کے دشت سے مغرب کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بیمار ہو کر مر گیا۔

لیکن منگو کو پھر بھی قرار نہ آیا اس نے باتو کے ایک پوتے کو جو عیسائی تھا نیا حکمران نامزد کیا۔ لیکن چند ماہ بعد وہ پراسرار طریقے سے مر گیا اور کسی کو برقائی کے آگے ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

برقائی اب دن بدن طاقت پکڑتا جا رہا تھا۔ اور عالم اسلام کے حق میں آواز بلند کرنے لگا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بخارا اور سمرقند کے ہلاکو کے ہاتھوں ستائے ہوئے مسلمان جوق در جوق برقائی کے پاس آ کر اس کی فوجوں میں شامل ہونے لگے۔

برقائی نے دریائے دولگا کے کنارے اپنا ایک نیا دارالحکومت[2] تعمیر کیا اور اپنی قوت میں دن رات اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ چاروں طرف سے تاتاریوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے مسلمان اس کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے۔ برقائی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر منگو کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ برقائی کے خلاف کوئی عملی قدم اُٹھاتے۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی جس کا واضح ثبوت تھا کہ اس نے برقائی کو ایک خودمختاری حکمران تسلیم کر لیا ہے۔ اس طرح روس اور مصر میں دو مسلم طاقتیں تاتاریوں کے خلاف حرکت میں آ رہی تھیں۔

---

[1] :- بعض تاریخ نویسوں کا خیال ہے کہ باتو کے بیٹے اور پوتے کو برقائی نے زہر دے ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ یہ دونوں اپنی طبعی موت مرے تھے

[2] :- روسی اس کو آجکل سرائے برقائی کہتے ہیں۔

بغداد کو فتح کرنے کے بعد ہلاکو نے ارض شام کا رُخ کیا۔ اور مسلمانوں کے ایک شہر میافارقین کی طرف بڑھا۔ اس شہر کا حاکم صلاح الدین ایوبی کی نسل سے ایک شخص ناصرالدین تھا۔ ہلاکو نے یکے بعد دیگرے تین خط ناصرالدین کو لکھ کر اسے ڈرایا دھمکایا اور ہتھیار ڈال کر خود کو ہلاکو خان کے حوالے کرنے کو کہا لیکن ناصرالدین نے انکار کر دیا۔ وہ شہر کے اندر محصور ہو گیا اور جنگ کی بھرپور تیاریوں میں لگ گیا۔

ہلاکو کی فتوحات سے خوش ہو کر منگو نے اسے اہل خان (چھوٹے خان) کا خطاب دیا تھا اور ایک میریغ کے ذریعے یہ فیصلہ کیا کہ ہلاکو نے جو علاقے فتح کیے ہیں یا آئندہ جو کرے گا۔ ان سب کا وہ حکمران ہوگا۔ اس سے بھیڑیا خصلت ہلاکو کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور وہ بڑی تیز رفتاری سے میافارقین کے حاکم ناصرالدین کو سزا دینے کے لیے آگے بڑھا کیونکہ اس نے ہلاکو کے حکم کو نہ مانا تھا۔ ہلاکو جدھر جدھر سے گزرتا تھا مسجدوں کو آگ لگاتا جا رہا تھا اور ایسا ایسا وہ اپنی عیسائی بیوی دقوزہ کے کہنے پر کر رہا تھا۔ جو عیسائی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ ہلاکو پر عیسائیت پوری طرح چھا گئی تھی۔ چنگیز خان کے بعد ایک بار پھر مسلمانوں کی اس نقل مکانی سے عیسائیوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور ان مسلمان جوانوں کو جو جنگ کے قابل تھے اپنے لشکر میں شامل کر کے انہیں جنگی تربیت دینا شروع کر دی تھی۔

ہلاکو کے خطرے کے پیش نظر میافارقین کے حکمران ناصرالدین نے قریب قریب کے مسلمانوں حکمرانوں سے مدد کی درخواست کی لیکن کوئی بھی ہلاکو کے خوف کی وجہ سے اس کی مدد کو نہ آیا۔ حتیٰ کہ موصل کے حکمران امیر بدرالدین لولو نے بھی چپ سادھ لی تھی۔

صرف عمیر نے ناصرالدین کی پکار پر لبیک کہا تھا اور وہ اپنے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اہل میافارقین کی مدد کو آیا تھا۔ ہوازن کو اس نے مسکن

کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑا اور ابونواس کے ساتھ وہ ناصرالدین کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ ہشام، جابر اور رباح کی موت کے بعد ہوازن کو مجبوراً مسکن میں چھوڑنا پڑا تھا کیونکہ عیسائیت کے علمبردار ہلاکو کی شہ پر ارض مقدس کے صلیبی لشکر دن بدن جارحانہ رویہ اختیار کرتے جا رہے تھے۔

رات کے پر ہول سناٹے میں جبکہ کائنات کی ہر چیز محو استراحت تھی اور ستاروں کے تھکے ہارے کارواں سحر کے اندر ڈوبی ہوئی اپنی خوابناک منزلوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ دو سوار تاریکی کا سینہ چیرتے ہوئے اور اپنے گھوڑوں کو مہمیزوں سے ہانکتے ہوئے میافارقین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شہر کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے اور لوگ مسجدوں میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔

دونوں سوار شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے شہر کے صدر دروازے کے پاس آ کر اپنے گھوڑوں سے اترے صدر دروازے پر دستک دی قلعے کے اندر سے کسی نے پوچھا۔

کون ہے۔

جواب میں ایک کھولتی اور سلگتی ہوئی آواز سنائی دی۔

دروازہ کھولو۔ میں موت کے مسافروں کا سالار ہوں اور شہر کے حاکم ناصرالدین سے ملنا چاہتا ہوں۔

بائیں طرف کا چھوٹا دروازہ کھلا اور کسی نے مشعل کی تیز روشنی چمک کر باہر کھڑے دونوں سواروں کو دیکھا جو عمیر اور شیبان تھے۔ پہریدار اندر گئے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ عمیر اور شیبان اندر داخل ہوئے۔ اور دروازہ پہلے کی طرح بند ہو گیا۔

ایک پہریدار انہیں لیکر ناصرالدین کے محل میں داخل ہوا۔ ایک دروازے

کے سامنے عمیر اور شیبان کو رکنے کا اشارہ کر کے اس نے وہاں کھڑے حاجب سے رازداری میں گفتگو کی اور واپس لوٹ گیا حاجب اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کمرے کے اندر سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

انہیں باہر کیوں روکا گیا ہے۔

پھر عمیر اور شیبان نے دیکھا۔ میافارقین کا حکمران ناصرالدین اُٹھ کر باہر آیا تھا۔ اس نے بڑی شفقت کے ساتھ عمیر اور شیبان سے مصافحہ کیا اور بڑے تکریمانہ انداز میں وہ ان دونوں کو کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں ناصرالدین کے وزیر اور جرنیل جمع تھے شاید وہ شہر کے دفاع کے متعلق گفتگو کر رہے ہوں گے ناصرالدین نے اپنے دائیں طرف عمیر اور شیبان کو بٹھا کر اور عمیر کو مخاطب کر کے کہا۔

مجھے آپ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ آپ کا لشکر اس وقت کہاں ہے

عمیر نے ایک نگاہ کمرے میں بیٹھے جرنیلوں پر ڈالی پھر ناصرالدین سے کہا ـــــ آپ کے شہر سے پانچ میل شمال مغرب کی طرف ایک پہاڑی سلسلے کے اندر میں نے قیام کیا ہے۔ میرا لشکر وہیں ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کو میں نے آپ کی مدد کے لیے اپنی کمین گاہ بنا لیا ہے اور وہیں سے نکل کر میں ہلاکو کے دستوں پر حملہ آور ہونگا۔

ناصرالدین نے تجسس طلب نگاہوں سے پوچھا۔

لشکر سے آپ کی غیر حاضری میں اگر ناگہانی حالات کے تحت آپ کے لشکر کو حرکت میں آنا پڑے تو اس کا کمانڈر کون ہو گا۔

عمیر نے عجیب انداز میں ناصرالدین کو گھورتے ہوئے کہا ـــــ میرا ایک بے مثل جرنیل ابولواس۔ مگر آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا۔

مجھے خدشہ ہے کہ آپ کی غیر حاضری میں آپ کے لشکر میں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

کیسا حادثہ؟

پچھلے کئی دنوں سے میرے جاسوس سے سے دور دور تاتاریوں کے کئی قراول دیکھ چکے ہیں میرا اپنا اندازہ ہے کہ وہ تاتاریوں کے مقدمۃ الجیش کے دستے ہیں۔ کہیں وہ آپ کے لشکر سے نہ ٹکرا جائیں۔

عمیر نے لاپروائی سے کہا۔

تاتاریوں کے چھوٹے چھوٹے قراول میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور پھر آپ جانیے۔ ابولواس ایسا جرنیل ہے جو ہر قسم کے دشمن سے ٹکرانے اور اس کے دل خم نکالنے کی جرأت رکھتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ ایک اہم معاملہ طے کرنے آیا ہوں۔ تاکہ جنگ کے دوران میرا اور آپ کے لشکر کا آپس میں رابطہ قائم رہے۔

ناصرالدین نے حیرت سے پوچھا۔

کیسا معاملہ؟

آپ شہر کی فصیل کے شمال مغربی برج کے قریب لکڑی کا ایک تختہ نصب کرائیں۔ جنگ کے دوران اگر مجھے آپ کو کوئی پیغام دینا ہو گا تو اس تختے پر تیر مارا جائے گا جس کے ساتھ پیغام بندھا ہوا ہو گا۔ اس برج میں کوئی ذمہ دار افسر کو فرائض سونپیں جو وقت ضائع کیے بغیر میرا پیغام آپ تک پہنچا دے۔

ناصرالدین نے پیغام رسانی کے اس طریقے کو سراہتے ہوئے کہا آپ کی خواہش کے مطابق یہ سارے انتظامات آج رات ہی مکمل ہو جائیں گے۔

عمیر کھڑا ہو گیا۔

میں اب چلتا ہوں۔ آج رات اس پہاڑی کمین گاہ میں مناسب جگہوں پر دستے مقرر کرنے کے بعد آنے والی صبح تک میں بدسے بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار دیکھنا چاہتا ہوں ـــــ ناصرالدین اور اس کی تقلید میں اس کے وزراء اور جرنیلوں نے عمیر اور شیبان سے باری باری مصافحہ

کیا۔

دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے نکلے اور شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے شمال مغرب کی طرف تاریکی میں روپوش ہو گئے۔

ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ میافارقین آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے پوری شدومد کے ساتھ شہر پر حملہ کیا تھا۔ سارا دن آتشی تیر کوئلے اور گندھک کے شعلے شہر پر پھینکتے رہے مگر شہر میں محصور مسلمان بھی کچھ اس طرح جلتے پردوں والے تیروں اور روغن نفت کی بارش کر رہے تھے کہ تاتاریوں کو پورا دن شہر کی فصیل کے نزدیک جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس طرح پورا دن جنگ میں مصروف رہنے کے بعد جب فضاؤں میں تاریکی بکھر گئی تو تاتاری پیچھے ہٹ کر اس جگہ آ گئے۔ جہاں ان کا پڑاؤ تھا اور جہاں قلعے سے پھینکے جانے والے تیر نہ پہنچ سکتے تھے۔

سورج کے لہو میں ڈوبی شام جب آہستہ آہستہ سلگتی ہوئی رات میں ڈھلنے لگی تو سہمی سہمی فضاؤں نے چپ سادھ لی۔ ہر چیز خاموش تھی۔ کبھی کبھی اور کہیں کہیں دائر نے کے گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں یا سنگین اور جوان رات میں تیز ہوا کے درختوں سے ٹکرانے کی آوازیں جیسے ——— جیسے کوئی سروش کوئی گلفام گا رہا ہو۔ نیلا آکاش، چمکتے، ہنستے اور مسکراتے چاند ستارے اور کائنات کی ہر چیز خاموش تھی۔ جیسے اس انتظار میں ہو کہ نہ جانے اگلے لمحوں میں کیا رونما ہونے والا ہے۔

ایسے سمے جبکہ تھکا ہارا تاتاری لشکر آرام کر رہا تھا اور اس کے گرد تازہ دم سپاہی پہرہ دے رہے تھے عمیر اپنے لشکر کے ساتھ اپنی کوہستانی کمین گاہوں سے نکلا اس زہریلے سانپ کی طرح رینگتا ہوا جو سارا دن اپنی بل میں اپنے دشمن کو ادھر ادھر دندناتے ہوئے دیکھتا رہا ہوں۔ اور رات ہوتے ہی اسے غافل جان کر اسے ڈس لینے کو نکلا ہو۔

جس جگہ پہاڑی سلسلے سے نکلنے والا راستہ میدان میں داخل ہوتا تھا۔ وہاں چٹانوں کے اوپر راستے کے دونوں جانب عمیر نے اپنے دو ہزار بہترین تیر انداز بٹھا دیئے اور خود میدان میں وہ آگے بڑھا۔

ایک جگہ آ کر وہ رک گیا اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کے ساتھ ایک کاغذ باندھ کر اس نے چلا پر چڑھایا اور شہر کی فصیل کے شمال مغربی برج کے قریب پیغام رسانی کا جو تختہ لگا ہوا تھا۔ اور جس کے اوپر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسے ہدف بنا کر عمیر نے تیر چلا دیا۔ ہواؤں کو چیرتا اور سنسناتا ہوا تیر اس تختے میں جا کر پیوست ہو گیا۔ برج کے اندر سے ایک پہریدار نکلا اس نے تیر کھینچ کر کاغذ علیحدہ کیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔

"میں تاتاری لشکر پر شب خون مارنے لگا ہوں۔ جب وہ میرا تعاقب کرینگے تو میں انہیں شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ لاؤنگا۔ شمال مغربی فصیل کے سپاہیوں کو خبردار کر دیا جائے کہ میرے لشکر کے آگے اور پیچھے جلتی ہوئی مشعلیں ہونگی۔ جو اس بات کا اشارہ ہوگا کہ ان دو مشعلوں کے درمیان میرا لشکر ہے۔ آخری مشعل کے پیچھے آنے والے سواروں پر تیر، کھولتا ہوا پانی، پتھر اور روغن نفت پھینکا جائے۔ اگر ہم کامیاب رہے تو یہ شب خون ہلاکو کے سینے میں ایک زہریلا خنجر ہوگا۔"

پیغام پڑھنے کے بعد وہ پہریدار سیڑھیاں اتر کر ناصرالدین کی رہائش گاہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

عمیر لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور فصیل کے ساتھ ساتھ اندھیرے کی آڑ لیے وہ دشمن سے قریب ہوا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو آگے لگا کر جلتی ہوئی مشعل کا اشارہ دیا۔ تو اس کی سرکردگی میں لشکر اس تیزی سے آگے بڑھا۔ جیسے نیزہ بازی کرنے والا شاہسوار اپنے ہدف کی طرف گھوڑے کو دوڑاتا ہے۔

عمیر نے تاتاری لشکر کے دائیں کنارے کو اپنا آماج بنایا اسے حملہ آور ہوتے دیکھ کر پہریدار خوفزدہ حالت میں شور کرنے لگے تھے لیکن قبل اس کے

تاتاری اُٹھ کر اس کا مقابلہ کرتے عمیر حملہ آور ہو چکا تھا بات کی بات میں اس نے آٹھ دس ہزار تاتار سپاہ کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔

تاتاری لشکر بڑی تیزی سے اس کی طرف سمٹا تھا لیکن عمیر جلتی ہوئی مشعل سے اپنے لشکر کو پسپائی کا حکم دے چکا تھا اور پھر اس کا لشکر جس رفتار سے آیا تھا اسی رفتار سے شہر کی فصیل کی طرف بھاگ کھڑا ہُوا۔ اس کا جانا پہچانا، دیرینہ شکست خوردہ حریف اور ہلاکو کا جرنیل بائیڈو اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

ایک اور لشکر ہلاکو کے بہترین سالار اعلیٰ قط بوغا کی کمانداری میں ایک مختصر ترین کاوا کاٹتا ہوا اس خیال سے آگے بڑھا کہ وہ حملہ آوروں سے پہلے شہر کے صدر دروازے پر پہنچ کر ان کے بچ نکلنے کے راستے مسدود کر دے ان کے خیال کے مطابق یہ شب خون شہر کی محصور فوجوں نے مارا تھا۔

جونہی عمیر کا لشکر فصیل کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔ اور تعاقب کرنے والے تاتاری اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ فصیل کے اُوپر سے تاتاریوں پر اُبلتے پانی تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ تاتاری لشکر میں ایک شور آہ فغاں بلند ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس وقت تک ہلاکو کا سپہ سالار قط بوغا چکر کاٹ کر لمحہ بہ لمحہ عمیر کے سامنے آتا جا رہا تھا۔ اور قریب تھا کہ وہ اپنے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ عمیر کا راستہ روک دیتا کہ عمیر نے اپنی مشعل کو بلند کر کے اسے تاتاریوں کا مخصوص اشارہ دیا۔ قط بوغا اپنے لشکر کے ساتھ جہاں تھا وہیں رُک گیا۔

ذرا آگے جا کر اور قط بوغا کی زد سے نکلنے کے بعد عمیر نے اپنی مشعل سے قط بوغا کو ایک اور اشارہ دیا اور قط بوغا اپنے لشکر کے ساتھ پھر اس کے تعاقب میں لگ گیا۔

عمیر جب میدان سے نکل کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہوا تو قط بوغا بھی دندناتا ہوا اس کوہستان میں جب گھسا تو کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے عمیر کے دو ہزار تیر اندازوں نے اس کے لشکر پر تیروں کی تیز باڑیں ماریں۔ قط بوغا نے

اسے خطرے کی پہلی علامت جانا اور اپنے لشکر کو پسپائی کو حکم دیتا ہوا وہ بڑی تیزی سے کوہستانی سلسلے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وقت عمیر درندے کی سی تیزی کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا اور واپس بھاگتے ہوئے قط بوغا پر پوری قوت سے حملہ کیا اور بڑی تیزی سے اس کے لشکر کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

قط بوغا اپنے بچے کھچے سپاہیوں کے ساتھ جب اپنے لشکر میں آیا تو وہاں دوسرے جرنیلوں کے ساتھ بائیڈو بھی جو فصیل کے ساتھ ساتھ عمیر کا تعاقب کرتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا ہلاکو کے پاس کھڑا تھا۔ ہلاکو اس وقت سخت غصے میں تھا۔ اور سور کی طرح اپنے نتھنے پھڑپھڑا رہا تھا۔

بائیڈو کو دیکھتے ہی قط بوغا نے بڑی سختی اور غصے کی حالت میں بائیڈو کو مخاطب کر کے پوچھا۔

تم نے مجھے مشعل کا اشارہ دیکر رک جانے کو کیوں کہا تھا۔ جبکہ میں شب خون مارنے والوں کا راستہ روک رہا تھا۔ اور میں اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو چکا تھا۔

بائیڈو نے بڑی بیزاری سے کہا۔

میں نے کب اشارہ دیا تھا وہ حملہ آوروں کے سالار کا اشارہ تھا۔

ہلاکو نے بڑی پریشانی سے پوچھا۔

تو کیا کوئی اور بھی ہمارے اشاروں کا مطلب جانتا ہے؟

بائیڈو نے بڑی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

چھوٹے خان! وہ بڑا عیار جرنیل ہے اس نے ہمارے اشارے کہیں سے سیکھ لیے ہوں گے۔

ہلاکو نے اچنبھے پن سے پوچھا۔

کیا تم اسے جانتے ہو۔

ہاں میں اسے جانتا ہوں اور اس سے قبل اس سے کئی جنگیں کر

چکا ہوں۔

کون ہے وہ

موت کا مسافر!

ہلاکو چونک پڑا۔ کیا وہی موت کا مسافر جس کے چرچے اوغدائی خان کے دور میں ہمارے آبائی دشت کے اندر بھی تھے۔

ہاں یہ وہی ہے۔

ہلاکو کا سر جھک گیا۔ شاید وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے خیمے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اور سارے جرنیل اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

اس محاذ پر عمیر کوہستانی کمین گاہوں کا سہارا لے کر بڑی ثابت قدمی کے ساتھ ہلاکو سے گوریلا جنگ کرتا رہا اور اس طرح میافارقین کا محاصرہ طول پکڑتا چلا گیا۔ اور موت کے مسافر قدم قدم پر بغداد کی تباہی کا کفارہ ادا کر رہے تھے۔

دریائے دجلہ کے کناروں کے ساتھ ساتھ دور دور تک سورج مکھی کے زرد پھول کھی فصل کی طرح کھڑے تھے۔ کہیں کہیں پہاڑوں کے دامن میں بڑے بڑے جھنڈ کی شکل میں خشتو ٹیں کے پھول تھے جو اوپر سے گلابی اور نیچے سے سفید اور آسمان کے رخ پر پیالوں کی طرح منہ کرلے کھڑے تھے۔ دریائے دجلہ اپنی پوری طغیانی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ مہروں کے پتھروں سے ٹکرانے کے علاوہ پوری وادی خاموش اور پرسکون تھی۔

جس جگہ دریائے دجلہ دریائے ڈان کی طرف ایک بڑا ایل کھا کر دونوں دریاؤں کے درمیانی فاصلے کم کرتا ہے۔ اور اسی کے مطابق کوہ قفقاز کے پہاڑی سلسلے اور صحرائے خزر سے نکل کر دریا کے کنارے شمال کی طرف جانے والی پگڈنڈی یل کھاتی ہے۔ اس جگہ موڑ کاٹنے کے بعد ایک شتر سوار نمودار ہوا۔

شتر پر ایک بوڑھا سوار تھا۔ جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ کچاوے سے رگڑ کھانے کے باعث اس کی موٹی کھدر کی قمیض اور عبا پھٹ گئی تھی۔ اس کے سر پر عربوں کا سا سفید عمامہ اور داڑھی کی طرح سفید داڑھی گرد آلود تھی وہ اپنے ہونٹ کی تکیل کھینچ کھینچ کر اسے تیزی سے ہانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور جواب میں اونٹ بلبلاتا ہوا اپنی رفتار تیز کر دیتا تھا۔

ایک جگہ دریا کے کنارے ایک گھاٹ تھا اس نے اونٹ کو روک کر اس کے سر پر تکیل کا سرا مارا اور اونٹ اپنی اگلی ٹانگیں دوہری کرتا ہوا وہاں بیٹھ گیا۔

وہ بوڑھا عرب نیچے اترا۔ اونٹ کو دوبارہ اس نے اٹھایا اور گھاٹ پر لے گیا۔ اونٹ نے گردن جھکائی اور پانی پینے لگا۔ اونٹ سے ذرا اوپر وہ عرب گھٹنوں کے بل دریا کے کنارے ریت پر بیٹھ گیا۔ اور چلو سے پانی پینے لگا۔

اونٹ جب پانی پی چکا تو وہ دوبارہ اسے اسی پگڈنڈی پر لایا۔ اونٹ کی اگلی ٹانگوں پر تکیل کی رسی مار کر اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اس پر سوار ہو کر اس نے مخصوص آواز نکالی اور اونٹ کھڑا ہو کر شمال کی طرف بڑھنے لگا۔

سورج مغربی افق کی طرف بڑی تیزی سے جھکتا جا رہا تھا اور شاید وہ اپنی منزل پر بہت جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ بوڑھے عرب نے کجاوے کی پشت سے ٹیک لگائی اور اونٹ کی رفتار تیز کرنے کی خاطر وہ حدی گانے لگا تھا۔

بوڑھے کی جوان اور توانا آواز میں تانت کے باجے جیسا سوز اور فریاد کرنیوالی شنہائی جیسا مفہوم انداز تھا۔ فضاؤں، وادیوں اور دریاؤں کی لہروں پر بکھر گئی تھی۔ بوڑھے کے حدی گانے پر اونٹ کچھ اس طرح تیزی سے بھاگنے لگا تھا گویا اسے کوئی بڑی بے دردی سے ہانک رہا ہو۔

سورج غروب ہونے سے پہلے وہ بوڑھا عرب برقائی خان کے دریائے دولگا کے کنارے آباد کئے شہر سرائے برقائی میں داخل ہو رہا تھا۔ لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ برقائی کی رہائش کے سامنے آ رکا جو پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ اپنے اونٹ کو بٹھا کر وہ نیچے اترا۔ پہلے اپنے اونٹ کی اگلی دونوں ٹانگیں اس نے اس خیال سے باندھ دیں، کہ اونٹ کہیں بھاگ نہ جائے پھر وہ برقائی کی رہائش کے سامنے پہریداری دینے والے ترک کے پاس آیا۔ یہ وہی ترک تھا جو عمیر اور پھر ابوتواس اور ہوازن کو ایک بار برقائی کے خیمے میں لے گیا تھا۔ اور جس کا نام اسامہ تھا۔

بوڑھے عرب نے ترک سے کہا۔

مجھے برقائی سے ملنا ہے۔

ترک نے بھی عربی میں پوچھا

کیا تم مسلمان ہو۔

ہاں۔

کہاں سے آئے ہو؟ ترک نے پھر پوچھا۔

نیشاپور سے۔ میرا اونٹ وہ بیٹھا ہے۔ اور راستے میں آرام کئے بغیر میں سیدھا یہاں آیا ہوں مجھے اندر جانے دو۔ میں نے برقائی صاحب سے بہت کچھ کہنا ہے۔

وہ ترک سے تھوڑی دیر باہر رہنے کو کہہ کر اندر گیا پھر چند لمحوں بعد وہ اس عرب کے پاس آ کر بولا۔

آپ اندر چلے جایئے۔ برقائی آپ کا انتظار کر رہا ہے۔

وہ بوڑھا عرب اس کمرے میں داخل ہوا۔ جس سے وہ ترک باہر آیا تھا۔ اس نے دیکھا اندر آبنوس کی کرسی پر ایک دیو قامت تاتاری بیٹھا تھا اس کا جسم موٹا اور زردی مائل تھا اور کانوں کے پیچھے اس نے اپنی زلفیں گوندھ رکھی تھیں۔ اس کے سر پر اونچی ٹوپی تھی اور کمر پر اس نے ایک مرصع کمر بند باندھ رکھا تھا۔

بوڑھا عرب اس سے نزدیک ہو کر کھڑا ہوا اور غور سے برقائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کیا میں اس برقائی کے سامنے کھڑا ہوں جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے؟

برقائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بحمد اللہ میں مسلمان ہوں اور میرا ہی نام برقائی ہے۔ پھر اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بیٹھ کر بات کیجئے۔

بوڑھا عرب اسی طرح کھڑا رہا اور اپنی سنگین مگر مغموم آواز میں کہا۔

میں اس وقت تک یہیں کھڑا رہوں گا جب تک میں اپنا مقصد نہیں پا لیتا اور پھر میں ایک فریادی ہوں اور ویسے تباہ حال فریادی فریاد کرنے والے کے سامنے

کو نکر بیٹھ کر بات کر سکتا ہے۔

برقائی نے کہا۔

میں آپ کو بیٹھنے کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔

بوڑھے نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

مگر میں اپنے آپ کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔

برقائی بھی کھڑا ہو گیا۔

تو پھر کہیئے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ نیشاپور سے آئے ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟

بوڑھے کی پلکیں بھیگ گئیں۔

ہاں میں نیشاپور کا ایک بدقسمت مسلمان ہوں۔ میرا نام ربیع ہے۔

برقائی نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

کس کے خلاف فریاد لائے ہو؟

تمہارے بھائی کے خلاف۔

برقائی نے پریشانی میں کہا۔ میرا ایک ہی بھائی تھا۔ اور وہ مر چکا ہے۔

تمہارے عم زاد ہلاکو کے خلاف

پرتجسس لہجے میں برقائی نے پوچھا ——— ہلاکو نے تم لوگوں پر کیا ظلم کیا ہے؟

بوڑھے نے گیلی ہوئی آواز میں کہا۔

ہلاکو نے بغداد فتح کر لیا ہے ——— برقائی نے چونک کر اس کی بات کاٹ دی

ہلاکو بغداد کو فتح کر چکا ہے؟

ہاں۔ اس نے عالم اسلام کے مرکز کو زیر زبر کر دیا ہے۔ اس نے وہاں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمانوں کا قتل عام کیا ہے۔ خلیفہ اور اس کے اہل وعیال کو بے رحمی سے ہلاک کر دیا گیا ہے اور بغداد میں وہ چالیس روز تک موت کا کھیل کھیلتا رہا تھا۔ مسلمان قتل ہو رہے تھے قوم کی بچیوں کی عصمتیں لٹ رہی تھیں اور ہلاکو قہقہے لگاتا رہا تھا۔ اس کی عیسائی بیوی دوقوزہ نے بغداد کی فتح پر جشن منایا تھا ——— برقائی نے پھر بات کاٹ دی۔

ہلاکو نے بغداد کو تاراج کر کے مسلم قوم کو ناقابل معافی ٹھیس پہنچائی ہے اور ہلاکو کو اس گستاخی کی سزا ضرور دی جائے گی۔

بوڑھا عرب پھر بولا۔

ہلاکو جس طرف سے گزر رہا ہے مسجدوں کو آگ لگا رہا ہے جبکہ گرجے محفوظ ہیں مسلمانوں کے علاوہ ہر مذہب کو آزادی ہے۔ مسلمانوں کو مسجدوں میں اذان دینے اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی اجازت نہیں۔ اذان اور گھنٹیا سے گھنٹیا عیسائی بھی بھڑکدار لباس پہن کر مسلمانوں پر آوازیں کستے اور گیت گاتے پھرتے ہیں مسلمانوں کو جان بوجھ کر ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے۔ دور دور سے عیسائی اب ہلاکو کے پاس جمع ہو رہے ہیں اور مسلمان شہروں کو ویران کر رہے ہیں۔

برقائی غصے میں لرز رہا تھا۔ اس نے آبنوسی کرسی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

میری قوم کے بزرگ ہلاکو کے خلاف ضرور کارروائی کی جائے گی اور تم میری التجا پر بیٹھ جاؤ اور سکون سے میرے ساتھ بات کرو۔

بوڑھا عرب اور برقائی دونوں بیٹھ گئے۔ عرب نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

کہیں ایسا نہ ہو ہلاکو کو آپ اپنا عم زاد جان کر اس کے خلاف کچھ کرتے ہوئے ہچکچائیں اور وہ یکے بعد دیگرے ہمارے سب شہروں کو ویران کر دے۔

برقائی نے غصے میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

ہلاکو تو میرا عم زاد ہے اگر میرا سگا بھائی بالتو بھی مسلمانوں پر اس طرح مظالم کرتا تو خدا کی قسم میں اس کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیتا۔

بوڑھے عرب نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

وہ اس وقت شمالی عراق میں ایک شہر میافارقین کا محاصرہ کئے ہوئے ہے محاصرے کو کئی ماہ گزر چکے ہیں اور شہر کا حاکم ناصرالدین موت کے مسافروں کے ساتھ مل کر بڑی جوانمردی سے اپنا دفاع کر رہا ہے۔

برقائی نے خوش ہوتے کہا۔

کیا موت کے مسافر بھی ہلاکو کے خلاف صف آرا ہو چکے ہیں۔

ہاں۔ وہ سر پر کفن باندھ کر میافارقین کا دفاع کر رہے ہیں اور ان کے

سالار اعلیٰ عمیر بن خزام نے ہلاکو کے لشکر پر کئی ایک جان لیوا شبخون مار کر اس پر یہ واضح کر دیا ہے کہ مسلمان جاگ رہے ہیں۔

بوڑھے عرب نے فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔

آپ کب تک ہلاکو کے خلاف اُٹھ سکتے ہیں۔

برقائی کا سر جھک گیا اور سوچتے ہوئے اس نے کہا۔

ہلاکو کے خلاف اٹھنے کے لئے مجھے تیاری کرنا ہوگی اور اس کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ اگر میں ہلاکو کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں تو ایک طرف منگو دشت کا خاقان اپنی آبائی فوج کے ساتھ میری طرف بڑھے گا اور دوسری طرف اس وقت چین میں لڑتا ہوا ہلاکو کا دوسرا بھائی قبلائی خان مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ ایسی صورت میں جبکہ منگو قبلائی اور ہلاکو کی صورت میں دنیا کی تین عظیم طاقتیں میرے خلاف اٹھیں گی مجھے اپنی پوری تیاری کے ساتھ ان سے ایک طویل اور نہ ختم ہونیوالی جنگ کی تیاری کرنا ہوگی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں زیادہ وقت نہ لوں گا۔ سمرقند اور بخارا کے مسلمان پہلے ہی میرے پاس جمع ہو چکے ہیں۔ اب میں کچھ روسیوں کو اپنی فوج میں تربیت دونگا۔ اور بہت جلد ہلاکو کے خلاف جنگ کی بساط کھول دوں گا۔ آپ کچھ روز تک میرے ہاں مہمان ہوں گے۔ ویسے میں آج ہی ایک قاصد ہلاکو کے پاس بھیج کر اسے متنبہ کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائی تم کر رہے ہو۔ اس کا انجام ہماری نسبت تمہارے حق میں زیادہ خسارے کا سودا ہوگا۔

برقائی نے دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو پکارا۔

اسامہ! اسامہ!

وہی ترک تیزی سے کمرے میں داخل ہوا جو باہر پہرہ دے رہا تھا اسے دیکھتے ہی برقائی نے بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

انہیں مہمان خانے لے جاؤ۔ یہ کچھ روز یہاں قیام کریں گے اور تم فوراً واپس آجاؤ تم میری طرف سے ایک پیغام لے کر ہلاکو کے پاس جاؤ گے۔ ان سے اس شہر کا محل وقوع پوچھ لو جہاں اس وقت غلیظ ہلاکو ایک مسلمان حکمران اور ہمارے معزز بھائی عمیر بن خزام سے جنگ کر رہا ہے۔

اسامہ بوڑھے ربیح کے ساتھ باہر نکل گیا۔ برقائی نے قلم سنبھالا اور کاغذ پر لکھنا شروع کیا۔

"اس کردگار کے نام سے جس نے مجھ جیسے ویران حال اور بھٹکے ہوئے انسان کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ برقائی کی طرف سے اپنے عم زاد بھائی ہلاکو کے نام! ——

او تم نے اپنے رشتہ داروں سے صلاح کئے بغیر بغداد کو تاراج کیا ہے۔ تم جانتے ہو میں مسلمان ہوں اور بغداد ہمارے لئے کس قدر مقدس شہر ہے۔ مجھے خبر ہوئی ہے کہ تم میرے بھائیوں پر مظالم کر رہے ہو اور نصرانیوں کو تم نے سر چڑھا رکھا ہے۔ ہلاکو! بغداد عالم اسلام کا اثاثہ قیمتی متاع اور آخری پونجی تھی تم نے اسے تاخت کر کے ہمارے سینے میں خنجر گھونپا ہے۔

میں نے یہ بھی سنا ہے تم نے میافارقین کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ یہ محاصرہ اٹھالو اور اپنی آبائی دشت میں چلے جاؤ۔ بغداد کی تباہی کا مجھے سخت قلق ہوا۔ بغداد جو علم و فضل کا ایک زجاج تھا اور اس میں جو آبگینے تم نے توڑے ہیں اس کی کرچیں یہاں آنے والے دو لگا کے کنارے میرے دل میں آکر چبھی ہیں۔ اگر تم اپنی قوت حمیرہ سے کام لو تو جان جاؤ گے کہ لوگ اب مجھے مسلمانوں کا نگران پاسبان اور نگہبان کہتے ہیں اور مسلمان بھائیوں کی تباہی میرے دل پر یوں گذری ہے جیسے خشک لکڑی پر چلتا آرا۔

ہلاکو! اگر تم نے اہل اسلام کی سرزمین میں خون کی کشت کاری بند نہ کی تو یاد رکھو دریائے دجلہ کا اور روس کی کالی مٹی کی سرزمینوں سے قیامت اٹھے گی ایک حشر ہوگا۔ قسام ازل کی قسم میں فعلاً تمہارے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح تمہارا حساب کروں گا جس طرح گڈریے ہاتھوں میں ننگی تلواریں سونت کر اپنے ریوڑوں پر حملہ آور ہونے والے خون آشام بھیڑیوں کا پیچھا کرتے ہیں۔

اگر تم اپنی خباثتوں سے باز نہ آئے تو اے خدائی خوار انسان یاد رکھ میں اپنے گھوڑے فوطہ خانوں کے منہ تم سے جنگ کی تیاری کے لئے کھول دوں گا پھر میں عون اللہ تمہارے بھڑکنے والے سعیر کی طرح تمہیں راکھ کر دوں گا۔ میرا خط پڑھ کر یقین ہے تمہارے رویے کو بدل لو گے"۔

برقائی نے خط تہ کر کے اپنے سامنے رکھ لیا۔ آنکھیں اس نے بند کر لیں اور کچھ
لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسامہ کمرے میں داخل ہوا۔ برقائی نے تہ کیا ہوا خط اسا
تھماتے ہوئے کہا۔

یہ ہلاکو کے نام خط ہے اسے لیکر آج ہی اس کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ ہلا
پاس جانے سے قبل موت کے مسافروں کے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام سے ملنا
اس کے دوستوں سے میرا سلام کہنا اور اسے یقین دلانا کہ وہ وقت قریب آ گیا ہے
تمہاری مدد کو آئیں جس کا وعدہ ہم نے اس سے دریائے دولگا کے کنارے کیا تھ
اسے کہنا تمہارا بھائی برقائی تمہارے ساتھ ہے اور اگر ہلاکو نے اپنی بزدلانہ
میں اس کے شانہ بشانہ ہلاکو سے جنگ کروں گا۔ اب تم جاؤ اور اپنے سفر پر روانہ
اسامہ ایک وفادار سپاہی کی طرح چھاتی تانتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اسامہ سرائے برقائی سے نکل کر دریائے دولگا کے کنارے کنارے سفر کرتا
ائے خزر اور کوہ قنطار سے گزر کر وہ باب الابواب سے ہوتا ہوا شروان آیا۔
س نے ایک دن آرام کیا۔ شروان سے وہ آرمینیہ سے ہوتا ہوا تبریز کے پاس
کر جنوب مغرب کی طرف بڑھا اور اس کے بعد وہ دریائے فرات کے کنارے
ے جنوب کی طرف اپنے ابلق گھوڑے کو بھگاتا جا رہا تھا۔

ایک روز پہاڑی سلسلے میں سے گزرتے ہوئے اسامہ چونک پڑا۔ پہاڑی سلسلے
را سے ہزاروں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے گھوڑے کی
ھیل چھوڑ کر اسے ایڑ لگائی اور قریب ہی ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اس نے اپنے
ے جب وادی میں دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ دو لشکر آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اسامہ
ب غور سے دیکھا تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ عقیق البحر کی طرح چمکتی ہوئی تیز
ب میں اس نے دیکھا موت کے مسافروں کا لشکر جس کی سرکردگی ابو نواس کر رہا
گے آگے بھاگ رہا تھا اور مشہور تاتاری جرنیل بائیڈو اپنے لشکر کے ساتھ
تعاقب کر رہا تھا۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ دریا پر لکڑی کے تختوں سے پل بنا ہوا تھا جس کے دوسرے سرے مضبوط رسوں کی مدد سے کنارے کے تناور درختوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ اسامہ کے ذہن میں خدشوں نے سر ابھارا۔ اس کے دل سے خطرات کی گھنٹیوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے ذہن میں سوالات ابھر رہے ہیں۔

عمیر بن خرام کہاں ہے؟

موت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ کو کیا ہوا؟

وہ کھلی آستینوں والا عرب جو میری قوم کا محسن ہے وہ کیوں اپنے لشکر کی کمان نہیں کر رہا؟

کیا وہ علیل ہے؟

کیا قوم کا وہ نگہبان زخمی ہے؟ یا ——— اسامہ نے اپنے سر کو جھٹک دیا اور اپنے منہ پر زور سے طمانچہ مارتے ہوئے اس نے کہا۔

نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس انداز میں نہ سوچنا چاہیے۔ خدا ہم پر اتنا مہربان نہیں ہے۔ عمیر بن خرام زندہ ہے۔ لشکر کی کمان ابونواس کو سونپنے میں بھی اس کی کوئی چال ہوگی۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر اچانک حملہ آور ہو جائے۔

اسامہ پھر آگے پیچھے بھاگتے ہوئے دونوں لشکروں کی طرف دیکھنے لگا۔ ابونواس اب اپنے لشکر کے ساتھ پل سے گزرتا ہوا دریا عبور کر رہا تھا اور بائیڈ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب سارے موت کے مسافر پل پار کر گئے اور تاتاری ابھی پل کا دو تہائی حصہ پار کر پائے تھے پل کے اس پار چھپ کر بیٹھے ہوئے موت کے مسافروں نے درختوں سے بندھے ہوئے پل کے رسے کھول دیئے۔ پل کا مغربی کنارہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنے لگا تھا اور موت کے مسافر رسوں کے سرے پکڑے کنارے کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔

وہ موت کے مسافر بھاگتے ہوئے ایک جگہ پھر رک گئے اور رسوں کو انہوں نے قریبی درختوں سے باندھ دیا اب پل کا مغربی کنارہ دریا کے وسط میں تیر رہا تھا۔ تاتاری لشکر کا وہ حصہ جو پل پر چڑھ آیا تھا اس میں عجیب بھگدڑ مچ گئی تھی۔ ان میں زیادہ تر پانی میں گر کر دریا کی تند و تیز لہروں کا لقمہ بن گئے تھے اور وہ جو ابھی مشرقی کنارے سے

پل پر تھے۔ اپنے گھوڑوں کا رخ موڑ کر دوسرے کنارے کی طرف بھاگنے لگے تھے ان میں جرنیل بائیڈ بھی تھا۔

اچانک قریبی پہاڑوں کے اندر سے عمیر اپنے لشکر کے ساتھ قہر کے طوفان کی طرح نمودار ہوا اسامہ کے چہرے پر دور دور تک خوشی اور اطمینان کے سائے بکھر گئے تھے عمیر کے دیکھتے ہی دیکھتے عمیر مشرقی کنارے پر گھبراہٹ کے عالم میں کھڑے تاتاری لشکر پر بھوکے اور خونخوار عقاب کی طرح ٹوٹ پڑا تھا اور انہیں لکڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

اسامہ پھر مغربی کنارے کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں بے شمار موت کے مسافر رسوں کو کھینچتے ہوئے پل کو پھر اپنی پہلی حالت پر لا رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ وہ زور زور سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے ایک ساتھ زور لگا کر لمحہ بہ لمحہ پل کو اس کی پہلی حالت میں لا رہے تھے۔

اسامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ لشکر کے آنسو تھے جنہیں اس نے پونچھا اور ہوا میں ہاتھ بلند کرتے ہوئے اپنا رخ مغربی کنارے کی طرف کر کے اس نے زور زور سے چلاتے ہوئے کہا۔

میری قوم کے مجاہدو! احسنت اور آفرین ہے ان ماؤں پر جنہوں نے تم جیسے روح بکف جاں فروش اور قوم کے امینوں کو جنم دیا۔

پل کو اپنی اصلی حالت میں آنے کے بعد ابونواس اپنے لشکر کے ساتھ جس طرح بھاگتا ہوا مغرب کی طرف گیا تھا اسی طرح اور اسی رفتار سے وہ پل پر بھاگتا ہوا مشرق کی طرف آ رہا تھا جہاں عمیر نے تاتاریوں کے ساتھ موت کا کھیل شروع کر رکھا تھا۔ اسامہ کے دیکھتے ہی دیکھتے عمیر لڑتا ہوا تاتاری جرنیل بائیڈ کے پاس آیا خونخواری سے اس پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت اس کا چہرہ اس جلاد جیسا تھا جو برسوں سے مجرموں کے سر کاٹتا آ رہا ہو۔ عمیر کے مقابلے میں بائیڈ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکا تھا اور عمیر نے اس کی گردن کاٹ دی تھی۔ اتنی دیر تک ابونواس بھی اپنے حصے کے لشکر کو لئے وہاں پہنچ گیا۔ اب ایک طرف سے عمیر اور دوسری طرف سے ابونواس تاتاریوں کو کاٹ رہے تھے۔

تاتاری زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور رخ موڑ کر لومڑیوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے

عمیر اور ابونواس انہیں کاٹتے ہوئے تعاقب کر رہے تھے۔

ٹیلے کے اوپر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے اسامہ نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے زور سے کہا۔

میری قوم کے عزیز اور ذی حشمت پاسبانو! میں تمہارے گھوڑوں کی جولان گاہوں اور تمہاری رزم کے میدانوں کو سلام کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد عمیر اور ابونواس اپنے لشکر کے ساتھ واپس آ گئے اور اپنے لشکر کے ساتھ دریا کے مشرقی کنارے چٹانوں کے سائے میں بیٹھ کر وہ آرام کرنے لگے تھے۔

اسامہ اس ٹیلے سے نیچے اترا اور وادی میں اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا موت کے مسافروں کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھتے ہی عمیر اور ابونواس کھڑے ہو گئے۔ عمیر اسامہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور پھر اپنی آبشاروں جیسی مدھر آواز میں اس نے گنگناتے ہوئے کہا۔

دیکھو! روس کی سیاہ مٹی کی سرزمین سے میرا بھائی آتا ہے۔

اسامہ گھوڑے سے اتر کر عمیر سے بغلگیر ہوا۔ پہلے وہ بے اختیار عمیر کی زرہ کو بوسے دیتا رہا پھر اس نے عمیر کے پاؤں کو چھوتے ہوئے بڑے کرب سے کہا۔

میں ایک مجاہد کے ان مقدس پاؤں کو بھی سلام کرتا ہوں جن سے وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر دشمنوں کا تعاقب کرتا ہے۔

عمیر نے اسامہ کو پکڑ کر سیدھا کیا۔

تم میرے بھائی ہو۔

عمیر سے علیحدہ ہو کر اسامہ نے ابونواس سے معانقہ کیا۔ پھر عمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟

اسامہ نے پیار سے اپنا ہاتھ عمیر کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

میں اپنے آقا برقائی کی طرف سے ہلاکو کے نام ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

کیسا پیغام؟

برقائی کو خبر ہو گئی ہے کہ ہلاکو نے بغداد کو تباہ کر دیا ہے۔ لہٰذا اس نے ایک تنبیہ آمیز خط ہلاکو کو لکھ کر واضح کیا ہے کہ اگر اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ بندی کی تو میں تمہارے

اعلانِ جنگ کرنے پر مجبور ہوں گا۔

عمیر نے بڑی بیتابی سے پوچھا۔

کیا میں وہ خط دیکھ سکتا ہوں؟

اسامہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا

کیوں نہیں آپ قوم کے امین ہیں آپ سے کیا پردہ!

اسامہ نے خط اسے دیا اور عمیر کھول کر پڑھنے لگا۔ ابونواس نے بھی خط پر نگاہیں ڈالی تھیں۔ خط پڑھ کر عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں خوش ہوں کہ روس کی طرف سے ایک طاقت نے ہمارے حق اور اسلام کی حمایت میں ہلاکو کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ہم ہلاکو کو اپنی سرزمینوں سے مار بھگائیں گے۔

اسامہ پھر بولا۔

میرا آقا برقائی آپ کو سلام کہتا تھا۔ اس نے زور دے کر کہا تھا عمیر سے کہنا اگر ہلاکو نے خباثتوں سے باز نہ آیا تو میں میدان میں اتر کر آپ کے شانہ بشانہ ہلاکو کے خلاف جنگ کروں گا۔

عمیر مسکرا رہا تھا۔

میں بڑی بے تابی سے برقائی کا انتظار کروں گا ——— تم ایک رات میرے ہاں آرام کرو کل ہلاکو کی طرف روانہ ہو جانا۔ وہ یہاں سے چند میل دور ایک شہر فارقین کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔

میں آج ہی ہلاکو کی طرف روانہ ہوں گا اور واپسی پر آپ کے لشکر میں ایک چھوڑ رات میں بسر کروں گا۔

عمیر نے ایسی نگاہوں سے اسامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا جن میں ایک نیا فکر اور بے اعماق تھا۔

کیا تمہارے آقا کے خط کی پشت پر میں بھی ہلاکو کے نام کوئی پیغام لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔

اسامہ نے بڑی خوش طبعی سے کہا۔ ضرور لکھ دیجئے۔ مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت

ہے۔آپ مالک اور حاکم ہیں۔ میرے ہاں آپ کا رتبہ میرے آقا برقائی جیسا ہے۔

عمیر نے ابونواس سے قلم دوات منگوائی اور برقائی کے خط کی پشت پر لکھنے لگا۔

" ہلاکو! تم نے سمرقند سے بغداد تک ہمارے شہروں کو برباد کیا۔ میری قوم کے بیشمار اور ان گنت معصوم بچوں کو یتیم اور بڑوں کو قتل کیا۔ تم نے بغداد کو ویران کیا جو ہمارے علم و ادب کی ایک عظیم اقامہ تھی۔ تم قزاق، رہزن، ڈاکو، لٹیرے اور غارتگر ہو۔ اے عبدالدنیا! تم آج تک سوئے ہوئے مسلمانوں کو قتل کرتے رہے ہو۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم کئی ماہ سے میافارقین کا محاصرہ کئے ہوئے ہو لیکن اسے فتح نہیں کر سکے

سنو زاغِ آبی! جوں جوں تم دریائے یرون کی طرف بڑھو گے تمہیں احساس ہوگا مسلمان جاگ رہے ہیں جس طرح مسافر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کرتا ہے۔ قطب ستارہ اس کے ساتھ رہتا ہے بالکل اسی طرح ہم موت کے مسافر قضائے مبرم کی طرح تمہارے تعاقب میں رہیں گے۔ پہاڑی چوہے! ہم دریائے یرون کی ایک محبوب قوت ہیں اور ذوالناب کی طرح تمہارے سر پر چمکتے رہیں گے ہر ہر قدم پر تمہارے سامنے گھمن گھیر، بھنور اور گرداب بن کر کھڑے ہوں گے۔

سن او خامسی انسان! جس طرح باغبان درختوں کے گرد تھالا کھودتا ہے جسطرح بافندہ کپڑے کی بنائی بڑی مہارت سے کرتا ہے۔ جس طرح صحرا کا ساربان بلبلاتے ہوئے اونٹ کو لادتا ہے بالکل ان جیسے ماہرین کی طرح ہم تمہارے گلے میں چکی کا پاٹ باندھ کر تمہیں دریائے یرون کی اعماق میں اتار دیں گے۔

کعبہ کی حرمت کی قسم! ہم تمہیں بدرکاب گھوڑے کی طرح مار مار کر سیدھا کر دیں گے ہلاکو! تم نے اسلامی دنیا پر حملہ اور ہو کر اپنے منہ میں ایک سخت ہڈی ڈال لی ہے جسے تم نہ چبول کر نگل سکتے ہو اور نہ چبا کر باریک کر سکتے ہو اسے تمہیں اگلنا ہوگا۔ تم خواہ تر لوک اور پاتال میں بھی اتر جاؤ ہم تمہیں تلاش کر کے تم سے ایک روز انتقام ضرور لیں گے۔ یہ اپنے رب کے ساتھ ہمارا عہد ہے۔ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب ہم تمہیں تمہارے سرخ منطقہ سے پکڑ کر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیں گے۔"

عمیر نے جب خط تہہ کر کے اسامہ کو تھمایا تو اس نے پوچھا۔

کیا آپ اس پل کو اپنی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں؟

نہیں ہماری کمین گاہیں کئی میل آگے پہاڑوں کے اندر ہیں۔ یہ پل ہمارا اپنا بنایا ہوا ہے۔ یہاں ہم تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو لاتے ہیں اور دریا میں غرق کر دیتے ہیں یہ پل ہماری جولان گاہوں کی انتہا ہے۔

مجھے اب اجازت دیجئے!

عمیر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ میں بڑی بیتابی سے تمہارا انتظار کروں گا۔ واپس آ کر مجھے بتانا ہلاکو نے کیا جواب دیا ہے ——— اسامہ نے عمیر کے بعد ابونواس سے مصافحہ کیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور پھر عمیر کے بتانے پر میافارقین کے رخ پر اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

ہلاکو چونکہ مسجدوں کو آگ لگا رہا تھا اور مسلمانوں پر مظالم کر رہا تھا اس لئے عیسائی خوش تھے اور جوق در جوق ہلاکو کے لشکر میں شامل ہو رہے تھے۔ انطاکیہ کا عیسائی حکمران ریمانڈ چہارم اپنے ہزاروں نائٹوں اور کاؤنٹ لے کر ہلاکو کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ آرمینیہ کا عیسائی بادشاہ حیشون بیشمار آرمینیوں اور گرجستانیوں کے جرار لشکر کیساتھ ہلاکو سے آملا تھا اس طرح ہلاکو کی قوت میں اب کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔

ایک روز ہلاکو، انطاکیہ کا حاکم ریمانڈ اور آرمینیہ کا بادشاہ حیشون اور قط بوغا کئی دوسرے جرنیلوں کے ساتھ ہلاکو کی بیوی دوقوزہ کے ساتھ لکڑی کے کلیسا کے پاس کھڑے تھے۔ کلیسا کے اندر بھدی اور ننگی ہوئی تصویریں تھیں اور اس میں گھنٹیاں بج رہی تھیں اور کلیسا کے سامنے نستوری راہب ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے اور اپنے گلے پھاڑ پھاڑ کر حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہہ کر ان کی حمد و ثنا میں نغمے الاپ رہے تھے۔

عبادت جب ختم ہوئی اور کلیسا کے اندر گھنٹیاں بجنی بند ہو گئیں تو ہلاکو نے اپنے گرد کھڑے ریمنڈ، حیشون، قط بوغا اور دوسرے جرنیلوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میافارقین کا محاصرہ کئے ہوئے ہمیں دو برس ہونے کو ہیں۔ ابھی تک ہم اس شہر کو تسخیر نہیں کر سکے کیا یہ بات ہمارے لئے باعث شرم نہیں؟

آرمینیہ کے بادشاہ حیشون نے جواب دیا۔

جب تک موت کے مسافر کو اس محاذ سے ہٹایا نہ جائے اس وقت تک یہ محاصرہ

کامیاب نہ ہوگا۔ آپ دیکھ رہے ہیں اس کی گوریلا جنگ نے ہمیشہ ہمارے منصوبوں کو ناکام بنایا ہے اس کی رغبت یہاں سے ہٹانے کی خاطر ہمیں اس کے خلاف ایک اور محاذ کھولنا چاہیئے ورنہ حالات جوں کے توں رہیں گے اور ہماری تعداد ہر روز گھٹتی رہے گی۔

انطاکیہ کے ریمانڈ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ہمیں گلیل، عکہ اور دوسرے صلیبی قلعوں میں یہ پیغام پہنچانا چاہیئے کہ وہ اپنے قلعوں سے نکل کر موت کے مسافروں کے مسکن پر حملہ آور ہو جائیں۔ ہمیں اور حیشون بھی اپنے لشکروں کے ساتھ ان کی مدد کے لیے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اگر ہم موت کے مسافروں کو شکست نہ دے سکے تو کم از کم کچھ مدت کے لیے اس محاذ سے ہٹا کر اس کے مسکن کے گرد و رو کے رکھیں گے اور اس مدت میں آپ بڑی آسانی سے مصیاف قلعہ کو فتح کر لیں گے۔

ہلاکو نے قط بوغا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم کیا کہتے ہو؟

قط بوغا نے ندامت زدہ لہجے میں کہا۔

میں حیشون اور ریمانڈ کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں نے جاودانی آسمان اور چنگیز کی مقدس سولدہ کی قسم کھا کر عہد کیا ہے کہ اس موت کے مسافر نے جس طرح آج ہمارے چرنیل بائیڈر کا سر کاٹا بالکل اسی طرح میں اس کا سر کاٹ کر اس کے بدن کو اپنے گھوڑے کے نیچے روندوں گا اور چھوٹے خان تم جانتے ہو میں ہمیشہ وعدہ پورا کرتا ہوں۔

ہلاکو نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

ہمیں فوراً اس تجویز پر عمل کرنا ہوگا ورنہ ——— ہلاکو رک گیا کیونکہ ایک تاتاری نویون بھاگتا ہوا وہاں آیا اور اپنے سر کو خم دیتے ہوئے اس نے ہلاکو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چھوٹے خان! دریائے دولگا کی سرزمین سے آپ کے بھائی برقائی کا ایک قاصد آیا ہے اس کے پاس آپ کے لیے برقائی کا ایک پیغام ہے اور وہ باریابی چاہتا ہے

ہلاکو نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

برقائی کی طرف سے قاصد؟ ——— کوئی پیغام ——— کیا ہو سکتا ہے؟

بہرحال تم اسے فوراً میرے پاس لے آؤ ——— وہ نویون واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ اسامہ تھا۔ جب وہ دونوں ہلاکو کے پاس آئے تو اس نے اپنی کرخت آواز میں اسامہ سے پوچھا

تم ہمارے بھائی برقائی کا پیغام لے کر آئے ہو؟

اسامہ نے سر کو خم کیے بغیر جواب دیا۔

ہاں میرے پاس اس کا ایک خط ہے جو تمہارے نام ہے ——— اسامہ نے اپنے لباس کے اندر سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر ہلاکو کو تھما دیا ——— ہلاکو نے کاغذ کھول کر برقائی کا پیغام پڑھا۔ جب وہ آخری الفاظ پڑھ رہا تھا تو اس کے بدن نے ایک جھرجھری لی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس نے اسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا برقائی پاگل ہو گیا ہے جو اس نے مجھے ایسا خط لکھا۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ وہ اکیلے ہلاکو کو نہیں اس کے بھائی منگو اور قبلائی کو بھی جنگ کی دھمکی دے رہا تھا میں جب اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھوں گا تو اس گنٹھیا کے مریض کے سر پر موت کھیل جائے گی۔

اسامہ نے ہلاکو کو ٹوکا۔

تمہارے نام ایک اور پیغام اس کاغذ کے دوسری طرف بھی ہے اسے بھی پڑھ لو۔

ہلاکو نے ورق الٹتے ہوئے پوچھا

یہ کس کا پیغام ہے؟

موت کے مسافروں کے سالار اعلیٰ کا۔

ہلاکو چونک پڑا۔

کیا تم اس کے پاس سے بھی ہو کر آ رہے ہو؟

ہاں۔

تو کیا برقائی اور موت کا مسافر آپس میں اتحاد کر چکے ہیں؟

یہ ایک فطری عمل ہے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے ——— اسامہ خاموش ہو گیا کیونکہ ہلاکو اب عمیر کا پیغام پڑھ رہا تھا۔ اس دوران اسامہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا تھا۔ پیغام پڑھ کر ہلاکو نے غصے میں کاغذ پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بڑی

حقارت سے انہیں زمین پر پھینک کر اپنے پاؤں سے مسلتے ہوئے اس نے کہا۔

یہ دونوں باؤلے کتے ہیں اور ماضی میں ایسے کئی لوگ مجھے دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور میں نے ان سب کے سر کچل دیئے تھے۔

اسامہ نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

واپس جاکر میں ان دونوں سے کیا کہوں؟

ہلاکو نے غراتے ہوئے کہا۔

ان دونوں سے کہنا دنیا کے غلیظ ترین اور ناپسندیدہ انسانو۔ عنقریب میں یہاں سے فارغ ہوکر تم دونوں کی طرف صیاد اجل اور قضا کا فرشتہ بن کر آؤں گا اور انکی چراگاہوں اور شہروں کو سیدگاہوں میں بدل دوں گا۔

اسامہ نے خفگی کے اظہار میں کہا۔

ان میں سے ایک جسے لوگ موت کا مسافر کہتے ہیں پچھلے کئی ماہ سے تمہارے ساتھ رزم آرائی کر رہا ہے اور تم اسے کوئی سزا دینے میں کامیاب نہیں ہوئے جبکہ اس نے آج تمہارے بہترین جرنیل کا سر کاٹ کر تم پر واضح کر دیا ہے کہ غفلت کی نیند سوئے ہوئے مسلمان اب جاگ رہے ہیں اور دوسرا شخص جو تمہارا عم زاد اور میرا آقا ہے وہ ایک قوت بن چکا ہے اور اگر تم نے ہمارے بھائیوں کا قتل عام بند نہ کیا تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں برقائی خاں شمال کے برف زاروں سے سائبیریا کے تند طوفانوں کی طرح اٹھے گا اور تنکوں کی طرح تمہیں اپنے ساتھ اٹھا کر لے جائیگا۔

ہلاکو نے بپھرتے ہوئے کہا۔

تم بکواس کرتے ہو۔ تم ایک قاصد ہو میرے مخاطب نہیں تمہیں ایسی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اس جوان تاتاری ترک کا بھی خون کھول اٹھا۔

میں اپنے آقا کی طرف سے ہر قسم کی گفتگو کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ تم میرے منکر نکیر نہیں ہو کہ جو تم پوچھو ان کا جواب دیتا رہوں۔ رہا موت کا مسافر تو میری نگاہوں میں اس کی وہی عزت ہے جو اپنے آقا کی۔ اس لئے کہ وہ مسلمان ہے اور کئی ماہ سے اس نے تمہارا راستہ روک رکھا ہے اور بالفعل تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

ہلاکو نے دھمکی دی۔

میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ میرے سامنے تم ان دونوں کی تعریف کر رہے ہو۔

اسامہ کی آواز ناشر الصوت کی طرح گونجی۔

میرے قتل سے یہ قصہ اور قضیہ موقوف نہ ہو جائے گا۔ کوئی نہ کوئی نامہ بر میرے آقا تک یہ خبر پہنچا دے گا کہ اسامہ سچ بات کہتے ہوئے ہلاکو کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ پھر دیکھنا میرا آقا دریائے ولگا کے کنارے سے کس طرح اٹھتا ہے اس کے گرد سمرقند اور بخارا کے مسلمان جمع ہو چکے ہیں۔ وہ پہلے ہی تمہارے خون کے پیاسے ہیں وہ تم سے ماضی کے ایک ایک ظلم کا حساب لیں گے اور انہیں دیکھتے ہوئے مصر کے مملوک بھی اٹھیں گے۔ موت کا مسافر غرا اٹھے گا اور جن مسلم علاقوں کو تم تاراخت کر آئے ہو وہ بھی اپنا اپنا بغداد سونت کر تمہارے خون میں ہاتھ رنگنے کو تمہارا رخ کریں گے اس لئے کہ یہ سب مسلمان ہیں اور ان سب کی منفعت بھی ایک ہے۔

ہلاکو نے اسامہ کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔

تم بکتے ہو۔ اب مسلمانوں کے حق میں کوئی بات کی تو گردن اڑا دوں گا۔

اسامہ کا خون کھول اٹھا تھا۔

موش دشتی! میں جانتا ہوں میں نے قتل ہو جانا ہے۔ اب میں پوری طغیانی اور صولت سے تمہارے ساتھ گفتگو کروں گا۔ سنو! عنقریب شام کے کہساروں میں وہ وقت آئے گا کہ ایک طرف سے موت کے مسافر نور ایمان سے نخل ایمن کی طرح چمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ اپنے نشیمن، اپنے گھونسلوں اور اپنے آشیانوں سے بیدیرانہ نشین لوگ نکلیں گے دوسری طرف سے مصر پر اس وقت حکومت کرنے والے ہمارے ترک بھائی اپنی ملکوتی صفات کے ساتھ ایک نئے اور طاقتور مندوب کی طرح لبیک کہیں گے اور تیسری طرف بدطولیٰ رکھنے والا برقائی اپنی تلوار کھینچ لے گا تو پھر صحرا کے یغانی کی قسم مجھے ہشت منظر پیدا کرنے والی کی یہ سب مل کر تمہارے جسم کے سارے مناقد سے تمہارے جسم سے خون کا آخری قطرہ نچوڑ لیں گے اور تمہارے لشکر کی ایسی حالت بنائیں گے جس طرح تیز طوفان مغیلاں کے گھنے جنگل کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔

ہلاکو! ہمارے رب کے یہاں ہر بات ممکنات میں سے ہے۔ آج ہم پر تم باؤلے

کتے کی طرح بھونک رہے ہو اور ہم بے بسی کے عالم میں کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کر پا رہے
ہلاکو! بغداد کو تو نے فتح نہیں کیا۔ ہماری اپنی قوم سو رہی تھی اور اونگھتی ہوئی اس قوم کو
بیدار کرنے کے لئے ہمارے خدا کی طرف سے ہم پر یہ ایک عذاب ہے۔ سنو! اب
قدرت اس قوم کو متنبہ کر چکی ہے اور جو قوم سوتے کی حالت میں تمہارے شیطانی چہرے
کو دیکھ نہ سکی تھی اب بیدار ہو کر تمہیں تمہارے اصل اور کریہہ چہرے کے ساتھ دیکھ
رہی ہے۔

ہلاکو! تم آج تک موش دشتی کی طرح ایک زخمی شیر کے اوپر دندناتے رہے ہو۔
لیکن اب؟ ——— اب اس شیر کے زخم مندمل ہو چکے ہیں اور وہ تمہیں مسل دے
گا۔ اب وقت آنے والا ہے کہ ہم تمہارے اوپر درندوں کی طرح غرائیں اور جواب
میں تم بے کسی کے ساتھ میمنے کی طرح ممیانے رہو۔ اور سنو ہلاکو ——— ہلاکو کا
جلادی چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے تلوار کھینچی اور اسامہ کی گردن کاٹ دی۔ اسامہ
زمین پر گر گیا اور اس کا خون زمین میں جذب ہونے لگا۔ ماحول پر ایک تکلیف دہ ململاہٹ
چھا گئی تھی۔

شام ہونے والی تھی۔ دھوپ کوہستانی سلسلے میں کھو گئی تھی اور چٹانوں کے سائے
دور دور تک پھیل گئے تھے۔ عمیر اور ابونواس ایک چٹان کے اوپر بیٹھے سانپ کی
طرح بل کھاکر پہاڑی سلسلے میں گزرنے والی اس پگڈنڈی کی طرف دیکھ رہے تھے
جو میافارقین کی طرف جاتی تھی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس پگڈنڈی پر ایک گھوڑ
سوار نمودار ہوا اور اسے دیکھتے ہی دیکھتے عمیر چلا اٹھا۔

ابونواس! وہ آ گیا۔

سوار اب لمحہ بہ لمحہ ان کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ دونوں بھاگتے ہوئے اس
ٹیلے سے نیچے اترے جس کے پیچھے تین اطراف میں ان کا لشکر پھیلا ہوا تھا وہ دونوں
اس ٹیلے کے دامن میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ سوار ان کے قریب آ کر گھوڑے سے اترا وہ
ان کا جاسوس تھا۔ عمیر کے قریب آ کر اس نے بڑے کرب سے کہا۔

میرے آقا! ہلاکو نے برقائی کے سفیر اسامہ کو قتل کر دیا ہے۔

عمیر کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا

اسامہ قتل ہو گیا؟

جاسوس نے اپنی گردن جھکا لی ——— ہاں میرے آقا ——— اس کے
علاوہ بھی ایک بری خبر لایا ہوں۔

عمیر نے دکھ سے کہا وہ بھی کہہ دو۔

ہلاکو کا ایک سفیر ارضِ فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا ہے وہ گلیل ناصرہ اور عکہ کے صلیبی
نائٹوں کے پاس ہلاکو کا یہ پیغام لے کر گیا ہے کہ وہ فوراً ہمارے مسکن پر حملہ آور ہو جائیں
اس کے علاوہ یہاں سے انطاکیہ کا ریمانڈ اور آرمینیہ کا بادشاہ حیشون ہمارے مسکن
پر حملہ آور ہونے کے لئے آج رات کی تاریکی میں کسی وقت یہاں سے کوچ کریں گے۔
اس لشکر کا سالارِ اعظم انطاکیہ کا ریمانڈ ہو گا اور لشکر پندرہ ہزار سواروں پر مشتمل ہو گا۔

عمیر نے چونکتے ہوئے ابونواس سے کہا۔

ابونواس! لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ ہمیں دشمن کے کوچ سے قبل اپنے مسکن سے باہر
ان کے لئے ایک پھندا تیار کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ ہمارے سامنے اس طرح بے بس ہو
جائیں جیسے جال میں پھنسی ہوئی لومڑیاں ——— اور ہوازن کو پیغام بھجوا دو کہ وہ فکر
نہ کرے میں آ رہا ہوں۔ اسے یہ بھی تاکید کر دو کہ نائٹوں کے حملے سے قبل مسکن کے سب
مردوں، عورتوں کو قلعے میں بند کر کے وہ پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکل
جائے۔ قلعے کے اندر صرف ایک ہزار سپاہی رہنے دے جو سب مرد عورتوں کے ساتھ
مل کر قلعے کا دفاع کرتے رہیں اور خود وہ رات کی تاریکیوں میں نائٹوں کے ساتھ شب خون
کا کھیل کھیلتا رہے۔ اسے یہ بھی کہو کہ مسکن سے دو ہزار بکریاں قلعے سے باہر دریا کے
کنارے زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں باندھ دے اور اتنی ہی مشعلوں کا بندوبست
بھی کرے۔ ابونواس بھاگتا ہوا لشکر کی طرف چلا گیا۔ عمیر نے اپنے سامنے کھڑے اس
جاسوس سے کہا۔

تم واپس چلے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے دشمن کی نقل و حرکت سے
آگاہ کرتے رہو ——— وہ جاسوس گھوڑے پر سوار ہوا اور جدھر سے آیا تھا اس طرف

ہی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا چٹانوں کے اندر روپوش ہوگیا۔ عمیر بھی بھاگتا ہوا اپنے لشکر کی طرف جارہا تھا۔

مریانہ اپنا لمبی ایالوں والا سُرخ گھوڑا دوڑاتی ہوئی عمیر کے مسکن میں داخل ہوئی۔ اس کے سنہری بال بکھرے ہوئے تھے اور سرخ چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی وہ ہوازن کے پاس آئی جو اپنے گھر سے باہر کھڑا تھا اور اس کے ساتھ اربطہ کولان، حمورا، ننھا مغیث اور ابونواس کی ننھی سی بچی امینہ بھی کھڑے تھے۔ ان کے پاس آکر مریانہ اپنے گھوڑے سے اتری اور ہوازن سے کہا۔

میں آپ کے لئے ایک بُری خبر لے کر آئی ہوں۔ عکہ، گلیل اور ناصرہ کے صلیبی نائٹ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہورہے ہیں۔ وہ کل دوپہر تک شاید یہاں پہنچ جائیں۔

ہوازن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں تمہارا مشکور ہوں۔ میں یہاں کھڑا تمہارا ہی انتظار کررہا تھا کیونکہ مسکن کے جاسوس مجھے خبر دے چکے تھے کہ تم آرہی ہو۔ صلیبیوں کے حملے سے میرے آقا مجھے پہلے ہی مطلع کرچکے ہیں اور تم دیکھتی ہو میں نے اپنے مسکن کے سب مرد و عورتوں کو قلعے کے اندر جمع کرلیا ہے۔

عمیر کا ذکر آنے پر مریانہ نے بیتاب ہوکر پوچھا۔

وہ خود اس وقت کہاں ہے؟

میافارقین کی طرف سے آرمینیہ کا بادشاہ حیثون اور انطاکیہ کا سردار ریمانڈ بھی ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہے ہیں اور ان کے لشکر کے پیچھے پیچھے ادھر ہی آرہے ہیں۔

مریانہ آگے بڑھی اور اپنے بازو پھیلا کر اس نے عمیر کے لڑکے مغیث کو گلے لگایا اور اسے پیار کرنے لگی پھر اس نے بڑی شفقت سے امینہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی ——— اب میں چلتی ہوں ——— وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور قلعے سے باہر نکل گئی۔

دوسرے روز دوپہر کے قریب صلیبیوں کا دس ہزار کا لشکر مسکن میں داخل ہوا۔ اس وقت تک ہوازن پانچ ہزار سواروں کے ساتھ دو ہزار بکریاں اور مشعلیں لے کر دریائے یرقون کے کنارے زیتون کے گھنے جنگل میں جاچھپا تھا۔

صلیبیوں نے دم لئے بغیر وہاں پہنچتے ہی قلعے پر منجنیقوں، آہنی تیروں اور قلعہ شکن ہتھیاروں سے حملہ کردیا تھا اور ان کے اوپر سے مسکن کے ہزاروں مرد و عورتیں پتھروں کھولتے ہوئے پانی اور نفت کے شعلوں سے حملے کررہے تھے۔ جب سورج غروب ہوا اور ہوازن پانچ ہزار سواروں کے ساتھ دریائے یرقون کی کمین گاہ سے باہر آیا دشمن پر پوری قوت سے شب خون مارا اور دو ہزار صلیبیوں کو کاٹتا ہوا وہ آگے نکل گیا تھا۔

جب ہوازن کامیاب شب خون مار کر اپنے پہاڑ کی پناہ گاہ میں غائب ہوگیا تو صلیبیوں کے سالار نے اپنے سامنے کھڑے ایک جاسوس پر برستے ہوئے پوچھا۔

تم کہتے تھے کہ قلعہ کی حفاظت کرنے والا ہشام نامی عرب بغداد میں مرچکا ہے موت کے تینوں مسافر میافارقین میں ہلاکو سے برسرپیکار ہیں تو پھر یہ اس قدر جرأت اور کامیابی سے ہم پر شب خون مارنے والا کون ہے۔ اگر موت کا مسافر لوٹ آیا ہے تو ہماری بدبختی ہمیں کھینچ کر یہاں لے آئی ہے اور یہ آرمینیہ کا حیثون اور انطاکیہ کا ریمانڈ اپنے لشکر کے ساتھ کہاں مرگئے ہیں۔

جاسوس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔

سالار نے غراتے ہوئے کہا۔

وہ نہ آسمان سے گرا ہے اور نہ زمین سے اس کی بالیدگی ہوئی ہے۔ اسکا تعلق اسی قلعے سے ہے اور وہ یقیناً موت کا مسافر ہے۔ تم نے ہمیں اس پنجرے میں لا پھنسایا ہے۔

سالار کے پاس بیٹھے ایک جرنیل نے مشورہ دیا۔

ہمیں شبخون مارنے والوں کا تعاقب کرنا چاہیئے تھا۔

سالار چلا اٹھا۔

ایسا کرنا سب سے بڑی حماقت ہوتی۔ میں موت کے مسافر کو تم سے بہتر جانتا

ہوں وہ بایاں ہاتھ ہوا میں لہراتا ہے اور ضرب دائیں ہاتھ کی لگا جاتا ہے۔ اس نے ہمارے راستے مسدود کر کے ہم پر شبخون مارا ہوگا۔ اب تم لوگ دور دور تک اپنے سپاہی پھیلا دو جو دشمن پر نگاہ رکھیں تاہم ہم کسی دوسرے شبخون کا شکار نہ ہوں۔ ورنہ یہ رات ہمارے لئے آخری رات ہوگی۔ ہمیں اپنا دفاع کرتے ہوئے جنگ کو طول دے کر جیشون اور ریمانڈ کے لشکر کا انتظار کرنا ہوگا۔ سالار کھڑا ہو گیا۔

میرے ساتھ آؤ۔ میں تم سب کو نئے سرے سے فرائض سونپتا ہوں۔ سامنے کھڑا جاسوس اور خیمے میں بیٹھے صلیبی جرنیل اپنے سالار کے پیچھے پیچھے خیمے سے باہر نکل گئے۔

عمیر نے رات کی تاریکی میں پیغام رسانی کے ہدف پر تیر مار کر ناصر الدین کو بتا دیا تھا کہ وہ جیشون اور ریمانڈ کے لشکر کا تعاقب کر رہا ہے۔ اس نے اپنے آگے جاسوس پھیلا دیئے تھے اور دس میل کا فاصلہ رکھ کر وہ دشمن کے لشکر کا تعاقب شروع کر چکا تھا

ایک روز سہ پہر کے نزدیک جیشون اور ریمانڈ کا لشکر عمیر کے مسکن کے سامنے نمودار ہوا اور صلیبی نائٹوں سے مل کر وہ قلعے پر آخری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ قلعے کے اوپر بیٹھے مسلمان مرد اور عورتیں اس لشکر کی آمد پر کچھ مایوس نظر آ رہے تھے لیکن اس کے کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا عمیر اور ابو نواس اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے میں چھپتے ہوئے ایک لمبا کا واکات کر دریائے یرون کے کنارے زیتون کے اسی جنگل کی طرف جا رہے تھے جس کے اندر ہوازن چھپا ہوا تھا۔

عمیر اور ابو نواس جب زیتون کے اس گھنے جنگل میں داخل ہوئے تو ہوازن ایک طرف نکل کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور عمیر و ابو نواس سے بغلگیر ہو کر ملا۔

دونوں لشکر آپس میں ملے اور دو سال تک ایک دوسرے سے علیحدہ رہنے والے دوست ایک دوسرے سے اپنی داستانیں کہہ رہے تھے۔

عمیر ابو نواس اور ہوازن کو لے کر لشکر کے درمیان آ کر بیٹھ گیا اور پھر وہ آنے والی جنگ کے متعلق ان دونوں سے کہہ رہا تھا۔

ہوازن! تمہارے ساتھ اس وقت جو پانچ ہزار سپاہی ہیں وہ اب میرے ساتھ لڑیں گے باقی دس ہزار کا لشکر آدھا تمہارے پاس اور آدھا ابو نواس کے پاس ہوگا۔ آج رات عشاء کی نماز کے بعد دشمن کی پشت سے تم دونوں حملہ آور ہو گئے۔ میں اس حملے میں حصہ نہ لوں گا اور نزدیک ہی ایک کمین گاہ میں چھپا رہوں گا۔ جب تم دونوں دشمن پر حملہ آور ہو گے تو لازمی امر ہے دشمن قلعے کے صدر دروازے سے ہٹ جائیگا اور کھلے میدان میں تم دونوں سے جنگ کرے گا۔

اس کے بعد میرا کردار شروع ہوگا۔ میرے ساتھ پانچ ہزار سپاہیوں سے دو ہزار سپاہی دو ہزار بکریاں لے کر قلعے کے دروازے پر آئیں گے اور بکریوں کے سینگوں کے ساتھ انہوں نے مشعلیں باندھ رکھی ہوں گی۔ میرا اشارہ پا کر وہ مشعلوں کو آگ دکھا دیں گے اور بکریوں کو دشمن کے لشکر کی طرف ہانک کر تکبیریں بلند کرنا شروع کر دیں گے اس سے دشمن یہ اندازہ لگائے گا کہ قلعے کے اندر محفوظ فوج قلعے کا دروازہ کھول کر حملہ آور ہوئی ہے لہذا اپنے لشکر کا زیادہ حصہ ان سے مقابلہ کرنے پر لگائیں گے کیونکہ انہیں امید ہوگی کہ قلعہ اب خالی ہے اور اگر وہ قلعے سے نکلنے والی فوج کو شکست دیدیں تو قلعے میں داخل ہو جائیں گے۔

بکریوں کو ہانکنے والے سپاہی دوبارہ میرے پاس آ جائیں گے اور جب دشمن کے لشکر کا کچھ حصہ علیحدہ ہو کر بکریوں کی طرف بڑھے گا تو میں اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ کر دوں گا اور انہیں ختم کرنے کے بعد میں تمہارے ساتھ لڑنے والے لشکر کی پشت پر حملہ آور ہوں گے اور اس سے آگے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ دشمن کی حالت اس وقت کیا ہوگی۔

ابو نواس اور ہوازن مسکرا رہے تھے۔ ہوازن نے تشکر گزار نگاہوں سے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بڑی اچھی تجویز ہے۔

عمیر پھر بولا ——— کیا تم نے دو ہزار بکریوں اور مشعلوں کا بندوبست کر رکھا ہے؟

ہوازن نے ہاتھ سے اپنے بائیں جانب اشارہ کیا۔

بکریاں وہاں میں نے باندھ رکھی ہیں۔
عمیر کھڑا ہو گیا۔
تو پھر آؤ لشکر کی تقسیم کر کے آنے والی جنگ کی تیاری کریں ——— تینوں اٹھ کر اس طرف روانہ ہو گئے جہاں بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔

عشا کی نماز کے بعد جب کہ عیسائی لشکر آرام کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ابونواس اور ہوازن سر پر کفن باندھ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ عیسائیوں کا متحدہ لشکر قلعے کی طرف سے سمٹ کر پورے زور سے ان پر حملہ آور ہوا۔ ابونواس اور ہوازن نے دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ صلیبیوں کے پچیس ہزار کے لشکر کے پہلے زوردار حملے کو بڑی جرأت سے روکا تھا اور دفاع سے نکل کر وہ ان کی صفوں پر جارحانہ حملے شروع کر چکے تھے۔

عین اس وقت تاریکی میں ایک چٹان پر کھڑے عمیر نے جلتی ہوئی مشعل کا اشارہ دیا اور دو ہزار سپاہیوں نے دو ہزار بکریوں کے سینگوں سے بندھی ہوئی مشعلوں کو آگ دکھا کر انہیں دشمن کی طرف ہانک دیا اور زور زور سے تکبیریں بلند کرنے لگے جس سے بکریاں خوفزدہ ہو کر دشمن کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔

اس موقع پر عیسائی لشکر میں تھوڑی دیر کو کھلبلی مچ گئی تھی لیکن وہ فوراً سنبھل گئے اور انطاکیہ کے ریمانڈ کی سرکردگی میں آٹھ ہزار سپاہی بکریوں پر حملہ آور ہونے کیلئے بڑھ چکے تھے کیونکہ تاریکی میں وہ بکریاں نہ دیکھ سکتے تھے اور مشعل بردار لشکری جانتا تھا۔

جونہی انطاکیہ کا ریمانڈ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر قلعے کے دروازے کی طرف بڑھا عمیر اپنی کمین گاہ سے نکل کر بھیڑ کے عقاب کی طرح اس پر حملہ آور ہوا۔ تھوڑی دیر تک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ریمانڈ کا لشکر بکریوں کے اندر پھنس کر پریشانی کی حالت میں پراگندہ ہو گیا تھا۔ موت کے مسافران سب کو چن چن کر قتل کر رہے تھے اور دشمن انکے آگے لومڑیوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔

عمیر فی الفور پلٹا اور ابونواس اور ہوازن سے لڑنے والے لشکر کی پشت پر زوردار

حملہ کیا اور یہ حملہ اس وقت سناٹے کا تھا کہ عیسوں اور اس کے سپاہی یہ محسوس کر رہے تھے گویا وہ اولوں کے تیز طوفان میں پھنس گئے ہوں۔ سامنے سے ابونواس اور ہوازن انہیں چیر پھاڑ رہے تھے اور پشت سے عمیر کالی آندھیوں کے طوفان کی طرح ان کے پاؤں میدان سے اکھاڑتا جا رہا تھا۔

آرمینیہ کا عیسائی بادشاہ اور صلیبی نائٹ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے اور بائیں طرف سے پہلو بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رات کی تاریکی میں عمیر، ابونواس اور ہوازن انہیں کاٹتے ہوئے تعاقب کر رہے تھے بالکل اس انداز میں جس طرح خونخوار اور بپھرے ہوئے بھیڑیے بارہ سینگوں کے خوفزدہ اور بدحواس گلے کا تعاقب کرتے ہیں۔

صبح صادق تک دشمن کا تعاقب کرنے کے بعد عمیر اپنے قلعے میں واپس آ گیا۔ قلعے کے اندر مرد عورتیں ان بکریوں کے سینگوں سے مشعلیں کھول رہے تھے جو جنگ میں استعمال کی گئی تھیں۔ جب عمیر نے دشمن کا تعاقب شروع کیا تھا تو وہ اپنی بکریوں کو پکڑ کر اندر لے گئے تھے۔

قلعے میں داخل ہوتے ہی عمیر نے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود وہ ابونواس اور ہوازن کے ساتھ اپنے گھر داخل ہوا۔ جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا اندر مشعل کی تیز روشنی میں اریطہ بیٹھی تھی۔ شاید وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

اریطہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور بھاگ کر عمیر سے لپٹ گئی۔ دونوں میاں بیوی دو سال بعد آپس میں مل رہے تھے۔ اریطہ نے عمیر کی کشادہ چھاتی پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ عمیر اریطہ کو اپنے ساتھ لپٹائے آگے بڑھا اور گہری نیند سوئے ہوئے مغیث کو جھک کر پیار کرنے لگا تھا۔

عمیر جب سیدھا کھڑا ہوا اور اریطہ اس کی زرہ کے بند کھولنے لگی تو مکان کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ عمیر چونک کر باہر آیا۔ اس نے دیکھا ہوازن دروازہ کھول رہا تھا اور صحن میں ابونواس کھڑا تھا۔ عمیر اور اریطہ بھی صحن میں آ کر کھڑے ہو گئے۔

ہوازن نے جب دروازہ کھولا تو سامنے وہی جاسوس کھڑا تھا جس نے میافارقین کے باہر پہاڑی سلسلے کے اندر عمیر کو اسامہ کے قتل کی خبر دی تھی۔ ہوازن کو دیکھتے ہی اس

جاسوس نے کہا۔

یا امیر! میں سیدھا میافارقین سے آرہا ہوں۔ ہلاکو نے میافارقین کو فتح کر لیا ہے اور اب وہ بڑی تیزی سے شام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آقا اگر جاگ رہے ہوں تو انہیں اس صورت حال سے آگاہ کر دیں۔

ہوازن جب دروازہ بند کر کے واپس پلٹا تو اس نے دیکھا صحن میں عمیر ابونواس اور ان کے پیچھے اریطہ، کولان اور حمورا کھڑی تھیں۔ ان سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں شاید وہ اس بُری خبر کو سُن چکے تھے۔

قبل اس کے عمیر، ابونواس اور ہوازن میں سے کوئی بات کرتا قلعے کی مسجد سے فجر کی اذان بلند ہوئی۔ تینوں اپنے کمروں میں آرام کرنے کے بجائے فجر کی نماز ادا کرنے کیلئے باہر نکل گئے تھے۔

دو سال تک میافارقین کا محاصرہ کرنے کے بعد موت کے مسافروں کی غیر موجودگی میں ہلاکو نے میافارقین کو فتح کیا اور آگے بڑھا۔ موصل کے والی بدرالدین لولو نے ہلاکو کی خدمت میں نذرانے اور تحائف روانہ کئے۔ ہلاکو نے اسے حکومت پر بحال رکھا اور پھر اس نے اربل کا محاصرہ کیا۔ یہ وہی اربل تھا جس کے حاکم ابن صلایا نے عذار ابن علقمی کے ساتھ مل کر ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ ہلاکو نے اربل کو فتح کر لیا اور ابن صلایا کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہلاکو ایران کے شمالی حصے عراق خراسان، آذربائیجان اور جزیرہ کو برباد کرتا ہوا شمال کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مالِ غنیمت کے سینکڑوں کبت (چھکڑے) تھے اور یہ وہی دولت تھی جو اس نے قلعہ الموت اور بغداد سے حاصل کی تھی۔

سردیاں جب اپنے عروج پر آئیں ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ کوہ قفقار کے جنوبی دامن میں فروکش ہوا۔ ہلاکو نے یہاں ایک عمارت تعمیر کی جس کے اندر اس نے بغداد اور دوسرے مسلم شہروں سے لوٹی ہوئی دولت جمع کر دی جس پہاڑی سلسلے کے جنوبی دامن میں ہلاکو مقیم ہوا تھا اس کے شمالی دامن میں برفانی بڑی تیزی سے فوجیں جمع کر رہا تھا

۱۲۵۹ء کے موسم گرما میں ہلاکو جنوب کی طرف بڑھا پہلے اس نے مسلمانوں کے عظیم شہر حلب کو تاراج کیا اور شہر کی جامع مسجد کو اس نے آگ لگادی اس کے بعد وہ صلاح الدین ایوبی کے شہر دمشق آیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شاید یہاں ابدی نیند سوئے ہوئے صلاح الدین ایوبی کی روح بھی ہلاکو کے مظالم دیکھ کر چونک اٹھی ہوگی یہاں سے ہلاکو دریائے یردن کے کنارے کنارے جنوب کی طرف ریگتا رہا۔ خود اس نے لشکر کے عظیم حصے کے ساتھ یروشلم کا رخ کیا اور اپنے بہترین تاتاری سپہ سالار قط بوغا کو ۲۰ ہزار سواروں کے ساتھ عمیر کے مسکن کو تباہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ آرمینیہ کا حیشون اور انطاکیہ کا ریمانڈ بھی قط بوغا کے ساتھ تھے اور وہ اپنے آندھی کیطرح جھپٹنے والے سواروں کیساتھ دریائے یردن کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ موت کے مسافروں کے مسکن کیطرف بڑھ رہے تھے۔

عمیر موسمی بخار میں مبتلا تھا۔ اس کا جسم تیز بخار میں بھن رہا تھا اور وہ اپنے کمرے میں بستر پر بے سُدھ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف کولان اور حمورا غمگین بیٹھی تھیں۔ دوسری طرف ابونواس، ہوازن اور شیبان بیٹھے تھے۔ شیبان نے عمیر کا بازو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ شاید اس کے بخار کا جائزہ لے رہا تھا۔ اریطہ اور مغیث دونوں ماں بیٹا عمیر کے بستر پر بیٹھ کر اس کا جسم دبا رہے تھے۔ اریطہ کی آنکھوں میں عمیر کی حالت دیکھ کر بار بار آنسو چھلک آتے تھے جنہیں وہ منہ دوسری طرف کرکے پونچھ لیتی تھی۔

مکان کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی اور عمیر نے ہوازن کی طرف دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں کہا

دیکھو باہر کون ہے؟

ہوازن اٹھ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اس کا چہرہ کچھ پریشان تھا۔ عمیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کون تھا؟

ہوازن پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا — شمالی سرحدوں کا جاسوس تھا — تاتاری ہمارے مسکن پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ ہمارے مسکن سے ابھی پندرہ میل دور ہیں۔

کون کون ہیں؟

قط بوغا، آرمینیہ کا بادشاہ حیشون اور انطاکیہ کا ریمانڈ چہارم بیس ہزار بہترین جنگی مہارت رکھنے والے سواروں کے ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں۔

ہلاکو خود کہاں ہے؟

وہ یروشلم کی طرف بڑھ رہا ہے۔

عمیر بڑی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی غراتی ہوئی آواز میں اس نے ہوازن سے کہا۔

میرے گھوڑے پر زین ڈالو۔ میں خود انہیں اپنے مسکن کی حدود سے باہر روکوں گا

ہوازن پریشانی سے ابونواس کی طرف دیکھنے لگا اور ابونواس نے اپنی ذومعنی نگاہوں کا رُخ شیبان کی طرف موڑ دیا تھا۔ اریطہ بھی بڑی پریشان اور بیتاب ہو کر عمیر کا چہرہ جو بخار سے تپ کر سُرخ ہو گیا تھا خاموشی سے دیکھے جا رہی تھی۔

شیبان نے عمیر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔

میرے آقا! آپ کو تیز بخار ہے آپ جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے — عمیر نے اعتراض کیا۔

کیا تم مجھے جنگ سے باز رکھنا چاہتے ہو؟

مجھے آپ کی سلامتی عزیز ہے میرے آقا! آپ گھوڑے پر سواری کرنے کی حالت میں نہیں ہیں۔

عمیر نے کچھ سوچا پھر ابونواس سے کہا۔

ابونواس! مجھے قلعے کے شمالی برج کے اوپر پہنچا دو۔ میں وہاں بیٹھ کر جنگ کا منظر دیکھتا رہوں گا۔ ہوازن! تم اُٹھ کر لشکر کو کوچ کا حکم دو اور مسکن کی ساری آبادی کو قلعے میں بلا لو۔ میں چاہتا ہوں یہ جنگ اپنے مسکن کی حدود میں ہو اور میں بھی اسے دیکھ سکوں۔

ہوازن کے حکم پر قلعے کے برجوں پر زور زور سے ناقوس اور قرن بجنے لگے تھے جس کے جواب میں قلعے سے باہر مسکن کی آبادی اپنا سامان گھوڑوں، اونٹوں، خچروں اور گدھوں پر لاد کر قلعے کے اندر منتقل ہونے لگی۔

ابونواس اور شیبان عمیر کو سہارا دے کر قلعے کے شمالی برج پر لے گئے۔ اریطہ اور

مغیث بھی ان کے ساتھ تھے۔ برج کے اندر ایک بستر لگا دیا گیا اور تکیوں کے سہارے وہاں عمیر کو بٹھا دیا گیا تھا۔

عمیر نے قلعے کے دروازے کی طرف دیکھا لشکر ہوازن کے حکم پر حرکت میں آیا تھا اور قلعے سے باہر جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ عمیر نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

آہ! کتنا منحوس دن ہے۔ لشکر کوچ کر رہا ہے اور میں بخار کی حالت میں یہاں پڑا ہوں ——— پھر اس نے ابونواس کہا۔

ابونواس جاؤ۔ لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ آج میں تمہارے لئے دعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ابونواس اور شیبان نیچے اتر گئے۔ اریطہ عمیر کے پیچھے بیٹھ گئی اور عمیر کو اپنی گود میں سمیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ مغیث اداس اداس سا عمیر کے قریب ہو بیٹھا۔ عمیر نے اپنا ایک بازو مغیث کے بدن کے گرد لپیٹا اور بڑے پیار کے ساتھ اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا۔

مسکن کی حدود کے اندر قلعے سے ایک میل دور دریائے یردن کے کنارے ابونواس اور ہوازن نے قطہ بوغا کے لشکر کو روکا۔ آج پہلی بار عمیر اپنے لشکر میں نہ تھا اور ابونواس لشکر کے سپہ سالار کے فرائض سنبھال رہا تھا۔

سامنے کی طرف سے ابونواس حملہ آور ہوا تھا اور بائیں طرف سے ہوازن اپنے خونخوار دستوں کے ساتھ جھپٹا تھا۔ کافی دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی اور عمیر شمالی برج میں بیٹھا بڑی بے بسی اور مجبوری کی حالت میں جنگ کا نظارہ کر رہا تھا۔

ہوازن اپنے دستوں کے ساتھ تاتاریوں کے اندر گھستا ہوا اس جگہ جا پہنچا تھا جہاں قطہ بوغا، حیشون اور ریمانڈ لڑ رہے تھے ہوازن چیتے کی سی پھرتی سے آگے بڑھ کر ریمانڈ پر حملہ آور ہوا جس نے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک مسلمان شہید کر دیا تھا۔

قطہ بوغا اور حیشون بھی ہوازن کو ریمانڈ پر حملہ آور ہوتے دیکھ چکے تھے لہٰذا وہ دونوں اپنے محافظ دستوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ ہوازن کے دستوں نے انہیں روکا اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ ریمانڈ نے اپنے دفاع کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ ہوازن کے خطرناک حملوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور ہوازن نے ریمانڈ کی گردن اڑا دی تھی۔

ہوازن جونہی مڑنے لگا۔ کئی تاتاری اور صلیبی سپاہی اس پر حملہ آور ہوئے۔ ہوازن شیر کی طرح غراتا ہوا ان سپاہیوں کو لومڑیاں جان کر ان کا مقابلہ کر رہا تھا وہ جس طرف بھی رُخ کرتا تھا سر کاٹتا چلا جاتا تھا۔ ایک موقع پر جبکہ وہ ایک ساتھ تین سپاہیوں کی تلواروں کا دفاع کر رہا تھا اور اس کی تلوار برسنے کے لئے فضا میں بلند تھی۔ اس کی پشت سے چوروں کی طرح قطہ بوغا نے حملہ کیا اور ہوازن پر پے در پے تلوار کے وار کئے۔

ہوازن لڑکھڑانے لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی سامنے سے حملہ کرنے والے تاتاری سپاہیوں کی تلواریں بھی ہوازن پر برسنے لگیں۔ ہوازن لہو میں نہا کر اپنے گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا۔ قطہ بوغا ہوازن کی لاش پر قبضہ کرنے کے لئے گھوڑے سے اترنا چاہتا تھا کہ موت کے سوداگر جو قریب و جوار میں لڑ رہے تھے اور جنہوں نے ہوازن کو قتل ہوتے دیکھ لیا تھا، بپھر گئے، لگاتار انہوں نے تکبیریں بلند کیں اور اپنے حملہ میں تیزی پیدا کر لی۔

ان تکبیروں کے جواب میں دور سے لڑتا ہوا ابونواس بھی دھاڑا تھا اور پوری قوت سے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ تاتاریوں کے قدم اکھڑے اور دریائے یردن کے ساتھ ساتھ بھاگ نکلے۔ ابونواس مارتا پیٹتا ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

واپس لوٹ کر ابونواس جب لشکر کے ساتھ قلعے میں داخل ہو رہا تھا تو شمالی برج میں بیٹھے ہوئے عمیر نے اریطہ کو مخاطب کر کے کہا۔

اریطہ! میرا لشکر کبھی اس طرح نہ لوٹا تھا۔ میرے سپاہیوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور وہ مغموم ہیں جیسے اپنا بہت کچھ کھو چکے ہیں حالانکہ وہ تاتاری لشکر کو شکست دے کر لوٹ رہے ہیں۔ ابونواس میرے پہلو بہ پہلو چھاتی تان کر قلعے میں داخل ہوا کرتا تھا۔ آج دیکھو اس کی کمر دوہری ہے اور اس کا سر زمین کے ہنے کی طرف جھکا ہوا ہے۔ ضرور کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آیا ہے اور ——— اور وہ ہوازن کہاں ہے وہ ابونواس کے ساتھ کیوں نہیں ہے۔

عمیر نے چند ثانیے لشکر کو غور سے دیکھا جو قلعے میں داخل ہو چکا تھا پھر وہ کراہ اٹھا ——— آہ! ہوازن اپنے گھوڑے پر کس حالت میں ہے، کیا وہ زخمی ہو گیا ہے یا ——— نہیں نہیں ——— عمیر خاموش ہو گیا اور اس گھوڑے کی طرف دیکھنے

لگا جس کی باگ ابونواس نے پکڑ رکھی تھی اور جس پر ہوازن کی لاش تھی۔
مکان کے سامنے کچھ سپاہیوں نے ہوازن کی لاش اتار کر چارپائی پر ڈال دی تھی
عمیر نے یہ بھی دیکھا کہ مکان کے اندر سے کولان اور حمورا بھاگتی ہوئی نکلی تھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھیں۔
عمیر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور چلا اٹھا۔
نہیں ——— نہیں۔ یہ ہوازن کی لاش نہیں ہو سکتی ——— یہ کولان اور حمورا کے رونے کی آوازیں نہیں ہیں۔
اریطہ کی گود سے نکل کر عمیر برج سے نیچے بھاگ کھڑا ہوا۔ اریطہ بیتاب ہو کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگی۔ بخار میں جھلتے ہوئے لاغر عمیر نے پتھروں سے ٹھوکر کھائی اور بڑی بے کسی کی حالت میں وہ زمین پر گرا اور سخت پتھروں پر لڑھکتا ہوا نشیب میں اترتا چلا گیا۔ اریطہ ہرن کی طرح پتھر پھلانگتی ہوئی عمیر کی طرف بھاگ رہی تھی اور برج کے باہر کھڑا مغیث روتے ہوئے عمیر کو پکار رہا تھا
ابی ——— ابی! ——— ابی ——— ابی!
ابونواس اور شیبان نے بھی عمیر کو پتھروں پر لڑھکتے ہوئے دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ ہراساں ہو کر عمیر کی طرف بھاگے۔ عمیر اپنے مکان کے قریب ہی چٹانوں سے زمین پر گرا کیا اس کے جسم پر کئی زخم آئے تھے جن سے اس کا لباس خود آلود ہو گیا تاہم وہ اپنے پورے حواس میں تھا وہ ابھی اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ابونواس اور شیبان وہاں پہنچے اور انہوں نے عمیر کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اتنی دیر تک اریطہ بھی وہاں پہنچ چکی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہاتی ہوئی عمیر کی پیٹھ سے لگ کر سسکیوں اور ہچکیوں میں رونے لگی تھی۔ ننھا مغیث بھی بھاگتا ہوا برج سے نیچے اتر رہا تھا۔
عمیر کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ اریطہ روتے روتے جب اپنی عبا سے اسکی پیشانی پونچھنے لگی تو عمیر نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے ابونواس سے کہا۔
مکان کے سامنے گھوڑے کے اوپر جو لاش اتاری گئی ہے۔ کیا وہ ہوازن کی لاش ہے ——— ابونواس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور پلکیں بھیگ چکی تھیں۔ عمیر نے ابونواس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے غصے میں جھنجھوڑتے ہوئے پھر پوچھا

بولتے کیوں نہیں؟
آنسوؤں میں ڈوبی اور مغموم آواز میں ابونواس بولا
ہوازن ہم سے بچھڑ چکا ہے میرے آقا!
عمیر پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے ابونواس کا پکڑا ہوا گریبان چھوڑ دیا اور ہوازن کی لاش کی طرف بڑھا۔ ابونواس اور شیبان نے اسے سہارا دے رکھا تھا اور ان کے پیچھے اریطہ ننھے مغیث کا ہاتھ تھامے روتی ہوئی چل رہی تھی۔
عمیر ہوازن کی لاش کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹکٹکی باندھے ہوازن کی لاش کو گھورتا رہا۔ اس موقع پر پہاڑوں سے ٹکرانے اور طوفانوں کا رخ موڑ دینے والے عمیر کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے لرز رہے تھے۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ ہوازن کی لاش پر پھیرتے ہوئے کہا۔
آہ! ہوازن! تم وقت سے پہلے ہم سے روٹھ گئے۔ کیا ہم دونوں ایک ہی چنے والے اور ایک ہی ترکش کے تیر نہ تھے۔ تم نے ہم سے کیوں منہ موڑ لیا ہے؟ عمیر کی باتیں سن کر وہاں کھڑی عورتیں اور سپاہی اونچی آوازیں میں رونے لگے تھے۔
عمیر نے آنسو بھری آنکھوں سے ابونواس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
ابونواس! کیا تم جانتے ہو کس نے ہوازن کو قتل کیا ہے؟
ابونواس عمیر کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گیا۔
میں جانتا ہوں میرے آقا۔
کون ہے وہ بدبخت؟
تاتاری افواج کا سالارِ اعظم قطبوغا۔ میرے آقا اس نے چوری اور چھپ کر ہوازن کی پشت سے اس پر حملہ کیا تھا جبکہ ہوازن انطاکیہ کے ریمانڈ کا سرکاٹ کر اسکے حمایتی دستے کے سپاہیوں سے دفاعی جنگ میں مصروف تھا۔ عمیر نے ہوازن کی چھاتی پر اس کے خون میں اپنی شہادت کی انگلی ڈبوئی۔ اس پر عجیب سی وحشت طاری ہو رہی تھی۔ اپنی خون میں ڈبوئی ہوئی انگلی کو وہ اپنے چہرے کے سامنے لایا اور حلق بھر کر اپنی غراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔
قسم مجھے اس خون کی ہوازن! میں قطبوغا سے تمہارا انتقام ضرور لوں گا۔ اس نے

چوروں کی طرح تم پر حملہ کیا تھا میں اس کے سامنے اسد کی طرح حملہ آور ہوں گا اور للکار کر کہوں گا۔ اگر تو میرے حملے سے بچ نکلنے کی ہمت رکھتا ہے تو کوشش کر کے دیکھ لے۔

عمیر وہاں سے اٹھا اور جنگ میں شہید ہونے والے دوسرے سپاہیوں کو دیکھنے لگا۔ ابونواس اور شیبان اسی طرح اسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ اریطہ اور مغیث ان کے پیچھے تھے۔ ساری لاشوں کو دیکھنے کے بعد عمیر زخمی سپاہیوں میں آیا جن کی مرہم پٹی لشکر کے طبی دستے بڑی سرعت سے کر رہے تھے۔

عمیر وہاں سے لوٹا اور شہیدوں کی تکفین کا بندوبست ہونے لگا۔ ہوازن کی لاش کو اس کے کمرے کے سامنے گلستر کے ایک اونچے اور تناور درخت کے نیچے دفن کیا گیا تھا جو اپریل کے مہینے میں سُرخ پھولوں سے لد جایا کرتا تھا۔

قاہرہ کے شاہی محل میں مصر کا نیا حکمران قتز اس کا سپہ سالار اور عالم اسلام کا جلیل عظیم رکن الدین بیبرس آپس میں باتیں کر رہے تھے موضوع ہلاکو کا مصر پر متوقع حملہ تھا۔ قتز نے بڑے خوش کن لہجے میں کہا۔

رکن الدین! مجھے تمہارے جنگی ممارست پر بھروسہ ہے اگر تم تاتاریوں کو جو اس وقت ارضِ فلسطین کی ندیوں اور نہروں کے کنارے اپنے گھوڑے دوڑاتے پھر رہے ہیں شکست دیدو تو میں حلب اور اس کے گرد و نواح کا شامی علاقہ تمہاری تحویل میں دے دوں گا اور تمہاری حیثیت ایک خود مختار حکمران کی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرو اور تاتاریوں کو صحرائے سینا کے اس پار عزی کی پٹی کے شمال میں ہی روک دو۔ اگر تم کامیاب رہے تو سمجھو شام کے حکمران تم ہو۔

رکن الدین نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور تیز نگاہوں سے قتز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے تمہارا یہ معاہدہ قبول ہے لیکن اس کے ساتھ میری ایک شرط ہوگی ——

کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے قتز نے پوچھا —— کوئی ایسی شرط نہ ہو جو میرے

اور تمہارے برادرانہ تعلقات کے بیچ بے تعلقی کی گہری اور ناقابلِ عبور جھیل ثابت ہو۔

رکن الدین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں

تو پھر کہو؟

اس جنگ میں موت کے مسافر میرے ہمراہ ہوں گے۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

تو پھر ——— رکن الدین کہتے کہتے رک گیا کیونکہ حاجب اندر داخل ہوا تھا اور اس نے تعظیماً جھکتے ہوئے قفتز کو مخاطب کر کے کہا۔

ہلاکو کے سفیر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کے نام ہلاکو کا کوئی پیغام لائے ہیں

قفتز کے چہرے پر پیلاہٹ بکھر گئی اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا تاہم رکن الدین جس میں کوئی تغیر رونما نہ ہوا تھا اپنی رعد کی طرح کڑکتی آواز میں بولا۔

انہیں اندر بھیج دو۔

چھ تاتاری اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے منحوست آلود اور جسم تیر کی طرح اکڑے ہوئے تھے۔ رکن الدین نے بڑے سخت لہجے میں ان سے تاتاریوں کی زبان میں پوچھا۔

تم قاہرہ میں کس لئے داخل ہوئے ہو؟

ان میں سے ایک چند قدم آگے بڑھ کر بولا۔

ہم تمہارے لئے اپنے ایل خاں کا پیغام لائے ہیں۔ اس نے جیب سے ایک خط نکال کر رکن الدین کو تھما دیا۔ رکن الدین نے کاغذ کی تہیں کھولیں اور ہلاکو کا خط زور سے پڑھنے لگا تاکہ قفتز بھی سُن سکے۔

ہلاکو کی طرف سے مصر کے حکمران کے نام ——— یہ اس کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے۔ اپنے قلعوں کی فصیلیں منہدم کر کے میری اطاعت قبول کر لو۔ اگر میرا حکم مانو گے تو تمہیں امن و چین سے رہنے کا حق دیا جائے گا۔ اگر تم نے میرے حکم سے روگردانی کی تو پھر جو پیش آنا ہے ضرور آئے گا اور ہم کیا جانیں کیا پیش آنے والا ہے اس کا علم صرف جادوانی آسمان کو ہے"۔

یہ وہ دور تھا جب قاہرہ کی گلیاں تاتاریوں کے ستائے ہوئے پناہ گزینوں سے

بھری ہوئی تھیں اور انہوں نے قاہرہ میں آکر تاتاریوں کے مظالم کی جو داستانیں سنائی تھیں ان کے باعث قاہرہ میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا اور لوگ تاتاریوں کا نام سنتے ہی کانپنے لگتے تھے۔ رکن الدین چاہتا تھا کہ عوام کے دلوں سے تاتاریوں کا خوف زائل کیا جائے تاکہ مصری فوجیں میدان جنگ میں جم کر تاتاریوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس مقصد کے تحت رکن الدین نے ہلاکو کے سفیروں کو قتل کر دیا اور ان کی لاشیں شہر کے چاروں طرف لٹکا دیں تاکہ مصری عوام کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ تاتاری بھی ہماری طرح انسان ہیں اور ان سے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس طرح رکن الدین نے ہلاکو سے مقابلہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

۱۲۶۰ء کا اوائل تھا ہلاکو مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ جھیل بیکال اور دریائے کیرولان کی سرزمین اور تاتاریوں کے آبائی دشت سے ایک قاصد آیا اور اس نے ہلاکو کو خبر دی کہ اس کا بھائی منگو مر چکا ہے اور اسے دشت میں قوولتائی میں حصہ لینے کے لئے طلب کیا گیا ہے تاکہ نئے خاقان کا انتخاب ہو سکے۔

ہلاکو کشمکش و پنج میں پڑ گیا لیکن اس کی افواج کے سالارِ اعظم قط بوغا نے مشورہ دیا کہ ہلاکو اب اپنے بھائی منگو کی صورت تو نہیں دیکھ سکتا اور پھر مصر کو فتح کرنے کا مقدس فریضہ چھوڑ کر قوولتائی میں شامل ہونا کوئی اچھا فعل نہیں جبکہ منگو نے خود حکم دیا تھا کہ مصر کو فتح کریں۔ اب ہم مصر کی سرحد پر بیٹھے ہیں اسے فتح کر کے بے شک دشت واپس چلے جائیں۔ اگر آپ یہاں سے واپس چلے گئے تو برقائی خان جو اس وقت بڑی تیزی سے ہمارے خلاف فوجیں جمع کر رہا ہے ہمارے فتح کئے ہوئے علاقوں پر قابض ہو جائے گا۔

ہلاکو کی عیسائی بیوہ دوقوزہ نے کہا۔

آپ یہیں جمے رہیئے۔ واپس دشت جانے کی ضرورت نہیں

آرمینیہ کے بادشاہ حیثون، شام کے اسقف ہیرپس اور دوسرے عیسائی سردار جانتے تھے کہ ہلاکو کے واپس چلے جانے سے موت کے مسافر اور مصر پر حکمران نیل کے شہید غلام انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ انہوں نے ہر محاذ پر ہلاکو کا حلیف بن کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی لہٰذا انہوں نے زور دے کر کہا کہ ہلاکو کے اپنے آبائی دشت کی

طرف جانے سے مصر کی فتح نہ صرف التوا میں پڑ جائے گی بلکہ مسلمانوں کو تیاری کا موقع مل جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتح کئے ہوئے علاقوں پر برقائی قبضہ کرے۔

ہلاکو سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ سب کی سنتا رہا! لیکن عمل اس نے اسی پر کیا جو اس کے ذہن نے فیصلہ کیا۔ اپنے بھائی کے بعد قوولتائی میں شرکت نہ کرنا آبائی دشت کے قانون اور چنگیز خاں کی یاسا سے بغاوت تھی لہذا ہلاکو نے واپس دشت جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اپنے گھوڑوں کے گلوں، دولت سے بھرے ہوئے چھکڑوں اور عظیم الشان خیمہ خرگاہ کے ساتھ ہلاکو نے شمال کی طرف کوچ کیا اور اپنے پیچھے فتح کئے ہوئے علاقوں کی وسیع اور دور افتادہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے قط بوغا کو فلسطین میں چھوڑ گیا۔ ایک جرار لشکر قط بوغا کے پاس رہنے دیا جس میں تاتاری، آرمینی اور گرجستانی عیسائی شامل تھے۔ خود ہلاکو دریائے یرون کے کنارے کنارے شمال کی طرف دور تک بڑھتا چلا گیا تھا حتیٰ کہ وہ کوہ قفقاز کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا تبریز کے بلند علاقے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

عمیر اب پوری طرح صحت مند ہو چکا تھا۔ ایک روز جب وہ قلعے کی مسجد سے ابونواس اور شیبان کے ساتھ نماز پڑھ کر نکلا تو ایک بربری سپاہی جو عمیر کے پیچھے پیچھے مسجد سے باہر آ رہا تھا تیزی سے آگے بڑھا اور عمیر سے قریب ہوتا ہوا بولا۔

میرے آقا! قاہرہ سے رکن الدین بیبرس کا ایک قاصد آیا ہے میں نے اسے مہمان خانے میں بٹھایا ہے وہ کسی بے حد اہم کام کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بہت کریدا پر وہ کہتا ہے میں مسکن کے سالارِ اعلیٰ کے علاوہ کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔

عمیر نے اس سپاہی سے کہا

آؤ میرے ساتھ میں اس سے بات کرتا ہوں۔

عمیر، ابونواس اور شیبان کے ساتھ جب مہمان خانے میں داخل ہوا تو اندر عرب کے ایک قبیلے بنو کنانہ کا سپاہی بیٹھا تھا۔ عمیر کو دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ پہلے بڑے تعظیمی انداز میں عمیر اور بعد میں ویسے ہی ابونواس اور شیبان سے مصافحہ کیا اور عمیر کو مخاطب کر کے کہا۔

میں رکن الدین بیبرس کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

عمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا

تم نے مجھے پہچانا میں کون ہوں؟

بنو کنانہ کے اس بدو نے بڑے فخر سے کہا۔

مصری فوج کا ہر سپاہی عمیر بن خزام، ابونواس، ہوازن اور شیبان کو جانتا ہے اور میں تو آپ کے لشکر میں شامل ہو کر اس وقت فرانسیسی فوج سے لڑتا رہا تھا جب آپ نے دمیاط پر قبضہ کر کے دشمن کی رسد اور کمک کے راستے کاٹ دیئے تھے

عمیر نے دکھ سے کہا۔

ہوازن اب ہم میں نہیں۔ ایک معرکے میں تاتاریوں کے سالار اعظم قط بوغا نے دوسروں کی طرح اس پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا تھا

اس بدو کی گردن جھک گئی اور کپکپاتی آواز میں اس نے کہا۔

مجھے ہوازن کے مرنے کا دکھ ہے۔ وہ ایک بے بدل، جفاکش اور جنگ میں دشمن پر جا جانے والا جرنیل تھا ـــــ چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد عمیر نے پوچھا۔

رکن الدین بیبرس نے تمہیں کس لئے میرے پاس بھیجا ہے۔

بدو نے اپنی جھکی ہوئی گردن اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

رکن الدین اور مصر کا حکمران قفتز اس وقت مصری افواج کے ساتھ عزی کے میدان میں فروکش ہیں۔ وہ تاتاریوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے ہیں اسی لئے انہوں نے آپ سے اپنے لشکر سمیت وہاں آنے کی التماس کی ہے تاکہ متحدہ لشکر کو منظم کر کے تاتاریوں پر حملہ کیا جائے۔

عمیر نے پیش بندی کے طور پر پوچھا۔

ہمارے مصری افواج کے شانہ بشانہ لڑنے پر قفتز کوئی اعتراض تو نہ کرے گا۔

آپ رکن الدین کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ ایسے معاملے پہلے ہی طے کر چکا ہے قفتز نے اسے کہا تھا کہ اگر تم تاتاریوں کو شکست دے دو تو میں تمہیں حلب اور اس کے گرد و نواح کے شامی علاقے کا ایک خود مختار حکمران بنا دوں گا اور رکن الدین نے اس کی پیشکش اس شرط کے ساتھ منظور کر لی ہے کہ اس جنگ میں موت کے مسافر میرے ساتھ ہوں گے اور قفتز نے کہہ دیا تھا کہ اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

عمیر نے شیبان سے مخاطب ہو کر کہا

شیبان لشکر کے کوچ کا بندوبست کرو۔ دس ہزار سوار ہمارے ساتھ جائیں گے قلعے کی حفاظت کے لیے یہاں پانچ ہزار سپاہی رہیں گے اور وہ بڑی کماندار جس کا نام نوفل ہے اور جو ہشام کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا ہے اسے ان پانچ ہزار سپاہیوں کا کماندار بنا کر قلعے کی حفاظت کے فرائض سونپ دو۔ میں اور ابونواس تیار ہو کر ابھی آتے ہیں ـــــ ساتھ ہی عمیر نے اس بدو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس کے طعام کا بندوبست بھی کریں۔

اس بدو نے مسکرا کر کہا

یا امیر! آپ کے مسکن کے لوگ بے حد مہمان نواز ہیں یہاں آتے ہی وہ مجھے کھانا کھلا چکے ہیں۔

عمیر، ابونواس کے ساتھ اپنے گھر آیا۔ جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اریطہ زیتون کے چوبھے چراغ کی روشنی میں عمیر کے لئے نئے کپڑے سی رہی تھی اور مغیث اس کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا۔

عمیر کو دیکھتے ہی اریطہ نے سوئی کپڑے کے اندر ٹانک دی اور کپڑا ایک طرف دیوار کے ساتھ چٹائی پر پھینکتے ہوئے وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

اتنی دیر کر دی آپ نے نماز تو کب کی ہو چکی ہے۔

عمیر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

قاہرہ سے رکن الدین بیبرس کا ایک قاصد آیا ہے۔ انہوں نے مجھے لشکر کے ساتھ غرناطہ بلایا ہے۔ وہ تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں تھوڑی دیر تک یہاں سے لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا ہوں۔

اریطہ نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ بس ایک حسرت سے اپنے شوہر کو وہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

اتنے میں مغیث بھاگ کر آگے بڑھا اور عمیر کی ٹانگوں سے لپٹتے ہوئے پوچھا۔

ابی! کھانا نہیں کھائیں گے؟

عمیر نے جھک کر مغیث کے بال چومتے ہوئے کہا ـــ آؤ بیٹے کھانا کھاتے ہیں ـــ

اریطہ اپنی جگہ سے ہلی۔ کونے میں لپیٹ کر رکھی ہوئی چٹائی اس نے کھول کر فرش پر بچھائی جلدی

ہی اس پر کھانے کے برتن جمائے اور تینوں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

اریطہ شاید اندر ہی اندر رو رہی تھی۔ ظاہری طور پر اس نے اپنا بھرم جما رکھا تھا اور خوشی سے کام کر رہی تھی اسی لئے کھانے کے بعد اس نے برتن سمیٹے اور کچھ کہے بغیر عمیر کی اور خود اتار لائی۔ اریطہ جب عمیر کو زرہ پہنا رہی تھی مغیث نے عمیر کی ٹانگوں سے لپٹتے ہوئے کہا۔

کہاں جا رہے ہیں ابی؟

عمیر نے مغیث کے سر پہ ہاتھ پھیرا

میں جنگ پر جا رہا ہوں بیٹے

مغیث نے زور زور سے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے مچل کر کہا۔

میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا ابی!

عمیر نے اپنے سر کے برابر اپنا ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔

جب تم اتنے لمبے ہو جاؤ گے تو میں تمہیں جنگوں میں لے جایا کروں گا

مغیث نے اریطہ کی عبا پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا

امی! میں کب ابی جتنا لمبا ہو جاؤں گا؟

اریطہ نے جھک کر مغیث کو پیار کیا ـــــ تم بہت جلد اتنے لمبے ہو جاؤ گے بیٹے!

مغیث خوش ہو گیا ـــ پھر میں ابی بن جاؤں گا۔

ہاں بیٹے!

پھر ـــ پھر جنگوں میں بھیجنے کے لئے آپ مجھے بھی اسی طرح تیار کیا کریں گی

جس طرح آپ میرے ابی کو تیار کرتی ہیں؟

اریطہ افسردہ ہو گئی ـــ ہاں بیٹے! میں اسی طرح تمہیں بھی تیار کیا کروں گی۔

مغیث پھر عمیر سے مخاطب ہوا۔

آپ کس سے جنگ کرنے جاتے ہیں ابی؟

دشمنوں سے بیٹے!

یہ دشمن کیا ہوتے ہیں ابی؟

یہ ہم سے ہماری مقدس سرزمین چھینتے ہیں بیٹے!
اور آپ انہیں بھگا دیتے ہیں؟
ہاں بیٹے!
ننھا مغیث تالی بجانے لگا ـــــ آپ بہت اچھا کرتے ہیں ابی!
عمیر زرہ اور خود پہن کر باہر آیا۔ اریطہ اور مغیث اس کے پیچھے پیچھے تھے اس نے دیکھا ابونواس نے دونوں گھوڑوں پر زین ڈالی ـــــ کولان اور حمورا کے ساتھ صحن میں کھڑا تھا۔ کولان نے اپنی بچی اٹھا رکھی تھی۔
عمیر اور ابونواس جب اپنے اپنے گھوڑے کی عنانیں تھام کر باہر نکلنے لگے تو حمورا دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ شاید اس خیال سے کہ عمیر اور ابونواس جنگ کے لئے رخصت ہو رہے تھے اور آج پہلی بار ان کے ساتھ ہوازن نہ تھا۔ وہی ہوازن جو دشمن پر شاہین کی طرح جھپٹا کرتا تھا اور جو مکان سے باہر سرخ پھولوں سے لدے گلمنز کے درختوں تلے گہری اور ابدی نیند سو رہا تھا۔
عمیر پھر گیا تھا اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر وہ حمورا کے پاس آیا اور گھٹی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔
حمورا! حمورا! میری بہن!
حمورا کا سر اسی طرح جھکا رہا اور وہ اونچی آواز میں روتی رہی۔ اریطہ، کولان اور مغیث بھی رونے لگے تھے اور ابونواس اپنی آنکھیں پونچھ رہا تھا۔ عمیر نے پھر اسے پکارا۔
حمورا! حمورا! میری طرف دیکھو۔ تمہارا بھائی تم سے مخاطب ہے میری بہن
حمورا بھاگ کر آگے بڑھی اور اخی! اخی! پکارتی ہوئی عمیر سے لپٹ گئی اور کھل کر رونے لگی۔ عمیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
میری بہن! میں جانتا ہوں تمہیں ہوازن کا کتنا غم ہے۔ یہ قانون قدرت ہے جس سے فرار نہیں۔ تم دو تنومند بھائیوں کی بہن ہو اور تمہارے بھائی تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں اس جنگ میں قطبونا سے میں ہوازن کا انتقام ضرور لوں گا۔ اب تم ہم دونوں کو مسکرا کر رخصت کرو۔ اگر تم روتی رہی تو جنگ کے دوران بھی میرا ذہن تمہاری طرف رہے گا اور میں اپنا فرض احسن طور پر انجام نہ دے سکوں گا ـــــ حمورا نے ذرا

آنسو پونچھ لئے اور عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ زبردستی مسکرانے لگی تھی۔
عمیر اور ابونواس گھر سے نکل کر باہر آئے۔ عمیر ہوازن کی قبر کے پاس رکا۔ مٹھی بھر مٹی اس کی قبر سے اٹھائی اور اسے اپنی خرجین میں ڈالتے ہوئے رقت سے اس نے کہا۔
ہوازن! میرے بھائی! میں تم سے قطبونا کو قتل کرنے کا عہد کر کے رخصت ہو رہا ہوں۔ دونوں پھر آگے بڑھے۔ جب وہ قلعے کے پاس آئے تو وہاں ابونواس کیطرح دیوقامت نوفل کھڑا تھا وہ آگے بڑھا اور عمیر کے گھوڑے کی باگیں پکڑتے ہوئے کہا۔
میرے آقا! مجھے پہلی بار آپ نے قلعے کا محافظ مقرر کیا ہے مجھے کوئی نصیحت کیجئے
عمیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ـــــ یہ مسکن تمہارے پاس ایک امانت ہے اور امانت کی حفاظت کرتے ہوئے اگر جان بھی جاتی ہے تو اس سودے پر تاسف نہ کرنا چاہیئے۔
نوفل نے چھاتی تانتے ہوئے کہا ـــــ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔
عمیر اور ابونواس باہر آئے۔ لشکر تیار کھڑا تھا اور سب سے آگے شیبان اپنے گھوڑے پر سوار ان کا انتظار کر رہا تھا۔ عمیر اور ابونواس کے وہاں پہنچتے ہی لشکر حرکت میں آکر کوچ کر رہا تھا۔

عزٰی کی چراگاہوں میں دور دور تک پھیلے ہوئے مصری افواج کے لشکر میں پُرجوش تکبیریں بلند ہونے لگی تھیں کیونکہ عمیر اپنے لشکر کے ساتھ مصری فوج کے خیموں میں داخل ہو رہا تھا۔

رکن الدین بیبرس اور قفتز دونوں نے آگے بڑھ کر عمیر کا استقبال کیا۔ عمیر کے لئے قفتز کے رویے میں کافی تبدیلی تھی۔ شاید حالات نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رکن الدین اور قفتز نے عمیر اور ابونواس کو ساتھ لے کر وہ خیمے دکھائے جو ان کے لشکر کے لئے ایستادہ کئے گئے تھے۔ عمیر اور ابونواس اپنے لشکر کے ساتھ ان خیموں کی طرف گئے اور اپنے سپاہیوں میں خیموں کی تقسیم کرنے لگے۔

ایک رات لشکر نے وہاں آرام کیا اور دوسرے روز صبح سویرے ہی شمال کی طرف بڑھنے لگا۔ صلیبیوں کے سب سے مضبوط قلعے عکہ کی فصیلوں کے نیچے آ کر اسلامی لشکر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے انہوں نے عکہ کے عیسائیوں سے خورد و نوش کا سامان خرید اور اپنی رسد کو خوب مضبوط کر لیا۔ اب ان سے تھوڑی ہی دور گلیلی کے میدان میں تاتاری سپہ سالار اپنے لشکر کیساتھ ایک جگہ عین الجلوت میں غولیات نام کے کنوئیں کے گرد پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

عکہ کی فصیلوں کے سائے میں ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں عمیر، ابونواس رکن الدین بیبرس، قفتز اور کچھ مصری فوج کے جرنیلوں نے حصہ لیا اس جنگی کونسل میں متفقہ طور پر طے پایا کہ عمیر کی حیثیت اپنے لشکر کے ساتھ انفرادی ہوگی اور وہ جنگ کے دوران کسی کے تحت ہو کر نہ لڑیگا بلکہ آزادی سے جس طرح چاہے فیصلہ کرے ابونواس کو بیبرس نے عمیر کے لشکر سے نکال کر اپنے لشکر میں میمنہ کا سالار بنا دیا تھا اس کے لشکر میں وہی جانباز ترک تھے جو تاتاریوں کے آگے آگے بھاگتے ہوئے مصر میں آباد ہونے کے لئے آئے اور بعد میں انہوں نے بیبرس اور عمیر کے ساتھ مل کر یروشلم فتح کیا تھا وہ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے اور تاتاریوں کے طریقہ جنگ سے واقف تھے۔

مصری فوج جو زیادہ تر ان ترک غلاموں پر جنہیں نیل کے سفید غلام کہتے تھے عرب سے بدوؤں اور جانباز صحرا نشینوں پر مشتمل تھی دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک حصے کو قلب اور دوسرے کو میسرہ کی صورت دی گئی قلب رکن الدین بیبرس کے پاس اور قفتز کو میسرہ دیا گیا تھا۔

گرمی کا موسم اپنے پورے عروج پر تھا۔ لہٰذا دوسرے روز صبح سویرے ہی اسلامی لشکر نے کوچ کیا اور گلیلی کے میدان میں اس طرف آگے بڑھا جہاں قطبوغا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ عمیر تھوڑی دیر تک لشکر کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا پھر وہ اپنے دس ہزار موت کے مسافروں کے ساتھ کوہستانی سلسلے میں راستہ بدل کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سارا علاقہ اس کا خوب دیکھا ہوا تھا کسی کو کچھ خبر نہ ہوئی کہ وہ کہاں اور کدھر چلا گیا ہے۔

غولیات کے کنوئیں کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔ تاتاری سمٹ کر بھوکے درندوں کی طرح زیادہ مقدار میں مسلمانوں کے قلب پر حملہ آور ہوئے اور کچھ میمنہ اور میسرہ سے الجھ گئے تھے۔

بیبرس اپنے قلب کے ساتھ تاتاریوں کے سامنے پسپا ہونے لگا اور یہ اس کی ایک بہترین جنگی چال تھی وہ تاتاریوں کے جنگی طریقے ان کے خلاف ہی استعمال کر رہا تھا۔ جب تاتاری بیبرس کے قلب کا تعاقب کرتے ہوئے کافی آگے نکل گئے اور مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ ان کے دائیں بائیں رہ گئے۔ اس موقع پر تاتاریوں نے مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ پر بھی زور ڈال کر انہیں بھی پسپا ہونے پر مجبور کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے

ابونواس کی سرکردگی میں وہ ویرانہ تورد ترک جنہوں نے یروشلم فتح کیا تھا۔ اس بے جگری سے لڑے تھے گویا زندگی میں پھر ایسا مقدس فریضہ ادا کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ ان میں ہر مرنے والا اپنے ساتھ چند تاتاریوں کو لے کر مرتا تھا۔

جنگ کی بھٹی جب اپنے بلوغ اور شباب پر تھی میدان جنگ اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھا۔ عمیر قریبی پہاڑوں کی کمین گاہوں سے نکل کر حملہ آور ہوا تھا۔ بالکل اس شیر کی طرح جو کافی دیر تک اپنی مادہ کو دشمن سے جنگ کرتے دیکھتا رہا ہو اور تصفیہ کن فیصلہ کرنے کے لیے میدان میں کود پڑا ہو۔

موت کے مسافر تاتاریوں کے عقب سے حملہ آور ہو کر اس طرح ان کے اندر گھس کر لڑنے لگے تھے جس طرح تیز دھار خنجر پھل سبزیوں میں گھس جاتا ہے۔ تاتاری پریشان ہو گئے تھے کیونکہ موت کے مسافروں کا لڑنے کا انداز خود تاتاریوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا وہ اپنے گھوڑوں کو دائیں بائیں موڑتے ہوئے اس تیزی سے حملہ آور ہوتے تھے۔ گویا تیز رو بجلیاں ہوں اور کبھی آسمان کے اس اور کبھی اس سرے سے کوند جاتی ہوں۔ موت کے مسافر تاتاریوں کو اس طرح کاٹ رہے تھے جس طرح کسان پکے ہوئے کھیت کو کاٹ لیتا ہے اور وہ اپنے سالار اعلیٰ عمیر بن خزام کی سرکردگی میں بغداد کی تباہی کا پورا پورا کفارہ ادا کر رہے تھے۔

کافی دیر تک گھمسان کی جنگ کے بعد تاتاری لشکر میں شکست کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے اور کچھ سپاہی پیٹھ دکھانا شروع ہو چکے تھے۔ موت کے مسافروں نے ارقعی اور گرجستانی پیدل دستوں کو مفلوج کر دیا تھا۔ تاتاریوں کی تیز رفتاری اور ان کی ہر جنگی ترکیب موت کے مسافروں کے سامنے ناکام ثابت ہوئی تھی کیونکہ جب قط بوغا سرخ سیاہ جھنڈیوں سے اپنے لشکر کو کوئی اشارہ کرتا تو اس کے جواب میں عمیر بھی اپنے لشکر کو سرخ سیاہ جھنڈیوں کے اشاروں سے احکامات جاری کرتا اور وہ پہلے ہی تاتاری حملوں کا دفاع کر لیتے تھے۔

جب تاتاری نویونوں (سرداروں) کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا تو انہوں نے قط بوغا کو بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے بھاگنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ کوئی نہ کوئی تاتاری جاسوس ہلاکو تک یہ خبر پہنچا دے گا کہ میں نے کس طرح لڑتے ہوئے اپنی جان دی اور ہلاکو کے سامنے مصریوں اور موت کے مسافروں کی اس حقیر فوج کی کیا حیثیت ہے کیا

مغل عورتوں اور گھوڑیوں نے بچے جننا چھوڑ دیئے ہیں۔

جنگ کے دوران عمیر قط بوغا پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اور وہ آہستہ آہستہ اس سے قریب ہو رہا تھا۔ اچانک عمیر نے سرخ جھنڈی سے موت کے مسافروں کو اشارہ دیا اور وہ قط بوغا کے گرد گھیرا اور حلقہ بناتے ہوئے تاتاریوں پر طوفان کی طرح ٹوٹ کر حملہ آور ہوئے

عمیر سامنے آنے والے تاتاریوں کو مارتا کاٹتا ہوا قط بوغا کے پاس جا پہنچا اور دونوں ایک دوسرے پر خطرناک وار کرنے لگے۔ عمیر نے اپنے خود کا نقاب اٹھاتے ہوئے قط بوغا سے پوچھا۔

جانتے ہو میں کون ہوں؟

قط بوغا نے غصے میں کہا۔

میں صرف یہ جانتا ہوں کہ تم مسلمان ہو اور میرے دشمن ہو۔

عمیر نے غراتے ہوئے کہا۔

بیوقوف انسان! میں موت کے مسافروں کا سالار اعلیٰ ہوں میں آج اسی طرح تمہارا سر کاٹوں گا جس طرح میافارقین میں تمہارے جرنیل بائیڈو کو میں نے کاٹ دیا تھا اس لئے کہ تم نے میرے ایک جرنیل ہوازن پر چوری سے حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا تھا خدا کی قسم اگر تم بہادروں کی طرح سامنے آ کر لڑتے تو وہ تمہارے جسم کو اس طرح اڑا دیتا جس طرح تیز طوفان خشک پتوں کو اڑا دیتا ہے۔

قط بوغا نے ایک خطرناک وار عمیر پر کیا جسے عمیر نے اپنی ڈھال پر روک لیا اور چنگارتی ہوئی آواز میں کہا۔

قط بوغا! تمہارے یہ حملے میرے لئے جان لیوا نہیں ہو سکتے اس کے ساتھ ہی عمیر نے اپنی خرجین میں ہاتھ ڈال کر اس مٹی کی مٹھی بھری جو اس نے ہوازن کی قبر سے اٹھائی تھی۔ خوب زور سے وہ مٹی عمیر نے قط بوغا کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

قط بوغا یہ میرے اس جرنیل کی قبر کی مٹی ہے جسے تم نے چوروں کی طرح ہلاک کیا تھا۔ اس مٹی کو سونگھ اس میں تجھے اپنی موت کی بو آئے گی اس لئے کہ اس مٹی کو میرے ہاتھ مس کر چکے ہیں اور میں تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔

عمیر اور قط بوغا ایک بار پھر جنگلی سانڈوں کی طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔

قط بوغا بار بار عمیر کے خطرناک حملوں پر چونک اٹھتا تھا۔ عمیر نے چلا کر قط بوغا سے کہا۔

قط بوغا اپنی گردن بچاؤ!

قط بوغا بوکھلا گیا۔ اسی وقت عمیر نے اس کے سر پر اپنی ڈھال مارنا چاہی قط بوغا نے عمیر کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر روکا۔ قط بوغا شاید عمیر کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر روک کر مطمئن ہو گیا لیکن عمیر کی ڈھال کے پیچھے پیچھے عمیر کی تلوار بھی حملہ آور ہو چکی تھی۔ قط بوغا ابھی عمیر کی ڈھال سے اپنی ڈھال علیحدہ بھی نہ کر سکا تھا کہ عمیر کی چمکتی ہوئی تلوار اس کی گردن پر گری اور قط بوغا کا سر کٹ کر زمین پر گر گیا۔ عمیر کے ارد گرد لڑتے ہوئے عرب ترک اور بربری سپاہیوں نے زور زور سے عمیر کے حق میں نعرے اور اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دی تھیں۔

ایک ترک سپاہی نے زمین پر پڑے ہوئے قط بوغا کے سر کو اٹھا کر اسے ایک لمبے بانس پر گاڑھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بانس میں گڑھے ہوئے قط بوغا کے سر کو ہوا میں بلند کرتے ہوئے اس نے چلا چلا کر کہنا شروع کیا۔

تاتاریو! ادھر دیکھو یہ تمہارے سالارِ اعظم قطِ بوغا کا کٹا ہوا سر ہے یہ وہی ہے جس نے ہمارے امیر ہوازن کو دھوکہ اور فریب سے قتل کیا تھا۔ ہمارے سالارِ اعلیٰ عمیر بن خزام نے اس کا سر کاٹ دیا ہے۔ ظالمو! اب کس کے سہارے لڑو گے۔ ہتھیار پھینک دو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے ورنہ ہم تبریز کی سطح مرتفع سے بیر کے جنگلوں کوہ الطائی اور صحرائے گوبی سے ہوتے ہوئے تمہارے آبائی دشت کے دریا کیرولان تک تمہارا تعاقب کریں گے۔ تاتاری بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

شام کی سرزمین میں داخل ہو کر بھاگنے والے تاتاری دو حصوں میں بٹ گئے تھے کچھ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے حلب کی طرف بڑھے اور دوسرا گروہ دمشق کے شمالی کوہساروں کی طرف بڑھا۔ لشکر کے کچھ حصے کے ساتھ مصر کا حکمران قتز دمشق میں رک گیا رکن الدین بیبرس نیل کے سفید غلاموں کے ساتھ تاتاریوں کا تعاقب کرتا ہوا حلب میں جا داخل ہوا۔ جہاں پر اس وقت تاتاریوں کا قبضہ تھا۔ رکن الدین کو جو بھی تاتاری نظر آیا اس نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قتز نے ابونواس کو موت کے مسافروں کے ساتھ دمشق سے شمال کی طرف بھاگنے والے تاتاریوں کا تعاقب کرنے کو کہا۔ عمیر کو اس نے اپنے پاس روک لیا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ مل کر دمشق کے نواح میں پھیلے ہوئے تاتاری قزاول کا خاتمہ کر سکے۔

دمشق میں قیام کے دوران قتز کے ذہن میں فتور اٹھا اور وہ اپنی حمایت کے فوجی افسروں سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد رکن الدین بیبرس کو ارض شام کا خود مختار حکمران بنانے کے وعدے سے پھر گیا کیونکہ رکن الدین بیبرس تاتاریوں کو شکست دے چکا تھا اور وعدے کے مطابق اسے ارض شام کا حکمران ہونا چاہیئے تھا

اپنے لشکر کے ساتھ دمشق سے نکل کر قتز اس خیال سے حلب کی طرف روانہ ہوا کہ وہاں جنگ کے حالات کا جائزہ لے اور موقع پا کر رکن الدین کو اپنے راستے سے ہٹا دے ابھی اس نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ اس کے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ رکن الدین کے ذاتی جاسوس اسے یہ خبر پہنچا چکے ہیں کہ قتز اپنے وعدے سے پھر گیا ہے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ رکن الدین قتز کے خلاف قدم اٹھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ قتز گھبرا گیا۔ اس نے پھر اپنے مشیروں سے صلاح مشورہ کیا۔ ایک فوجی جرنیل نے مشورہ دیا کہ ہمیں موت کے مسافر کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہیئے۔ اس طرح ہماری طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ قتز نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

اگر وہ ہمارے ساتھ اتحاد پر راضی نہ ہوا پھر! تم جانتے ہو وہ رکن الدین آپس میں گہرے دوست اور بھائی بنے ہوئے ہیں۔

اس جرنیل نے دوسرا مشورہ دیا۔

موت کے مسافر کو دمشق میں طلب کیجئے۔ ابھی وہ نزدیک ہی ہے اور دمشق سے باہر کوہستانی سلسلے میں چھپے ہوئے تاتاریوں سے برسرِ پیکار ہے اگر وہ آپ سے اتحاد نہ کرے تو اسے فوراً گرفتار کر کے فوراً مصر کو کوچ کر جانا چاہیئے تاکہ قاہرہ پہنچ کر رکن الدین کی آمد سے پہلے پہلے ہم حالات کو اپنے حق میں کر لیں۔

قتز کو یہ مشورہ پسند آیا اس نے وہیں سے ایک قاصد بھیج کر عمیر کو دمشق میں طلب کیا اور خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے واپس دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔

قتز کے دمشق پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد عمیر اس کے پاس آیا اور جواب طلب

نگاہوں سے قنتز کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
آپ کا ایک قاصد میری طرف گیا تھا کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟
قنتز نے مصنوعی خوش طبعی سے کہا۔
ہاں میں نے تمہیں بلایا ہے یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ اگر رکن الدین بیبرس اور قنتز کے درمیان کبھی جنگ ہو تو تم کس کا ساتھ دو گے۔
عمیر نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔
کیا ایسا ممکن ہے؟
حکومتوں میں ہر ایسی بات ممکنات میں سے ہے؟
عمیر نے اپنی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھائی اور زہریلے انداز میں قنتز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ اس وقت آپس کی خانہ جنگی کی باتیں کر رہے ہیں جبکہ ہم نے تاتاریوں کے عظیم سالار قطبوغا کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا ہے اور عنقریب تاتاریوں کی اس تباہی کی خبر سن کر ہلاکو ہم پر طوفان کی طرح حملہ آور ہوگا۔ میں آپ سے التماس کرتا ہوں آپس کے اتفاق کو اور مستحکم کیجئے۔
قنتز نے برہم ہو کر پوچھا۔
یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔ ہم دونوں میں سے تم کس کا ساتھ دو گے۔
عمیر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
میں اس کا ساتھ دوں گا جو حق اور سچائی پر ہوگا۔
اگر میں حق اور سچائی پر نہ ہوا پھر؟
تو میں رکن الدین کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔
قنتز نے کپکپاتی ہوئی آواز میں اپنے محافظ سپاہیوں سے کہا۔
اسے گرفتار کر لو!
نیزوں اور تلواروں سے مسلح کئی سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے عمیر کو لوہے کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ دیا پھر وہ اسے باہر لائے اور وہاں کھڑی ایک چار دیواری سے بندھی جنگی رتھ میں عمیر کو باندھ دیا گیا اور اسی روز قنتز اپنے لشکر کے ساتھ عمیر کو لے کر قاہرہ کی طرف

روانہ ہو گیا۔

○

دمشق کے انتہائی شمال میں ابونواس تاتاریوں کا قلع قمع کرنے کے بعد دمشق واپس آ رہا تھا کہ مسکن کا ایک جاسوس اس کے پاس آیا اور انتہائی رازداری میں ابونواس سے کہا۔
آپ اور شیبان علیحدہ ہوں میں آپ دونوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
ابونواس فکرمند ہو گیا۔
جاسوس نے پریشانی میں کہا۔ میں اپنی زندگی کی سب سے بری خبر لیکر آپ کے پاس آیا ہوں۔ ابونواس اور شیبان جب علیحدہ ہوئے تو جاسوس نے کہا۔
مصر کے حکمران قنتز نے ہمارے آقا کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر قاہرہ لے گیا ہے ـــ ابونواس نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا
کیوں گرفتار کیا گیا ہے عمیر کو!
قنتز نے رکن الدین سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ تاتاریوں کو شکست دیدے تو اسے ارض شام کا خود مختار حکمران بنا دے گا۔ اب وہ اپنے اس وعدہ سے پھر گیا ہے اسے رکن الدین کی طرف سے خطرہ ہے۔ لہذا اس نے آقا کو اس بنا پر گرفتار کر لیا ہے کہ کہیں وہ رکن الدین کے ساتھ مل کر اس کے خلاف جنگ نہ کریں۔
ابونواس نے اپنے پاس کھڑے شیبان سے کہا۔
شیبان! تم لشکر لے کر دمشق کے بجائے مسکن روانہ ہو جاؤ۔ میں قاہرہ جا کر عمیر کی رہائی کے انتظامات کرتا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد ابونواس نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی اب وہ قاہرہ کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ شیبان لشکر کے ساتھ مسکن روانہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف رکن الدین بیبرس کو بھی عمیر کی گرفتاری کی اطلاع ہو چکی تھی لہذا وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ قاہرہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

قاہرہ میں سازشوں کا جال بچھ گیا تھا۔ قتز اپنے دوستوں سے صلاح مشورے کر رہا تھا اور رکن الدین بیبرس اپنے جرنیلوں کے ساتھ قتز کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کو عملی شکل دے رہا تھا۔ قتز نے رکن الدین کے قاہرہ پہنچنے سے قبل ہی ایسے تمام عہدیداروں کو جو رکن الدین کے ہمنوا اور کلیدی عہدوں پر فائز تھے برطرف کر کے ان کی جگہ اپنی جان پہچان کے افسر مقرر کر رکھے تھے۔

موت کے مسافر کی گرفتاری کی اطلاع قاہرہ میں پھیل چکی تھی۔ نیل کے سفید غلام جو عمیر کو اپنا ناخدا سمجھتے تھے بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن رکن الدین بیبرس نے انہیں مطمئن کرا کے خاموش کر دیا۔ رکن الدین نہ چاہتا تھا کہ مصر میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھے کیونکہ ہلاکو کا خطرہ مصر کے آسمان پر طوفان کی طرح منڈلا رہا تھا۔

قاہرہ کے قاضی تاج الدین نے قتز کو بہت سمجھایا۔ اسے عمیر کی گرفتاری پر رونما ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا لیکن ناعاقبت اندیش قتز عمیر کو رہا کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ تاہم قتز اور رکن الدین نے اندر ہی اندر ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

ایک روز عشا کی نماز کے بعد عمیر کو زندان سے نکال کر قتز کے سامنے پیش کیا گیا وہ

پا بزنجیر تھا اور چلتے ہوئے لوہے کی بھاری بیڑیاں زور زور سے کھڑکھڑاتی تھیں۔

زنجیروں میں جکڑا ہوا عمیر اپنے سامنے بیٹھے قتز کی طرف خشمگین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اب مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔

قتز نے عیاری سے کہا۔

اگر تم اپنے مسکن کے جرنیلوں کے نام ایک ایسا خط لکھ دو جس میں انہیں مسکن خالی کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جانے کی تاکید ہو اور تم مصر اور شام کی سرزمین سے جلاوطن ہونے پر رضامند ہو جاؤ تو تمہیں رہا کیا جا سکتا ہے۔

عمیر نے آگ اگلتی ہوئی آواز میں کہا۔

جو شخص اپنی زندگی کے بہترین دوست رکن الدین بیبرس کو دھوکہ دے سکتا ہے کیا وہ مجھ جیسے اجنبی شخص کو سانپ کی طرح ڈستے ہوئے ہچکچائے گا ابھی ہلاکو کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ میں کسی صورت اپنے مسکن کو ختم نہیں کر سکتا۔

قتز نے چلا کر کہا۔

جب تم ہی نہ رہو گے تو مسکن تمہارے لئے کس کام کا۔

ایک عمیر کے مر جانے سے شاہینوں کا وہ مسکن ختم نہ ہو جائے گا۔ میری موت پر تم سے انتقام لینے کے لئے ہزاروں عقاب وہاں سے پرواز کر کے قاہرہ کی طرف آئیں گے اور یاد رکھو تم دنیا کے کسی کونے میں بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔

قتز نے تصفیہ کن لہجے میں کہا۔

میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ سوچ لو۔ اگر تم نے میرے حق میں فیصلہ نہ کیا تو تمہاری گردن ہو گی اور زندان کے جلاد کی تلوار۔ قتز کے اشارے پر محافظ عمیر کو لے گئے اور دوبارہ زندان کی ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

قاہرہ کے شاہی محل کے سامنے ابو نواس اپنے گھوڑے سے اترا اور شاہی محل میں داخل ہوا۔ حاجب سے اس نے اپنا تعارف کرایا اور قتز سے ملاقات کی التجا کی حاجب قتز کے پاس گیا، اجازت طلب کی اور پھر ابو نواس کو اس نے اندر بھیج دیا۔

ابونواس پُروقار چال کے ساتھ اس شاہی کمرے میں داخل ہوا۔ اندر ان گنت محافظ کھڑے تھے اور ان کے درمیان مصر کا حکمران قنتز بیٹھا ہوا تھا۔ ابونواس اس حالت میں اندر داخل ہوا کہ اس کے چہرہ اور لباس پر ریت ہی ریت تھی۔

قنتز نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

تم کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہو۔

ابونواس نے بڑی انکساری سے کہا۔

میں اپنے آقا کی رہائی کے لئے آپ کے پاس التجا لے کر آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ ہمارے مسکن کے خلاف اور میرے آقا سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود میں وعدہ کرتا ہوں میرے آقا آپ کے لئے کوئی خطرہ ثابت نہ ہوں گے۔

قنتز نے ایک غلط نگاہ ابونواس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

اگر تم اپنے آقا کو اس بات پر رضامند کر لو کہ وہ اپنا مسکن ختم کر دے اور مصر و شام کی سرزمین سے جلاوطن ہونے پر رضامند ہو جائے تو اسے رہا کیا جا سکتا ہے ورنہ اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔

ابونواس نے اپنی گھٹتی اور نحیف ہوتی ہوئی آواز میں آبدیدہ ہو کر کہا۔

اگر آپ ہلاکو کے سامنے عالم اسلام کو انتشار کا شکار دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کو جلاد و صفت ہلاکو کے ہاتھوں ذبح ہوتا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صحرائے سینا اور نیل کے زرخیز ساحلوں کیساتھ ساتھ وحشی اور بھیڑیا صفت تاتاری اپنے گھوڑے دوڑاتے پھریں تو ہم اپنا مسکن ختم کر دیں گے۔ ابونواس تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں پھر اس نے ملتجی اور کپکپاتی اکھڑتی آواز میں کہا۔

عمیر بن خزام کو رہا کر دیجئے۔ میں اسے یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ اگر آپ لوگوں کو اس کی شہرت سے نفرت ہو گئی ہے تو میں اسے مراکش لے جاؤں گا۔ وہاں کے بربری مسلمان اسلام کے اس رجل عظیم کی عزت افزائی کریں گے۔ اگر ہماری قسمت میں مصر کے محاذ پر ہلاکو کے آگے ایک مضبوط حصار قائم کرنا نہیں لکھا گیا۔ تو ہم اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ مراکش چلے جائیں گے اور وہاں سے ایک نئے ولولے

کے ساتھ ہم ہلاکو سے ٹکرانے کے لئے نکلیں گے۔ ابونواس کی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو فرش پر گر گئے اور وہ خاموش ہو گیا۔

قنتز کو امید کی چمک دکھائی دی۔ اس نے ایک کاغذ پر اجازت نامہ لکھا اور اسے ابونواس کو تھماتے ہوئے کہا۔

جاؤ عمیر سے بات کرو اگر وہ مسکن کو ختم کر کے مراکش جلاوطن ہونے پر رضامند ہو جائے میں اسے رہا کر دوں گا۔ میں نے داروغہ کے نام اجازت نامہ لکھ دیا ہے۔ وہ تمہیں عمیر سے ملنے کی اجازت دے دے گا۔

ابونواس واپس مڑا اور باہر نکل گیا۔ اس کا گرداگرد جسم کانپ رہا تھا اور کندھے پر رکھا ہوا اس کا انگوچھا بار بار ڈھلک جاتا تھا۔

قاہرہ کے قاضی تاج الدین اپنے دیوان خانے میں بیٹھے تھے کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے خود کا نقاب اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا۔ یہ وہی خوبصورت اور گداز ہاتھوں والی لڑکی تھی جس نے یروشلم میں عمیر کے زخم پر پٹی باندھی تھی منصورہ میں اسے شربت کی چھاگل پیش کی اور بغداد سے عمیر کو موت کی کشمکش سے نکال کر لائی تھی ہاں وہی حسین اور جفاکش لڑکی جو عمیر سے محبت کرتی تھی۔ وہ ان کے سامنے بیٹھتی ہوئی اپنی بھرپور اور مسحور کن نسوانی آواز میں بولی۔

کیا آپ ہی شہر کے قاضی تاج الدین ہیں۔

تاج الدین حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

میرا ہی نام تاج الدین ہے۔ تم کس مقصد کے تحت میرے ہاں آئی ہو؟

اس گمنام لڑکی نے اس بار ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

انصاف طلب کرنے

کیسا انصاف؟

موت کے مسافروں کے سالار اعلیٰ عمیر بن حرام کی رہائی۔

تمہارا عمیر سے کیا تعلق ہے کیا تم اس مجاہد کی بیوی ہو۔

مجھ بدنصیب کو ابھی یہ شرف حاصل نہیں۔ میں ان کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔

کیا تمہارا تعلق موت کے مسافروں کے مسکن سے ہے؟

نہیں۔

پھر تم عمیر کو کیسے جانتی ہو؟

میرا ان کا ازل سے ایک رشتہ و ناطہ ہے۔ میرے اور عمیر کے جسم میں جو روحیں پھونکی گئی تھیں وہ بھی پہلے سے ایک دوسرے کی شناسا اور ہمدم ہوں گی میں اور وہ ایک ایسے رشتے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں جنہیں کوئی توڑ نہیں سکتا میرے لیے یہی سب کچھ ہے اور وہ میرے آقا ہیں۔

تاج الدین نے بڑی شفقت سے پوچھا۔

تم کہاں سے آئی ہو بیٹی۔ تمہاری باتوں میں درد اور عمیر کے لئے بے پناہ خلوص ہے

لڑکی نے مغموم آواز میں کہا —— میرا کوئی نام اور ٹھکانہ نہیں مجھے ایک گمنام لڑکی ہی سمجھ کر بتا دیجئے کہ کس جرم کی پاداش میں عمیر کو گرفتار کیا گیا ہے۔

تاج الدین نے بھاری آواز میں کہا۔

میں جانتا ہوں وہ بے گناہ ہے۔ میں نے اس سلسلے میں قنتر سے بات کی تھی لیکن وہ کسی صورت میں اسے رہا کرنے کو تیار نہیں ہے۔

وہ لڑکی لحہ بہ لحہ پگھلتی اور روتی ہوئی آواز میں بولی۔

اگر اس کا کوئی جرم نہیں اگر وہ بے گناہ ہے تو پھر کس طور اسے زندان کی تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے کیا اس عیسان میں کہ اس نے نووارد اور دیرانہ نورتر کول کے ساتھ مل کر یروشلم فتح کیا۔ کیا اس خطا میں کہ اس نے نیل کے ڈیلٹا کے کنارے فرانسیسی فوج کے بحری جہازوں کو آگ لگا دی تھی جب رکن الدین بیبرس نے اسے مدد کے لیے پکارا تھا۔ یا میں یہ کہوں کہ اسے مصر کے لئے دمیاط فتح کرنے اور لوئی نہم کی رسد و کمک کو کاٹنے کی سزا ملی ہے۔ یا —— یا وہ منصورہ کی جنگ میں لوئی اور اس کے دونوں بھائیوں کو شکست دینے کے قصور میں پکڑ لیا گیا ہے۔ آخر میں کیا سمجھوں کہ قوم کے ایک مخلص، امین، جفاکش، مجاہد اور دشمن پر طوفانوں کی طرح چھا جانے والے جرنیل کو کیوں صیادوں نے دھوکے سے پکڑ کر آہنی پنجرے میں ڈال دیا ہے۔

تاج الدین نے دیکھا لڑکی کے آنسو بہہ بہہ کر فرش کو تر کر رہے تھے اور اسکی ہلکی ہلکی سسکیاں بھی سنی جا سکتی تھیں۔ تاج الدین نے بڑی شفقت سے کہا۔

میں مجبور ہوں بیٹی! اس معاملے میں میرا کوئی بس نہیں چلتا۔

لڑکی سانپ کی طرح بل کھا کر اٹھی اور غصے میں سلگتی ہوئی آواز میں کہا۔

حیرت ہے قاہرہ کا قاضی بے بس اور مجبور ہے —— تاج الدین شاید کوئی جواب دیتے پر لڑکی غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔

وہ گمنام لڑکی دو گلیوں میں ہوتی ہوئی جب ایک کشادہ سڑک پر آئی تو اس نے دیکھا وہاں ابونواس ایک طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے اس کے پیچھے تقریباً بھاگتے ہوئے اسے پکارا۔

ابونواس! ابونواس!

ابونواس رک گیا۔ لڑکی بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی اور بڑی بے تکلفی سے پوچھا۔

کہاں جا رہے ہو؟

ابونواس نے پریشانی اور حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تم کون ہو؟

کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا؟

ہرگز نہیں۔

میں وہی لڑکی ہوں جو عمیر کو بغداد سے اٹھا کر لائی تھی جبکہ وہ زخمی تھا اور حدثیہ شہر میں جب تم شیبان اور اریطہ عمیر کو لینے آ گئے تھے میں وہاں سے کھسک گئی تھی۔

ابونواس کے چہرے پر ہلکی ہلکی خوشی کی لہریں بکھر گئیں۔ اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں میرے آقا کی محسن کون ہے —— لڑکی نے خود کے نقاب پر احتیاطاً ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

تم جانو۔ عمیر نے بھی مجھے نقاب ہٹانے کو کہا تھا لیکن میں نے ان کی منت کر کے انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ میرا چہرے سے نقاب ہٹانا مناسب نہیں۔ جب میں

نے عمیر کے سامنے نقاب نہیں اٹھایا جو میرے آقا ہیں تو تمہارے سامنے نقاب کیوں کر الٹ سکتی ہوں۔ مجھے ایک مناسب وقت کا انتظار ہے جب وہ آئے گا میں اپنے چہرے سے نقاب ہٹالوں گی۔

ابونواس نے بڑی جستجو سے پوچھا

تمہیں کس طرف سے اس مناسب وقت کا انتظار ہے؟

اپنے آقا عمیر بن حزام کی طرف سے

ابونواس پھر مسکرا رہا تھا۔ کیا تم میرے آقا سے محبت کرتی ہو؟

لڑکی نے بڑی بیباکی سے جواب دیا۔ ہاں میں ان سے محبت کرتی ہوں —— ایسی محبت جو چاند اور ستاروں میں ہے جو کنارے اور کشتی، تلوار اور مجاہد نور و ظلمت اور صبح و شام میں ہے جس طرح روشنی تاریکی کو اور تاریکی روشنی کو تلاش کرتی پھرتی ہے جس طرح صبح شام اور شام صبح کا انتظار کرتی ہے بالکل اس طرح میں بھی عمیر کا انتظار کرتی رہتی ہوں۔

لڑکی کی آواز ڈوبنے لگی۔

کشتی اور کنارہ ہر روز ملتے ہیں۔ مجاہد روزانہ اپنی تلوار سے ملاقات کرتا ہے چاند ستارے، تاریکی، روشنی، صبح اور شام ہر روز ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوں پر میری منزل ابھی جانے کتنی دور ہے —— میں روز زمین سے گلے ملنے والے آسمان کے کناروں سے پوچھتی ہوں بتاؤ میری منزل کہاں ہے۔ آسمان پر جھلملا جھلملا کر سرگوشیاں کرنے والے ستاروں سے اپنی قسمت کا حال کہنے کی التجا کرتی ہوں لیکن وہ خاموش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے میری بے بسی پر صرف مسکرا دیتے ہیں۔ میں —— میں آسمان کی طرف اٹھنے والی کارداں کی گرد سے —— دریائے یرون کے کنارے کنارے پوست گھوڑوں کے سموں سے اور یرون کی گنگناتی ہوئی بیتاب لہروں سے اپنی منزل کا پتہ پوچھتی ہوں لیکن کوئی بھی مجھے میری منزل کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ میں ایک تپتے صحرا میں کھڑے تنہا درخت کی طرح اکیلی، بے بس، مجبور اور گمنام لڑکی ہوں —— لڑکی خاموش ہو گئی اور نقاب کے نیچے ہاتھ ڈال کر اپنے آنسو پونچھنے لگی تھی۔

ابونواس اس کی حالت پر کٹ پس سا گیا اور بڑی ہمدردی اور شفقت سے پوچھا

اس وقت تم کہاں سے آرہی ہو؟

میں عمیر کی رہائی کے لئے ایک التجا بن کر تاج الدین کے پاس گئی تھی لیکن قاہرہ کا قاضی کہتا ہے وہ فسطنز کے آگے بے بس اور مجبور ہے۔

ابونواس نے پھر بڑی غمخواری سے پوچھا

تم کہاں رہتی ہو؟

میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تم اپنی کہو کہاں سے قاہرہ میں داخل ہوتے اور اب کدھر جا رہے ہو میں دمشق کے شمالی کوہساروں سے یہاں آیا ہوں۔ عمیر کی رہائی کے سلسلے میں فسطنز سے ملا تھا اس نے کچھ شرائط پیش کی ہیں اور کہا ہے اگر عمیر یہ شرطیں مان لے تو اسے رہا کر دیا جائے گا۔ اس نے مجھے عمیر سے ملنے کا اجازت نامہ دیا ہے تاکہ میں ان شرائط پر عمیر سے بات کر لوں۔

لڑکی نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

کیسی شرائط

اس نے کہا ہے اگر عمیر اپنے مسکن کو ختم کرنے اور شام و مصر کی سرزمین سے جلاوطن ہونے پر آمادہ ہو جائے تو اسے رہا کر دیا جائے گا۔

کیا تم سمجھتے ہو عمیر اس شرائط کو مان لے گا۔

مجھے امید ہے میں عمیر کو یہ پیشکش قبول کرنے پر آمادہ کر لوں گا اور میں اسے یہاں سے نکال کر مراکش لے جاؤں گا۔

لڑکی نے برہم ہو کر کہا۔

سنو! اگر عمیر نے ان شرائط کو قبول کرتے ہوئے اپنے مسکن کو ختم کر کے جلاوطن ہو کر مراکش جانا پسند کیا تو میں اس سے نفرت کرنے لگوں گی ایسی نفرت جس کی مثال دنیا میں کہیں نہ ملے گی۔

ابونواس خاموش ہو گیا —— کچھ سوچا —— اور دوبارہ بولا میں عمیر سے ملنے زندان جا رہا ہوں۔ کیا تم میرے آقا سے ملنے میرے ساتھ چلو گی۔

میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گی۔

دونوں تیز تیز چلتے ہوئے قید خانے آئے۔ ابونواس نے داروغہ کے سامنے

قتنز کا اجازت نامہ پیش کیا ــــ داروغہ قتنز کا خاص آدمی تھا اور رکن الدین سے چپقلش کے بعد پہلے داروغہ کو معزول کر کے اسے یہ عہدہ دیا گیا تھا

داروغہ نے ابونواس اور گمنام لڑکی کو عمیر سے ملنے کی اجازت دے دی اور احتیاطاً ان کے ساتھ کچھ سپاہی بھیج دیئے جو دور کھڑے ہو کر ان دونوں کی نگرانی کرنے لگے تھے

ابونواس لڑکی کے ساتھ اس کوٹھڑی کے پاس آیا جس میں عمیر بند تھا۔ ابونواس کو دیکھتے ہی عمیر نے چونک کر پوچھا۔

تم یہاں؟ کیسے آئے ہو۔

ابونواس کے جواب دینے سے قبل ہی عمیر نے لڑکی کی طرف دیکھا اور پہلے سے کہیں زیادہ چونکتے ہوئے پوچھا۔

تم یہاں کب، کیسے، اور کیوں آئی ہو؟

سسکتی ہوئی آواز میں لڑکی نے جواب دیا۔

میں آپ کی رہائی کے لئے التجا لے کر آئی تھی لیکن قاہرہ میں کسی نے میری بات نہیں سنی ــ

ابونواس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میں آپ کی رہائی کے لئے قتنز کی طرف سے شرائط لے کر آیا ہوں۔

عمیر نے تیز نگاہوں سے ابونواس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

کیسی شرائط

اس نے کہا ہے اگر عمیر اپنے مسکن کو ختم کر دے اور شام و مصر سے جلاوطن ہونے پر رضامند ہو جائے تو اسے رہا کر دیا جائے گا۔

عمیر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

وہ بکواس کرتا ہے۔ میں مسکن کو ختم کرنے اور جلاوطن ہونے پر مرنے کو ترجیح دوں گا۔

ابونواس نے پشیمان ہو کر کہا۔

میں یہ شرائط صرف آپ کی رہائی کی خاطر لایا ہوں مجھے بتایئے میرے آقا میں کیا کروں میں آپ کو جیل کی ان سلاخوں کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔

عمیر نے سرگوشی کی۔ آہستہ بولو۔ اگر ان کو پتہ چل گیا کہ میں نے شرائط ماننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ تمہیں بھی گرفتار کر لیں گے۔ تم فوراً رکن الدین سے ملو وہ تمہاری حفاظت کے انتظامات کر دے گا۔ وہ حلب سے قاہرہ پہنچ چکا ہے۔ یہاں جیل کے اندر رکن الدین کے حامیوں کی کافی تعداد ہے ان کی باتوں سے کل شام میں نے اندازہ لگایا تھا کہ رکن الدین یہاں پہنچ چکا ہے۔ اب تم دونوں یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ میری طرح تم بھی کسی تاریک اور گمنام کوٹھڑی میں ہو گے۔

ابونواس نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

میں رکن الدین سے بھی آپ کی رہائی کے متعلق گفتگو کروں گا۔

تم اسے کچھ مت کہنا۔ اگر وہ قاہرہ پہنچ چکا ہے تو خود ہی حرکت میں آ گیا ہو گا۔ اور ابونواس اگر میں اس جیل کے جلاد کے ہاتھوں مارا جاؤں تو میرے بعد مسکن کے سالار بھی تم ہو گے اور شیبان تمہارا نائب ہو گا۔ کٹ مرنا پر قتنز کے کہنے پر اپنے مسکن کو ختم نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری باتوں پر عمل کرو گے کیونکہ تم بزدل نہیں ہو۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ اور رکن الدین سے ملنے کی کوشش کرو۔

ابونواس اس لڑکی کے ساتھ جیل سے نکل کر تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ کسی نے پیچھے سے اسے پکارا۔

ابونواس ابونواس!

وہ رُک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ایک ترک ان کی طرف آ رہا تھا۔ وہ جب قریب آیا تو ابونواس نے پوچھا۔

تم نے مجھے پکارا تھا؟

ہاں

کس لئے

تم خطرے میں ہو اور قتنز کے حامی تمہیں فوراً گرفتار کر لیں گے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ رکن الدین بیبرس نے تمہیں بلایا ہے۔

ابونواس نے اسے کریدا۔

تم کون ہو؟

میرا نام زین بن زبیر ہے اور میں آپ کی سلامتی چاہتا ہوں۔
رکن الدین سے تمہارا کیا تعلق ہے۔
آپ مجھے ان کا ایک مخلص سمجھ لیں۔
پھر ہم دونوں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ تینوں جنوب کی طرف جانیوالی سڑک پر بڑی تیزی سے لمحہ بہ لمحہ زندان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔

عشار کے بعد عمیر کو اس کی کوٹھڑی سے نکال کر جلاد خانے میں لایا گیا کیونکہ تین
پورے ہو چکے تھے اور اس نے قنتر کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا تھا وہ اسی طرح
ی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ سپاہیوں کے ایک دستے کی حفاظت میں زندان کا داروغہ
عمیر کو قتل گاہ کی طرف لے گیا تھا۔
محافظ دستہ عمیر کو قتل گاہ تک لے جا کر لوٹ گیا اور عمیر کو موت کے اس کمرے
لے جا کر اس کا آہنی دروازہ بند کر دیا گیا اب اس کمرے میں عمیر کے علاوہ قید خانے
داروغہ، دو سپاہی اور ایک سیاہ فام اور خوفناک چہرے والا جلاد تھا۔
داروغہ نے الجھے ہوئے لہجے میں عمیر سے کہا۔
مرنے سے قبل اگر تمہارا کوئی پیغام اور خواہش ہو تو کہہ دو۔
عمیر کے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے
ئے کہا۔
اگر میں مصر کے حکمران قنتر کے نام کوئی پیغام دوں تو میرے مرنے کے بعد یہ
ام اس تک پہنچا دو گے؟

ضرور پہنچایا جائے گا۔

تو پھر اسے کہنا ازل سے قوموں کے گمنام سپاہی اپنے خون سے اپنی قوموں کی سنہری تاریخیں لکھتے آئے ہیں۔ اگر میری گردن کاٹ کر میرے خون سے میری قوم کے خشک پودوں کی آبیاری ہو سکتی ہے تو میں ہزار بار ایسی موت مرنے کے لئے تیار ہوں۔

مقتل میں کھڑے دونوں سپاہی جن میں سے ایک کے پاس مضبوط رسیاں اور دوسرے کے پاس سر پر ڈالنے کے لئے سیاہ غلاف تھا۔ عمیر کو رسیوں میں جکڑ کر چہرے پر سیاہ غلاف ڈالنے کے لئے آگے بڑھنے لگے تھے۔

صحرائے سینا سے قاہرہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر تین سوار دشت میں گرم ہواؤں کے بگولے کی مانند اڑے جا رہے تھے۔ تینوں جنگ کا بہترین لباس پہنے ہوئے تھے۔ وہ گھوڑوں کو مارتے بھگاتے، دم لئے اور قیام کئے بغیر قاہرہ کی طرف اپنی طوفانی رفتار سے بڑھ رہے تھے۔

ان میں سے ایک مردانہ لباس پہنے ہوئے اریطہ تھی اور اس کے پیچھے نتھا مغیث بیٹھا تھا اور اس نے اپنے دونوں بازو اریطہ کی کمر کے گرد ڈال رکھے تھے اور ان کے ساتھ دو سپاہیوں میں سے ایک عرب اور دوسرا بربری تھا جو اریطہ کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

جب وہ قاہرہ میں داخل ہو کر ایک چوک میں سے گزر رہے تھے تو چند سپاہیوں نے ان کا راستہ روک لیا تھا۔

اریطہ نے کڑک کر پوچھا۔

ہمارا راستہ کیوں روکا گیا ہے؟

ایک نوجوان جو شاید فوج کے اس دستہ کا افسر ہوگا۔ چند قدم اریطہ کی طرف بڑھا اور بڑے ادب سے کہا۔

سپہ سالار کی طرف سے شہر میں فوج کے کچھ دستے مقرر کئے گئے ہیں جو ایسے لوگوں کو محفوظ مقامات پر پہنچاتے ہیں جو ہمارے ہم خیال، ہمدرد اور دوستوں میں سے ہوں۔ تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ ہم تمہارے دوستوں میں سے ہیں۔

رکن الدین کے جاسوس آج کل اپنی پوری ذہانت اور تندہی سے کام کر رہے ہیں آپ تینوں صحرائے سینا ہی میں تھے کہ ہمارے جاسوس آپ کے متعلق ہمیں بتا تھے اور پھر آپ کو پہنچانے میں کیا دشواری ہے جبکہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے ی شکل عمیر بن حزام سے ملتی ہے جو مصری عوام کا محسن اور بھائی ہے اور اس سے صاف ہر ہے آپ ان کی بیوی ہیں۔

اریطہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تبھی مصری عوام نے اپنے بھائی اور محسن کو زندان کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر ہے۔

سپاہی نے پھٹے پھٹے سے حلقوم میں کہا

یہ ایک دشوار سوال ہے اور ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ تاہم ہمارے محسن ائی کے خلاف کارروائی کرنے والا شر پسندوں کا ایک مختصر سا گروہ ہے اور آپ ں گی ہم عنقریب اس گروہ کے خلاف کیسے حرکت میں آتے ہیں۔ آپ کا اس طرح شہر ومنا خطرناک ہے۔ ہمیں آپ کو قاضی تاج الدین کے ہاں پہنچانے کے احکامات مل ں اور آپ کے دونوں سپاہی اس مہمان خانے میں قیام کریں گے جس میں ان دنوں کا جرنیل ابونواس ٹھہرا ہوا ہے۔

اریطہ کے محافظوں میں سے ایک بولا۔

ہم خاتون کو تنہا نہ جانے دیں گے۔ ہم انہیں قاضی تاج الدین کے ہاں پہنچا کر مہمان خانے جائیں گے۔ اس فوجی افسر نے پھر کہا۔

ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آیئے پہلے خاتون کو محفوظ جگہ پہنچا کر آپ دونوں کو ہم خانے لے جائیں گے ـــــ وہ فوجی دستہ اریطہ اور اس کے دونوں محافظوں کو لیکر تاج الدین کے گھر آیا اور دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ لنے والے خود تاج الدین تھے۔ انہوں نے دروازے سے باہر نکل کر تشویش سے اس افسر سے پوچھا۔

خیریت ہے؟

اس نے اریطہ اور مغیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ عمیر بن حرام کی بیوی اور ان کا بچہ ہیں۔ سپہ سالار کی طرف سے ہمیں ان دونوں کو آپ کے ہاں پہنچانے اور قیام کرنے کا حکم ملا ہے۔

تاج الدین نے اریطہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اریطہ پہلے خود گھوڑے سے اتری پھر مغیث کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اس نے نیچے اتار لیا۔ تاج الدین نے اریطہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

آؤ بیٹی! میرے ساتھ

تاج الدین، اریطہ، مغیث اور ان کے گھوڑے کو اپنے مکان میں لے گئے اور سپاہیوں کا دستہ اریطہ کے دونوں محافظوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ تاج الدین کی بیوی اور بچیوں نے اریطہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب انہیں اس کا علم ہوا کہ وہ موت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ کی بیوی ہے تو وہ اسے اس طرح ملیں جیسے وہ کوئی عظیم اور مقدس ہستی ہو جب وہ دونوں ماں بیٹے کے لئے کھانے پینے کا سامان لائیں تو اریطہ نے قاضی تاج الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کھانے پینے کے سامان کو ہاتھ لگانے سے قبل میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں

قاضی تاج الدین اداس اور مغموم ہو گئے۔

میں جانتا ہوں تم کیا پوچھو گی؟

اگر آپ جانتے ہیں تو بتائیے میرے شوہر کو کیوں بے موجب صیادوں نے آہنی پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ قوم کا وہ مجاہد جو بچپن سے لے کر اب تک قوم کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہا ہے۔ ایک ایسا سالار جو اپنی ساری زندگی تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے لٹے ہوئے تباہ حال کاروانوں کی حفاظت کرتا رہا اور جسے اپنے نہیں اغیار بھی مسلم قافلوں کا ناخدا سمجھتے رہے ہیں۔

اگر وہ مجرم ہوتے انہوں نے قوم کے حقوق کی پامالی کی ہوتی تو بے شک میرے سامنے ان کی گردن زدنی کر دی جاتی میں کچھ نہ کہتی اور صبر کر لیتی لیکن اب جبکہ میں جانتی ہوں وہ بے گناہ ہیں میں کیسے خاموش رہوں۔ میں کیسے ان کا غم برداشت کر جاؤں

اریطہ خاموش ہو گئی اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی اس کی دیکھا دیکھی مغیث بھی رونے اور آنسو بہانے لگا تھا۔ قاضی تاج الدین نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

بیٹی! تم ایک مجاہد کی بیوی ہو۔ صبر کرو اور دیکھو خدا کس حال میں راضی ہے۔

اریطہ نے اور زیادہ سسکتے ہوئے آگے بڑھ کر قاضی تاج الدین کے پاؤں پکڑ لئے اچانک بھڑک اٹھنے والا جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑی۔

خدا کے لئے میرے شوہر کو بچائیے۔ آپ شہر کے قاضی ہیں۔ میرا شوہر آمریت پسند لوگوں کا شکار ہو رہا ہے میں آپ سے اپنے بے گناہ شوہر کی رہائی کی بھیک مانگتی ہوں۔

اچانک ننھا اور معصوم مغیث آگے بڑھا اور اس نے بھی قاضی تاج الدین کے پاؤں پکڑتے ہوئے اپنی روتی ہوئی آواز میں کہا۔

میرے ابی کو بچائیے ـــــ میرے ابی کو بچائیے۔

دونوں ماں بیٹا قاضی تاج الدین کے دائیں بائیں دونوں پاؤں پر آنسو بہا رہے تھے۔ ان کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ کر ان کی سفید داڑھی میں جذب ہونے لگے تھے اور دونوں ماں بیٹوں کو انہوں نے اپنے بازوؤں میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

صبر کرو میرے بچو۔ میں ابھی رکن الدین کے پاس جاتا ہوں اور اس سے فیصلہ کن بات کرتا ہوں۔ عمیر کی رہائی کے لئے اگر مجھے تتر جیسے آمر کے خلاف بغاوت بھی کرنا پڑی تو میں دریغ نہ کروں گا۔ اپنی بیوی کو انہوں نے اشارے سے اریطہ اور مغیث کو سنبھالنے کے لئے کہا اور خود وہ اٹھ کر گھر سے باہر نکل گئے۔

مقتل میں جیر کی طرف بڑھنے والے دونوں سپاہی اچانک داروغہ پر جھپٹ پڑے۔ جس کے ہاتھ پشت پر باندھنا چاہتے تھے لیکن وہ مدافعت پر اتر آیا تھا۔ بپھری ہوئی زمیں اس نے سپاہیوں سے کہا۔

غدارو! نمکحرامو! تم نے دھوکہ کیا ہے۔

ایک سپاہی داروغہ کے منہ پر سناٹے کا ایک طمانچہ مارتے ہوئے بولا۔

غدار اور نمک حرام تم لوگ ہو جنہوں نے مصری قوم کے محسن اور موت کے مسافروں کے سالارِ اعلیٰ کو صرف اپنی شخصی حکومت کو مضبوط دیکھنے کی خاطر زندان میں بند کر کے موت کے گھاٹ اتارنا چاہا تھا۔

داروغہ اور سپاہی ابھی آپس میں الجھے ہوئے تھے کہ مقتل میں جلاد کی گرجتی ہوئی آواز

گونجی وہ ان دونوں سپاہیوں سے مخاطب ہوا تھا۔

اسے چھوڑ دو میں خود اس سے تلوار کی زبان میں بات کرتا ہوں۔ سپاہیوں نے اسے چھوڑ دیا۔ جلاد خود اپنی برچھا نما چمکدار تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا اور گرجتی ہوئی آواز میں اس نے داروغہ سے کہا۔

سن او مصر کے نابکار حکمران کے غدار داروغہ! تم کیا سمجھتے تھے کہ میں موت کے سوداگروں کے سالارِ اعظم کی گردن کاٹ دوں گا۔ خدا کی قسم اگر رکن الدین بیبرس کی طرف سے مجھے عمیر بن حزام کی حفاظت کے احکامات نہ بھی ملے ہوتے تو بھی میں مسلم قوم کے اس محسن کی گردن نہ کاٹتا۔ اس مقتل میں میں اپنی گردن تو کاٹ سکتا تھا قوم کے ایک امین اور مخلص مجاہد کی نہیں ——— جلاد نے اپنی بھاری چوڑے پھل والی چمکتی ہوئی تلوار فضا میں لہرائی اور داروغہ کی گردن کاٹ دی۔

جلاد پیچھے ہٹا اور پھر اس نے عمیر کی آہنی بیڑیاں کھول دیں۔ عمیر نے جلاد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے تعجب سے پوچھا۔

کیا یہ سب ایک پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے؟

جلاد نے اپنی گردن کو قدرے خم کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے ٹھیک سوچا ہے حلب سے روانہ ہوتے وقت رکن الدین نے اپنے چند تیز رفتار فوجی افسروں کو قاہرہ روانہ کر کے شہر کے چیدہ چیدہ اور اپنے حامی حکام کو یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ اگر قاہرہ میں عمیر بن حزام کے جسم پر خراش بھی آئی تو میں تم سب کی گردنیں کاٹ دوں گا۔ اس لئے شروع سے ہی آپ کی حفاظت کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے حتیٰ کہ جب قنتز نے آپ کو شاہی محل بلایا تھا تو وہاں رکن الدین کے حامی افسر اور سپاہی مسلح حالت میں آپ کی حفاظت کے لئے موجود تھے ——— اب آپ زندان سے نکل جائیے۔ باہر رکن الدین اور آپ کا جرنیل ابونواس آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

عمیر جب جلاد کی کوٹھڑی سے باہر نکلا تو مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ جو اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں پکڑے ہوئے تھا اس کے گرد حلقہ بنا کر اس کی حفاظت کے طور پر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔ جب وہ زندان کے بیرونی دروازے سے نکلا تو دہی نقاب پوش، گمنام اور خوبصورت سرخ گداز ہاتھوں والی لڑکی وہاں کھڑی تھی اور اس کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار

تھے۔ جب وہ عمیر کی طرف بڑھی تو سپاہیوں کے اس دستے کے افسر نے کڑکتی ہوئی آواز میں لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔

کون ہو تم ——— وہیں رک جاؤ، نزدیک آئے تو ——— عمیر نے اس افسر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اسے آنے دو یہ دشمن نہیں دوست ہے اسے تم دنیا میں میرا سب سے عظیم محسن کہہ سکتے ہو ——— اس فوجی افسر نے بڑی عاجزی سے کہا۔

سیدی! میں اپنے رویے پر نادم ہوں۔

عمیر نے اس کی پیٹھ تھپتھپا دی۔ کوئی بات نہیں۔

وہ گمنام لڑکی آگے بڑھی اور عمیر کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہوئے اس نے اپنی آبشاروں جیسی مترنم آواز میں کہا۔

میں آپ کو رہائی پر مبارکباد دیتی ہوں۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا ——— میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ میرے مسکن چلو گی؟

لڑکی پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ میں آپ کی رہائی کی خاطر قاہرہ آئی تھی اور یہ کام اب مکمل ہو چکا ہے۔ میں آج رات ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی اور پھر رکن الدین کہہ رہا تھا آپ کو کئی روز قیام کرنا پڑے گا جبکہ میں یہاں زیادہ دن قیام نہیں کر سکتی ——— وہ نور افشاں سی لڑکی مڑی اور بھاگتی ہوئی تاریکی میں روپوش ہو گئی تھی۔

عمیر جب چند قدم آگے بڑھا تو اس نے دیکھا اس کے سامنے دو گھوڑوں کی ایک بگھی کھڑی تھی۔ دستے کے افسر نے عمیر کو مخاطب کر کے کہا۔

سیدی! آپ اس بگھی میں سوار ہو جائیے۔

عمیر جونہی اس بگھی میں سوار ہوا کسی نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ بگھی کے اندر جلتی ہوئی چھوٹی سی کافوری شمع کی ملگجی روشنی میں عمیر نے دیکھا وہ رکن الدین بیبرس تھا۔ عمیر بھی اس سے لپٹ گیا۔ عمیر جب رکن الدین سے علیحدہ ہوا تو بگھی کے گھوڑوں کو ہانکنے والی جگہ پر بیٹھا ہوا ابونواس اٹھ کر اس سے بغلگیر ہو گیا۔ رکن الدین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

زندان میں آپ پریشان تو ہوں گے کہ رکن الدین میری رہائی کے لئے کچھ نہیں کر رہا۔

عمیر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

ابونواس جب قید خانے میں مجھے ملنے آیا تھا تو میں نے اسی وقت اسے کہہ دیا تھا کہ اگر رکن الدین حلب سے قاہرہ واپس آچکا ہے تو وہ میری حمایت میں اپنے پورے وسائل کیساتھ حرکت میں آگیا ہوگا۔

آپ کی بیوی اور بچہ بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے آپ کے مسکن سے دو سپاہی بھی ان کے ساتھ تھے انہیں میں نے اپنے ہاتھ سے شیبان کے نام لکھا ہوا پیغام دے کر بھیج دیا ہے کہ عمیر اور ابونواس دونوں خیریت سے ہیں۔

عمیر نے بے تاب ہو کر پوچھا

میری بیوی اور بچہ کہاں ہیں؟

آپ فکرمند نہ ہوں وہ قاضی تاج الدین کے ہاں ہیں اور آج سہ پہر ہی وہ یہاں پہنچے ہیں میں آپ اور ابونواس اب قنتر کے پاس جا رہے ہیں۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ اپنی تمام تر عیاریوں کے باوجود تم رکن الدین کے سامنے کس قدر بے بس اور مجبور ہو ـــــ ابونواس نے بگھی کے گھوڑوں کو ہانک دیا۔ عمیر اور رکن الدین آپس میں باتیں کرتے رہے۔

رکن الدین کے کہنے پر قاہرہ کے شاہی محل کے باہر ابونواس نے بگھی کو روک دیا۔ تینوں نیچے اترے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قاہرہ میں خاموشی کے ساتھ کوئی انقلاب رونما ہو گیا ہو کیونکہ محل کے گرد پہرہ دینے والے سپاہی رکن الدین کو دیکھتے ہی اپنی گردنیں خم کر کے اطاعت کا اظہار کر رہے تھے جس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ قنتر کی نسبت رکن الدین فوج اور عوام میں کس قدر زیادہ دلعزیز ہے۔

بیرونی سپاہیوں کی طرح حاجب نے بھی رکن الدین کے سامنے اپنی گردن خم کر دی تھی۔ رکن الدین بے دھڑک عمیر اور ابونواس کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں قنتر بیٹھا ہوا تھا۔ عمیر کو دیکھتے ہی قنتر اپنی جگہ پر اچھل پڑا اور برہمی میں پوچھا۔

تم ابھی تک زندہ ہو؟

رکن الدین نے غصے کے عالم میں جواب دیا۔

خدا نے کسی انسان کی زندگی اور موت کو تمہارے ہاتھ میں نہیں دے رکھا۔

قنتر نے جواب طلب نگاہوں سے رکن الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

آج تمہارا باتیں کرنے کا انداز گستاخانہ کیوں ہے؟

رکن الدین چند قدم اور آگے بڑھ گیا ـــــ جو حالات قنتر کو عیار اور قوم کا غدار بنا سکتے ہیں وہ رکن الدین کو گستاخ بھی بنا سکتے ہیں۔

قنتر فوراً حرکت میں آیا اور اپنے قریب رکھی ہوئی نوبت پر لگاتار چوٹ لگانا شروع کر دی رکن الدین نے طنزاً کہا۔

اس نوبت کی صدا پر کوئی بھی سپاہی تمہاری مدد کو اندر نہ آئے گا۔ تم ڈوبتی ہوئی کشتی کے مسافر اور خاموشی سے اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھتے رہو۔ میں جنگ میں لڑنے والا ایک سپاہی ہوں جبکہ محلوں میں سازش کا جال بننے والا مکڑا ہو اور خاموشی سے سازشوں کے جال بننے والا مکڑا زہریلے بچھو سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ تم نے میرے ساتھ مقاومت کی کوشش کی ہے اور جانتے ہو جس نے بھی میرے ساتھ جنگ کی۔ اس نے ہمیشہ شکست کھائی ہے خواہ وہ فرانس کا بادشاہ لوئی نہم ہو یا تاتاری سالار قطبو غا۔ تم میں اور ہم میں وہی فرق ہے جو جنگ میں لڑنے والے اور تھان پر بندھے ہو کے گھوڑوں میں ہے۔ مصر کی بقا اسی میں ہے کہ تم جیسے مکڑے کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی رکن الدین نے ایک جھٹکے سے اپنی تلوار نیام سے کھینچی اور قنتر کی گردن کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دی۔

قنتر کو قتل کر کے رکن الدین پیچھے ہٹا ہی تھا کہ کمرے میں رکن الدین کا وفادار اور قابل اعتماد جرنیل زین بن زبیر اندر آیا اور رکن الدین سے کہا۔

میں نے سب سنکھیا اموں اور غداروں کا صفایا کر دیا ہے۔ اب قاہرہ میں ہمیں کسی سے کوئی خطرہ نہیں ـــــ رکن الدین نے قنتر کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زین بن زبیر سے کہا۔

اس کی لاش ٹھکانے لگا دو۔

زین بن زبیر بھاگتا ہوا باہر گیا۔ کچھ سپاہی اپنے ساتھ لے آیا جنہوں نے قنتر کی لاش کو وہاں سے ہٹا دی اور فرش کو پانی سے دھو کر صاف کر دیا۔

رکن الدین پھر عمیر اور ابونواس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بولا۔

عمیر! آپ کو کچھ روز یہاں میرے پاس رکنا ہوگا۔ قنتر کی موت کے بعد مجھے ملک کا نظم و

نسق سنبھالنے میں آپ کی ضرورت درپیش ہوگی۔ اس کے بعد میں اور آپ ایک ایسی مہم پر روانہ ہوں گے جو خطرناک ہونے کے علاوہ سود مند بھی ہے۔

محل سے نکل کر باتیں کرتے ہوئے رکن الدین، عمیر اور ابونواس جب باہر آئے تو انہوں نے دیکھا سامنے سے قاضی تاج الدین چلے آرہے تھے۔ وہ سخت بدحواسی کے عالم میں تھے۔ قریب آکر انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں رکن الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں سہ پہر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ آپ کے گھر، مستقر ـــــ تاج الدین ایک دم چونک کر خاموش ہو گئے۔ ان کی نگاہ عمیر پر پڑی تھی اور انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

عمیر بیٹے تم؟ پھر عمیر کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اس سے بغلگیر ہو گئے تھے۔ علیحدہ ہوتے ہوئے انہوں نے پھر پوچھا۔

تم قید سے کب رہا ہوئے بیٹے۔ میں تو رکن الدین کو تلاش کرتے کرتے تھک کر اب قتز سے تمہاری رہائی کے متعلق دوٹوک فیصلہ کرنے آیا تھا۔

رکن الدین نے بڑے لحاظ سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

اب آپ کو قتز کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ عمیر کو زندان سے نکال کر میں نے قتز کو قتل کر دیا ہے۔

تاج الدین نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

اللہ تو بڑا بے نیاز ہے۔ تو ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ ضرور لیتا ہے ـــــ عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ چونک کر پھر بولے۔

عمیر! تم جلدی جلدی میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ وہاں تمہاری بیوی اور بچہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ دونوں ماں بیٹا کچھ کھاتے پیتے ہی نہیں۔

عمیر نے بیتاب ہو کر کہا ـــــ چلیئے۔

رکن الدین، عمیر اور ابونواس قاضی تاج الدین کے ہاں آئے۔ رکن الدین اور ابونواس کو دیوان خانے میں بٹھا کر عمیر کے ساتھ تاج الدین زنان خانے کی طرف بڑھے۔ عمیر ایک

جگہ ٹھٹھک کر رک گیا

تاج الدین نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

آجاؤ بیٹے! اس گھر میں تم سے کوئی پردہ نہیں

عمیر جب ایک کمرے میں داخل ہوا تو وہاں گھر کی عورتوں میں اریطہ اور مغیث ابھی تک اداس بیٹھے تھے۔ عمیر کو دیکھتے ہی دونوں ماں بیٹا اٹھے اور بھاگ کر عمیر سے لپٹ گئے۔ عمیر دونوں کو اپنے بازوؤں میں لے کر انہیں تسلی دے رہا تھا۔

قتز کو قتل کرنے کے بعد رکن الدین بیبرس الملک الظاہر کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ وہ عوام میں اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ قتز کو قتل کرنے کے بعد بھی اس کی مقبولیت پر کوئی اثر نہ پڑا جس رات اس نے قتز کو قتل کیا تھا۔ اسی رات مسلمان مبلغ سڑکوں میں لوگوں سے کہتے پھر رہے تھے۔ مومنو! قتز کی روح کے لئے بخشش اور اپنے نئے سلطان رکن الدین کے لئے درازی عمر کی دعائیں کرو۔

رکن الدین نے اپنے وفادار دوست زین بن زبیر کو اپنا وزیر مقرر کر دیا تھا۔ عمیر اور ابولواس کو اس نے قاہرہ میں روک لیا تھا اور دونوں جرنیل دن رات محنت کر کے مصری فوجوں کو مغلوں کے لڑنے کے انداز اور ان کی جنگی چالیں سکھانے لگے تھے۔ اربلہ اور مغیث بھی قاہرہ میں عمیر کے ساتھ رہ رہے تھے۔

ایک روز رکن الدین کے شمالی سرحدوں کے محافظ کچھ تاتاریوں کو لے کر قاہرہ آئے وہ برقائی کے سفیر تھے۔ وہ رکن الدین کے نام برقائی کا ایک خط لے کر آئے تھے جس میں برقائی نے قط بوغا کو شکست دینے پر رکن الدین کو مبارکباد دی تھی۔

برقائی کے سفیروں میں سے کچھ کو رکن الدین نے اپنے پاس روک لیا تاکہ مصری

فوجوں کو تاتاریوں کی طرز پر جنگی تربیت دیں اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو قیمتی تحائف دے کر اس نے برقائی کی طرف روانہ کر دیا۔ ان تحفوں میں قرآن کا ایک نسخہ جس کے ریشمی جزدان پر سنہرا کام تھا، دمشقی کمانیں، چاندی کے دستوں والی تلواریں، زرتار مصلیٰ، ہاتھی دانت اور صندل کا ایک مرصع تخت، ترکی گھوڑے، تیز رفتار اونٹ، زرافوں کا ایک گلہ اور ایک کلاہ شامل تھی جو مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر پہنی گئی تھی۔

رکن الدین نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط بھی برقائی کو بھجوایا جس میں اس نے لکھا تھا ایک عاجز ترک کا خط ترکوں کے خان کے نام ایک پکے مسلمان کی طرف سے ایک طاقتور نومسلم کے حضور، رکن الدین نے اس خط میں برقائی پر یہ بھی عیاں کیا کہ ہلاکو اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے جبکہ میں مسلمانوں کو متحد کر کے ہلاکو کے مقابل کھڑا کرنے میں مصروف ہوں۔

رکن الدین نے یہ بھی وعدہ کیا کہ قاہرہ کی جامع مسجد میں برقائی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا اور آخر میں اس نے بڑی عاجزی سے تحریر کیا تھا کہ جب ہلاکو مصر پر حملہ آور ہو تو برقائی اس کی پشت سے اس پر حملہ کر دے اور یہ اسلام اور مسلمانوں کی بہترین خدمت ہوگی۔

برقائی کے سفیروں کے ایک حصے کو رخصت کرنے کے بعد رکن الدین نے عمیر کو اپنے پاس روک لیا اور ابولواس کو مسکن کی حفاظت کے لئے واپس بھیج دیا اور اس کے ساتھ اربلہ اور مغیث بھی مسکن کو روانہ ہو گئے تھے۔ عمیر اور ابولواس اب فارغ ہو گئے تھے کیونکہ اب مصری فوج کو برقائی کے سفیر جنگی تربیت دینے لگے تھے۔ پھر ایک روز رکن الدین نے حکومت کی بھاگ دوڑ اپنے وزیر زین بن زبیر کے حوالے کی اور خود عمیر کے ساتھ وہ شمال کی طرف روپوش ہو گیا۔ کسی کو علم نہ ہوا کہ وہ دونوں کہاں چلے گئے تھے۔ کیونکہ وہ بھیس بدل کر رات کی تاریکی میں قاہرہ سے نکل گئے تھے۔

عمیر اور رکن الدین جاسوسی کی غرض سے ہلاکو کے لشکر میں نمودار ہوئے۔ ہلاکو اس وقت تبریز کے شمال میں بلند سطح مرتفع پر اپنے عظیم لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے تھا۔ اپنے آبائی دشت کی طرف جاتے ہوئے وہیں سے اپنے جاسوسوں کے ذریعے تاتاری لشکر

کی تباہی اور قطبوغا کے قتل کی اطلاع ملی تھی لہذا اس نے واپس دشت جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور وہیں رک کر مصر پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ قطبوغا کے ساتھ اس کے لشکر کا جو حصہ تباہ ہو گیا تھا اس کی کمی پوری کرنے کے لئے اس نے اپنے لشکر میں ان گنت ارمنی اور گرجستانی عیسائیوں کو شامل کرنا شروع کر دیا تھا۔

عمیر اور رکن الدین جب ہلاکو کے لشکر میں داخل ہوئے اس وقت رکن الدین ایک مغنی کے بھیس میں تھا اور اس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا ایک طنبورہ تھا جبکہ عمیر راہبوں کے بھیس میں تھا۔ اس نے سفید رنگ کا لمبا چغا پہنا ہوا تھا اور اس کے گلے میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔

دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ دور دور تک پھیلے ہوئے خیموں میں سے ہوتے ہوئے جب وہ ایک تاتاری نویون (افسر) کے پاس سے گزرے تو عمیر نے رکن الدین کو اشارے سے رکنے کو کہا۔ رکن الدین نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں تو عمیر اس تاتاری افسر سے تاتاری زبان میں مخاطب ہوا۔

ہمیں چھوٹے خان سے ملنا ہے۔ کیا تم ہماری راہنمائی کر سکو گے۔

اس تاتاری نے مشتبہ انداز میں رکن الدین اور عمیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ دونوں کہاں سے آئے ہیں؟

جواب رکن الدین نے دیا۔

یروشلم سے

تاتاری نے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

آپ راہب ہیں اور آپ کے ساتھ یہ مغنی ہے۔ ایک راہب اور گانے والے کا کیا ساتھ؟

عمیر نے حاضر جوابی سے جواب دیا

وہی جو ساز اور آواز میں ہے۔ گرجوں میں جب عبادت ہوتی ہے تم جانتے ہو وہاں عبادت کے وقت ساز اور گھنٹیاں بھی بجتی ہیں۔ یوں سمجھ لو جو رشتہ گرجے، عبادت اور ساز میں ہے وہی میرا اور اس مغنی کا رشتہ ہے۔

تاتاری نے لاجواب ہوتے ہوئے کہا۔

آپ لشکر کے اندر جس طرف جا رہے ہیں اس طرف آگے بڑھتے جائیں جہاں آپ کو تاتاریوں سے سجا ہوا ایک عمارت نما خیمہ نظر آئے سمجھ لو وہیں چھوٹا خان ہے۔ تاتاری اپنی راہ دیا۔ عمیر اور رکن الدین آگے بڑھنے لگے۔ ذرا فاصلے پر جا کر رکن الدین نے کہا۔ ہلاکو کے جانا حماقت ہے عمیر۔ ہم اس کے لشکر میں گھوم پھر کر اور ان کے ارادوں کے متعلق لاعات لے کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔

عمیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں ہلاکو سے ملے بغیر کیسے جا سکتا ہوں۔ میں اس سے ضرور ملاقات کروں گا۔ آپ ئن رہیں ہم یہاں سے بہت کچھ حاصل کر کے جائیں گے۔ میرا نام ولیم اور آپ کا نام یل ہو گا۔ ہلاکو کے سامنے زیادہ تر مجھے ہی بات کرنے کا موقع دیں۔ اگر آپ کو ہلاکو کے نے گانا پڑا تو گا سکیں گے؟

کیوں نہیں؟

تاتاریوں کی زبان میں گانا ہو گا۔

ضرور گاؤں گا۔ میں ایک طویل عرصہ تاتاریوں کا غلام رہا ہوں اور ان کے سب پرانے ت مجھے ازبر یاد ہیں۔

تو پھر یوں سمجھیں ہمارے سارے ہی کام سدھے ہیں۔

جب وہ ہلاکو کے بہت بڑے زرنگار خیمے کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا۔ اس نے کے باہر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر نو بیلوں کی دموں کے نشانات تھے۔ عمیر نے ڑھ کر ایک پہرے دار سے کہا۔

ہمیں چھوٹے خان سے ملنا ہے

وہ پہرہ دار اندر چلا گیا اور چند لمحوں بعد لوٹتے ہوئے عمیر سے کہا

آیئے میرے ساتھ

تاتاریوں کے قومی علم پر نو بیلوں کی دموں کے نشانات تھے۔ اس علم کو برکت کے طور پر وہ جنگ میں استعمال کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا موت کے بعد چنگیز کی روح ان نو دموں میں حلول کر گئی ہے اور جنگوں میں تاتاریوں کی مدد کرتی ہے۔

عیسیٰ اور رکن الدین اس تاتاری کے ساتھ ہلاکو کے کئی کمروں پر مشتمل خیمے میں داخل ہوئے۔ اندر ہلاکو اور اس کے پہلو میں اس کی حسین بیوی دقوزہ بیٹھے تھے۔ ہلاکو نے اپنے بال اپنے سر کے پیچھے گوندھ رکھے تھے اور اس کی بھنویں بھیڑیے کی طرح بھوری تھیں۔

کمرے میں قیمتی قالینوں کے علاوہ یونانی طرز کا خوبصورت فرنیچر بھی تھا جونہی وہ اندر داخل ہوئے ہلاکو نے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا اور وہ دونوں چپ چاپ بیٹھ گئے۔

ہلاکو اب اپنی بھاری آواز میں بولا۔

تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

عیسیٰ نے دقوزہ کی کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ہم دونوں نسطوری عیسائی ہیں اور آپ کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں ـــــ عیسیٰ کا جواب سن کا دقوزہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا کیونکہ وہ خود نسطوری عیسائی تھیں۔

ہلاکو پھر بولا

کس بات پر میرا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو؟

اس لئے کہ آپ جگہ جگہ مسلمانوں کو نیچا دکھا رہے ہیں جنہوں نے ہم سے ارض فلسطین اور یروشلم چھین رکھا ہے۔ ہماری آپ سے التجا ہے کہ اب آپ ارض فلسطین کی طرف بڑھیں اور ہمارے اعتبار سے یروشلم کو پاک کر دیں اور اس نیک کام کے کفارے میں خداوند یسوع مسیح آپ کو برکتوں سے مالا مال کر دے گا۔

تم دونوں کے نام کیا ہیں۔

میرا نام ولیم ہے اور میرے ساتھی کا نام مینجائیل ہے ہم دونوں کے پاس ایک ایک فن ہے۔

ہلاکو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

کیسا فن؟

میرا ساتھی مینجائیل آپ کو آپ کی اپنی زبان میں پرانے وقتوں کے ہوش ربا گیت سنا سکتا ہے جبکہ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ دن میں کتنی بار اور کون کونسا لباس پہن کر کس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں آپ گھوڑے پر بیٹھ کر کہاں کہاں

ئے۔ اس کے علاوہ میں آپ کو آپ کے مستقبل کے متعلق بھی تھوڑا بہت بتا سکتا ہوں۔ جو فیصد درست ہوگا۔

ہلاکو نے اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے کہا

راہب ولیم! جو باتیں تم نے کہی ہیں اگر تم پوری کر دکھاؤ تو نیلے بھیڑیوں کی قسم میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔

کیا پہلے آپ میرے ساتھی سے گانا نہ سنیں گے۔

ہلاکو نے رکن الدین سے کہا۔

مینجائیل! گاؤ کوئی پرانا گیت ـــــ بہت پرانا بورجی گون کے دور کا کوئی گیت جو گی میں حرارت پیدا کر دے ـــــ رکن الدین سنبھل کر بیٹھا طنبورے پر اس نے اپنی گلیوں کو حرکت دی پھر وہ بڑی سریلی آواز میں گا رہا تھا۔

وہ جسے لوگ بورجی گون کہتے ہیں جو اپنے ہاتھ میں بھیڑیئے کے سر کا طلائی نشان رکھتا ا اور خبیث روحوں سے لڑتا ہوا وہ برفانی دیوتاؤں کی سرزمین سے نمودار ہوا تھا جہاں اندھیرا اندھیرا رہتا ہے۔ وہ خبیث روحیں جو دور سے ایک پہاڑ یا جمے ہوئے خون کا لوتھڑا دکھائی تھیں۔ ٹنڈرا میں سے ہوتا ہوا وہ بھیڑیئے کی نیلی مادہ کی سرزمین میں داخل ہوگیا۔

وہ سمور کی کھال پہنتا تھا۔ ویرانہ نورد اور بھولا بسرا انسان تھا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں ے ساتھ جھیل بیکال اور دریائے کیرولان کی مقدس سرزمین میں داخل ہوا تو صحرائے گوبی، کوہ ائی، سائبیریا کا میدان کبیر اور شمالی برفستانوں کے درمیان گھرے ہوئے دشت میں سے تے بھڑتے اس نے سیتھیں، یوچی، آرین، ہن، تیوتانی، گاتھ، اوار، بلغاری، میگیاری اور ر قبیلوں کو کمزور کر کے دشت سے زمین کے کمر بند اور چین کی زرد مٹی کی طرف بھگا دیا۔

وہ دشمن پر سرخ شعلوں کے رقص کی طرح حملہ آور ہوتا تھا۔ لوگیں اور شکر ملی شراب ا تھا۔ وہ دریائے ٹائر کی دلدلوں سے بھی گہرا انسان تھا۔ صحرائے گوبی میں ریت کی آندھیاں شمالی طوفانوں کے جھکڑ اس کا راستہ نہ روک سکتے تھے۔ دشت کے ارد گرد باوں کے ے آج تک اس کے ہاتھوں تباہ ہونے والی قوموں کے قبرستانوں کی حفاظت کر رہے ہیں

رکن الدین خاموش ہوگیا اور طنبورہ بجنا بھی بند ہوگیا۔ ہلاکو اور دقوزہ خوشی میں تالی انے لگے تھے۔ ہلاکو نے بیحد خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

یقیناً تمہیں تاتاریوں کے پرانے گیت یاد ہیں۔ تم نے یہ کہاں سے سیکھے۔
رکن الدین نے طنبورہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔
میرا باپ ساری عمر چنگیز کے لشکر میں لڑتا رہا تھا۔ وہ صحرائے گوبی کے کنارے پر رہنے والا منگول ترک تھا۔ یہ گیت میں نے اس سے ہی سیکھے ہیں تھے۔
ہلاکو نے عمیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
راہب ولیم اب تم اپنا فن دکھاؤ
عمیر کھڑا ہو گیا۔
آپ اپنے سارے کپڑے ایک جگہ ڈھیر کر دیں اور اپنے سارے گھوڑے مجھے دکھا دیں میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔ وقوزہ اٹھی اور ہلاکو کے سارے کپڑے ایک جگہ ڈھیر کر دیئے۔
عمیر نے ان سب کپڑوں کو سونگھا۔ اس کے بعد ہلاکو اسے اپنے اصطبل میں لے گیا اور عمیر نے گھوڑوں کو سونگھ کر یہاں تک بتا دیا تھا کہ ہلاکو کون سے گھوڑے پر اور کس لباس میں سوار تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ کون سا گھوڑا اور لباس پہلے اور کونسا بعد میں استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ان گھوڑوں کے سم غور سے دیکھے جو اس روز ہلاکو نے استعمال کئے تھے اور ان گھوڑوں کے سموں کے تعاقب میں وہ لشکر میں ادھر ادھر گھومتا پھرا۔ پھر آکر ہلاکو کو بتایا کہ آپ گھوڑوں پر سوار ہو کر آج فلاں فلاں جگہ گئے تھے۔
ہلاکو شششدر رہ گیا۔ کیونکہ عمیر نے ہر بات سچی کہی تھی۔ عمیر کی طرف بڑے شوق سے دیکھتے ہوئے کہا۔
اب میرے مستقبل کے متعلق کچھ کہو۔
عمیر ہلاکو کے قریب ہوا۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے ——— ہلاکو نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ عمیر یوں ہی ہاتھ کو کچھ دیر غور سے دیکھتا رہا پھر اپنے تجربے کی بنا پر کہنا شروع کیا۔
اس وقت آپ کے دل اور ذہن میں ایک ہی جذبہ موجزن ہے جس نے آپ کی دوسری تمام خواہشوں اور مستقبل کی نشاندہی کرنے والی ہاتھوں کی لکیروں کو بالکل موسوم کر دیا ہے۔
ہلاکو نے بیتاب ہو کر پوچھا
بتاؤ وہ جذبہ کونسا ہے؟

عمیر نے ہلاکو کے ہاتھ سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا
قطز بوغا کا انتقام اور مصر کی تباہی
ہلاکو چلا اٹھا
بورچی گون کی قسم! تم نے سچ کہا ہے ——— یہ بھی بتاؤ کیا میرا حملہ کامیاب رہے گا؟
عمیر نے رُکے بغیر جواب دیا۔
اگر آپ نے اس حملے میں جلد بازی سے کام لیا تو آپ کو نقصان ہوگا۔ آپ خوب تیاری کے بعد جنگ کی ابتدا کریں۔ آپ کے ہاتھ کی لکیریں بتاتی ہیں۔ اگر آپ نے اس کام میں جلدی کی تو آپ کو جنوب اور شمال کی دو قوتوں سے قوت آزمائی کرنا پڑے گی۔
ہلاکو نے گہری سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔
جنوب کی قوت تو موت کا مسافر اور مصر کا رکن الدین بیبرس۔ شمال کی قوت کونسی ہو سکتی ہے۔ پھر وہ دفعتہً چونک پڑا۔ تم نے ٹھیک کہا وہ میرا عم زاد برقائی ہو سکتا ہے جس نے رکن الدین کے ساتھ خوب راہ و رسم بڑھالی ہے۔ اس کے علاوہ وہ موت کے مسافر کی بھی حوصلہ افزائی کر رہا ہے ——— تمہارا علم نصرالدین طوسی سے بھی زیادہ ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کرتا ہوں۔
عمیر نے ٹالتے ہوئے کہا
ہم دونوں علیحدہ رہ کر آپ کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔
کیا کر سکتے ہو؟
کیا موت کا مسافر آپ کے لئے کوئی خطرہ ہے؟
ہاں وہ میرے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کے سپاہی ہمارے ہر طریقہ جنگ سے واقف ہیں اور وہ کئی کئی ماہ تک گھوڑے کی پیٹھ پر پانی کے ساتھ ستو پھانک کر گزارہ کر سکتے ہیں۔ رکن الدین کی نسبت وہ میرے لئے زیادہ خطرہ ہے۔
اگر ہم اسے آپ کی راہ سے ہٹا دیں پھر؟
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جس طرح ہم دونوں آپ کے پاس آئے ایسے ہی اس کے پاس بھی جائیں گے اور اس کی گردن کاٹ دیں گے۔ بیشک اس کے ساتھی ہمیں پکڑ کر قتل کر دیں لیکن ہم اسے ایک دائمی ثواب جان کر کریں گے کیونکہ آپ اور دوزوہ خاتون کلیسا کی سربلندی اور خداوند یسوع کے عروج کے لئے کام کر رہے ہیں اور یہ ایک ایسا مقدس کام ہے جس کی تکمیل کے لئے ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔

ہلاکو نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اگر تم موت کے مسافر کو قتل کر دو تو میں دوزوہ کی موجودگی میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یروشلم کو فتح کر کے تمہیں وہاں کا حاکم مقرر کر دوں گا اور مصر کے لوٹے ہوئے خزانے تمہیں سونپ دوں گا۔

عمیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ——— تو ہم دونوں ابھی اپنی مہم پر روانہ ہوتے ہیں۔

ہلاکو حیرت زدہ ہو گیا ——— اتنی جلدی؟

نیک کام میں دیر کیوں ——— آپ صرف ہمارے ساتھ اپنے دو سپاہی روانہ کر دیں۔

وہ کس کے لئے؟

موت کے مسافر کو اس کے مسکن میں قتل کرنے کے بعد اگر ہم دونوں بھی وہاں مارے جائیں تو آپ کے دونوں سپاہی اس کے قتل کی خبر آپ تک پہنچا دیں گے۔

ہلاکو نے صنوبر کی ہلکی سی ایک ہتھوڑی سے پیتل کے ایک چمکدار طشت پر ضرب لگاتے ہوئے کہا۔

تم نے ٹھیک سوچا ہے۔

طشت کی گونجدار آواز پر ایک تاتاری نویون اندر آیا اور ہلاکو نے اسے کہا۔

یہ دونوں ہمارے محترم اور عزیز مہمان ہیں۔ یہ ابھی یروشلم کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ دو سپاہی ان کے ساتھ روانہ کر دو۔

ہلاکو سے مل کر عمیر اور رکن الدین تاتاری نویون کے ساتھ باہر نکل گئے۔ دو تاتاری سپاہی ان کے ساتھ کر دیئے جن کے ساتھ وہ ہلاکو کے لشکر میں سے گذرتے ہوئے جنوب مغرب

طرف بڑھنے لگے تھے۔

ہلاکو کے لشکر کے اندر ہی ایک نانبائی کی دکان کے سامنے رکن الدین نے اپنے گھوڑے کو روک کر عمیر کو آنکھ کا اشارہ کیا اور دونوں گھوڑوں سے اتر کر نانبائی کی دکان میں داخل ہوئے۔ دونوں نے وہاں کھانا کھایا اور رکن الدین نے اپنے ہاتھ سے سنہری انگوٹھی اتار کر دکان میں ایک نان کے نیچے رکھ دی اور دوبارہ وہ دونوں ان تاتاری سپاہیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

عمیر کے مسکن کے قریب آ کر بلند ٹیلے پر رکن الدین نے عمیر کو رکنے کے لئے کہا اور دونوں گھوڑوں سے کود گئے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے تاتاری سپاہی بھی نیچے اتر گئے۔

رکن الدین نے فوراً تلوار بے نیام کی اور ایک تاتاری کی گردن کاٹ دی۔ دوسرا ابھی حرکت میں آنا چاہتا تھا کہ عمیر اس کی گردن پر اپنی تلوار کی نوک رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ رکن الدین نے اپنے گھوڑے کی خرجین سے کاغذ نکالا اور ہلاکو کو ایک خط لکھا۔

رکن الدین کی طرف سے تاتاریوں کے چھوٹے خان ہلاکو کے نام ———

دشت کے بوم! تمہارے لشکر میں راہب ولیم اور مغنی مینجائیل کے بھیس میں قتل ہونے والے میں اور موت کا مسافر تھے۔ میں تمہارے ایک سپاہی کا سر کاٹ کر بھیج رہا ہوں۔ اسے موت کے مسافر کا سر سمجھ کر قبول کرو۔ میں تمہارے لشکر میں ایک نانبائی کی دکان پر ایک انگوٹھی چھوڑ آیا ہوں اگر تم میں تھوڑی سی ہمت بھی ہے تو میری انگوٹھی واپس بھیجو۔ ہلاکو یاد رکھو اب ہماری تلواریں کمند نہیں ہیں جنگ میں ہم تمہیں قبرستان کا رستہ دکھانے والا غلیظ بجو سمجھ کر تمہارا تعاقب کریں گے۔

رکن الدین نے خط اس سپاہی کی جیب میں ڈال دیا جس کی گردن پر عمیر کا زانو جمائے کھڑا تھا پھر اس کے ساتھی کا کٹا ہوا سر اس کی خرجین میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اپنے ساتھی کا کٹا ہوا سر اور میرا خط ہلاکو کے پاس لے جاؤ۔

عمیر نے اس سپاہی کی گردن سے تلوار ہٹا لی اور وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر

لہ ہیرالڈ لیم نے تاتاریوں کی یلغار میں اس واقعے کو ایسے ہی بیان کیا ہے۔

دہشت زدہ سا واپس لوٹ گیا۔ رکن الدین نے عمیر سے کہا۔

عمیر! تم ایک رات اپنے مسکن میں آرام کرو اور کل برقائی کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ وہ تمہارا دوست ہے اور اسے تم سے عقیدت ہے اسے کہنا کہ ہلاکو بہت جلد مصر پر حملہ کرنے والا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو برقائی اس کی پشت سے اس پر حملہ کر دے اس صورت میں ہلاکو اس سرزمین سے بچ کر نہ جا سکے گا۔

عمیر نے اس بات میں گردن ہلا دی اور دونوں سوار ہو کر پھر آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہلو بہ پہلو گھوڑے دوڑاتے ہوئے مسکن میں داخل ہو رہے تھے۔

دریائے دونگا کے کنارے برقائی کے آباد کئے ہوئے شہر سرائے برقائی میں اینٹوں سے بنے ہوئے محل کے ایک کمرے میں برقائی اپنے بھتیجے نوگائی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ نوگائی برقائی کے بھائی بانو کا بڑا لڑکا تھا۔ اس وقت ایک پہریدار اس کمرے میں داخل ہوا اور اپنی گردن خم کرتے ہوئے برقائی سے کہا۔

باہر دریائے یرون کی سرزمین سے ایک اجنبی آیا ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے اور اپنا نام عمیر بن خزام بتاتا ہے۔

برقائی اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور پہریدار پر برس پڑا۔

کیا تم اتنے جاہل ہو نہیں جانتے عمیر بن خزام کون ہے وہ اجنبی نہیں برقائی کا بھائی ہے۔ کاش تم اسے اپنی پلکوں پر بٹھا کر اندر لاتے ——— برقائی جب دروازے کی طرف بڑھا تو پہریدار تیزی سے بڑھ کر اس سے پہلے ہی باہر نکل گیا۔

برقائی ابھی دروازے کے قریب ہوا تھا کہ عمیر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ برقائی اپنے بازو پھیلاتا ہوا آگے بڑھا اور عمیر کو گلے لگا لیا۔ دونوں ایک دوسرے کے بازو میں بازو ڈالے آگے بڑھے۔ برقائی نے پہلے عمیر اور اپنے بھتیجے نوگائی کا تعارف کرایا ——— پھر عمیر کو

اپنے بائیں پہلو[1] میں بٹھاتے ہوئے پوچھا

میرا بھائی ایک عرصہ بعد مجھ سے ملنے آیا ہے
میں آپ کے پاس ایک التجا لے کر حاضر ہوا ہوں۔

برقائی نے کھلے دل سے کہا۔ ایک بھائی اپنے ہی بھائی سے کیونکر التجا کر سکتا ہے وہ کون سا کام ہے جسے میرا بھائی التجا کا نام دے رہا ہے۔

عمیر وقت ضائع کیے بغیر اپنے مطلب کی طرف آیا ـــــ آپ جانتے ہیں ہلاکو عنقریب مصر پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

ہاں میرے پاس ہلاکو کی نقل و حرکت کی ساری خبریں پہنچ رہی ہیں۔ تمہارے آنے سے قبل میں نوگائی کے ساتھ اسی موضوع پر بات کر رہا تھا۔ ہم نے اب تک ہلاکو کو بہت برداشت کیا ہے۔ اس نے بغداد کو برباد کیا اور ہم خاموش رہے۔ اس نے میافارقین، حلب اور دمشق میں تباہی کی خاک اڑائی اور ہم کچھ نہ کہہ سکے کہ مجبور تھے اور ہماری عسکری طاقت ہلاکو کے مقابلے میں ابھی کمزور تھی اب میں فوجی نقطہ نظر سے پوری طرح تیار ہوں۔ ہلاکو اب اگر کسی اسلامی شہر پر حملہ آور ہوا تو میں اس کے پاؤں کاٹ دوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ ہلاکو نے اگر مصر کی طرف کوچ کیا تو میں شمال کی طرف سے اس کی پشت پر حملہ کر دوں گا۔ میں اسے ایسی طویل جنگ میں جھونک دوں گا کہ وہ برسوں گرم شعلوں میں تپتا رہے گا۔

عمیر نے مطمئن ہو کر کہا ـــ یہی التجا میں بھی آپ کے پاس لایا ہوں۔

یہ التجا نہیں ہے میرے بھائی۔ ایک مسلم کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں دشمن سے مسلمان علاقوں کی حفاظت کروں۔ اس مقصد کے لئے میں نوگائی کو اپنے لشکر کے ایک بہترین حصے کے ساتھ پہلے ہی تیار کر چکا ہوں۔ ہلاکو اگر مصر کی طرف بڑھا تو نوگائی اس کے تعاقب میں ہوگا۔ میں اب پوری طرح تیار ہوں اور قدم قدم پر آپ یہ محسوس کریں گے کہ ہلاکو کے مقابلے میں آپ اور رکن الدین بیبرس تنہا نہیں برقائی آپ کے ساتھ ہے۔

عمیر نے اپنے سر سے خود اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا ـــ اگر ہم شمال اور جنوب

---

[1] تاتاری اس شخص کو جسے وہ عزیز رکھتے ہوں۔ اپنے بائیں طرف بٹھایا کرتے تھے اس کہ بائیں طرف دل ہوتا ہے جو جسم میں سب سے عزیز ہے۔

کی طرف سے گھیر کر ہلاکو کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو یہ اسلام اور مسلمانوں کی ایک بہترین خدمت ہوگی اور میں سمجھوں گا جس مقصد کے تحت میں نے دریائے یردن کی سنگلاخ چٹانوں کے اندر موت کے مسافروں کا مسکن قائم کیا ہوا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔

برقائی نے گفتگو کا رُخ بدلا۔

میرے سفیر جو قاہرہ گئے تھے انہوں نے واپس آ کر مجھے بتایا تھا کہ ایک جنگ میں قط بوغا نے چوری سے حملہ کر کے آپ کے جرنیل ہوازن کو قتل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے اس جرنیل کی موت کا صدمہ ہے۔ میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ اس کی آنکھوں میں میں نے ذہانت دیکھی تھی اور اس کے جسم میں چیتے جیسی پھرتی تھی ـــ ہوازن کے ذکر پر عمیر اداس ہو گیا تھا اور سر جھکا کر تیزی سے پلکیں جھپکا کر اپنے دل میں اٹھنے والے کرب کے طوفان پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

برقائی نے عمیر کے دائیں ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے بوسہ دیتے ہوئے بڑی ارادت مندی سے کہا۔

میں اس مجاہد کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں جس نے گلیلی کے میدان میں قط بوغا کو قتل کیا تھا جبکہ وہ ایک ایسا جرنیل تھا جسے ہلاکو نے ہمیشہ ناقابل تسخیر سمجھا تھا آپ اور رکن الدین نے مل کر قط بوغا کے لشکر کو جو شکست دی ہے اس سے ہلاکو پر یہ بات ضرور روشن ہو چکی ہوگی کہ اب مسلمان کوئی ایسا نوالہ نہیں ہیں جنہیں وہ کسی کوشش کے بغیر حلق سے نیچے اتار سکتا ہے۔ اب وہ سنبھل کر اور بڑی تیاری سے مصر کی طرف بڑھے گا ایسی صورت میں اس کی حالت قط بوغا سے مختلف نہ ہوگی ـــ برقائی کھڑا ہوتا ہوا اپنے بھتیجے نوگائی سے مخاطب ہوا۔

نوگائی! تم عمیر کے غسل اور کھانے کا بندوبست کرو۔ اس کا قیام مہمان خانے میں نہیں اس محل میں ہوگا۔ میں مستقر کی طرف جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر تک واپس آؤں گا ـــ برقائی اٹھ کر باہر نکل گیا۔ نوگائی اپنی جگہ سے اٹھا۔ عمیر کا ہاتھ تھاما پھر وہ اسے محل سے سکونتی حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔

عمیر اپنے مسکن سے ابھی چند میل کے فاصلے پر تھا کہ اس نے دیکھا پہاڑوں سے

گھری ہوئی ایک وسیع وادی کے اندر کوئی لشکر خیمہ زن تھا جہاں آگ کے الاؤ روشن تھے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ باغات کے خیموں کا ایک شہر آباد تھا۔ عمیر کے ذہن میں کئی سوالات سر ابھارنے لگے تھے۔

کیا یہ ہلاکو کا لشکر ہے؟ ——— لیکن اس کے ذہن نے خود ہی نفی کر دی یہ لشکر ہلاکو کا نہیں ہو سکتا۔ وہ جب کہیں حملہ آور ہوتا ہے تو اس طرح غافل ہو کر بہت کم قیام کرتا ہے جبکہ یہ لشکر اس طرح قیام کئے ہوئے ہے جیسے اپنے ملک اور اپنی سرزمین کے اندر ہو۔

عمیر کے ذہن نے ایک اور سوال ابھارا۔

کیا یہ شام کے قلعہ بند عیسائی نائٹوں کا لشکر ہے لیکن عمیر نے اس سوال کو بھی رد کر دیا صلیبی میرے مسکن کے اس قدر قریب اس طرح پڑاؤ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے ابھی تک ابونواس انہیں مکھی مچھروں کی طرح اڑا چکا ہوتا۔

ایک اور سوال ابھرا

کیا یہ رکن الدین بیبرس کا لشکر ہے؟

ذہن کے دوسرے کونے نے اعتراض کیا ——— لیکن کیوں؟ تیسرا کونا شاید اطمینان کی خاطر سلگ اٹھا۔ ہو سکتا ہے ہلاکو اس طرف کوچ کر رہا ہو اور رکن الدین نے پیش بندی کے طور پر یہاں اپنے لشکر کو جمع کر رکھا ہو۔

اسی سوچنے کے عالم میں عمیر جب اس لشکر سے دور رہتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹ کر اپنے مسکن میں داخل ہوا تو قلعے کی طرف جانے والے راستے کے دونوں جانب پہرہ دینے والے اس کے محافظ اپنے سالارِ اعلیٰ کو دیکھتے ہی اونچی آوازوں میں سبحان ربی الاعلیٰ کی صدائیں بلند کر رہے تھے اور یہ سلامتی کا پیغام تھا جس کا مطلب ہے مسکن میں خیریت ہے۔

عمیر ایک جگہ رک گیا۔ ایک چٹان کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے اپنے ایک محافظ کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر بھاگتا ہوا نیچے اترا اور عمیر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

عمیر نے اس سے سوال کیا۔

ہمارے مسکن کی آخری حد سے پانچ میل شمال کے رخ پر ایک بہت بڑا لشکر پڑاؤ کئے ہوئے ہے کیا تمہیں خبر ہے وہ لشکر کس کا ہے؟

سپاہی نے عمیر کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہیں زمین کی طرف جھکاتے اسے جواب دیا۔

میرے آقا! وہ لشکر مصر کے حکمران رکن الدین بیبرس کا ہے۔

عمیر نے چونک کر پوچھا۔

کیا ہلاکو ہماری طرف کوچ کر رہا ہے؟

میرے آقا! ہمیں اس بات کا علم نہیں یہ لشکر یہاں پچھلے تین روز سے قیام کئے ہوئے ہے۔ رکن الدین خود اس لشکر کے ساتھ ہے۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا ہے وہ کسی مہم پر روانہ ہونے والا ہے کہاں؟ اس کا کسی کو کوئی علم نہیں۔ نہ ہی رکن الدین کسی کو بتاتا ہے۔ ابونواس کے علاوہ ہر کوئی بے خبر ہے۔

رکن الدین اس وقت کہاں ہے؟

وہ تھوڑی دیر قبل ابونواس سے ملنے قلعے کی طرف گیا ہے۔

عمیر نے اور کچھ نہ پوچھا اور گھوڑے کو مہمیز لگا دی۔ پہریدار چٹانوں کو پھلانگتا ہوا اپنی کمین گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

عمیر جب قلعے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا دروازے کے قریب ہی رکن الدین، ابونواس اور شیبان کھڑے تھے۔ عمیر گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر اس نے تینوں سے مصافحہ کیا۔ رکن الدین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

مجھے امید تھی آپ دو ایک روز میں ضرور آ جائیں گے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ تین دن سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔

عمیر نے غور سے رکن الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کیا کہیں حملہ آور ہونا ہے؟

نہیں۔ میرے ذہن میں ایک تجویز ہے کہ ہلاکو کے مصر کی طرف کوچ کرنے سے قبل ہم شام کی آبادی کو مصر پہنچا دیں۔ میں ان کی رہائش کا انتظام کر کے قاہرہ سے نکلا ہوں۔ آبادی کو نکال کر بستیوں اور گھاس کو آگ لگا دی جائے۔ باغ اجاڑ دیئے جائیں۔ اس طرح

ہلاکو کو راستے میں کھانے کو کچھ نہ ملے گا اور انہیں گھوڑوں کے لئے خوراک مہیا کرنے کی مصیبت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا ایسی صورت میں ہم اسے نڈھال کر کے مار سکیں گے کیا آپ میری تجویز سے اتفاق کریں گے ؟

مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے ۔

تو پھر آج آپ آرام کریں ۔ کل سے ہم اپنی مہم پر روانہ ہوں گے ۔ میرے لشکر میں بیس ہزار ترک ہیں دس ہزار آپ کے سپاہی ہوں گے اور اتنے سپاہیوں کے ساتھ ہم اپنی اس مہم کو بہت جلد کامیابی سے سر کر لیں گے ۔ میرا لشکر آپ کے مسکن سے پانچ میل شمال میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے ۔ شاید آپ آتی دفعہ دیکھ بھی چکے ہوں گے میں اس وقت وہیں جا رہا ہوں اور کل آپ قلعے سے نکل کر وہیں آجائیں ۔

آج رات آپ میرے پاس ہی قیام کریں ۔

نہیں ۔ ایک سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے اندر ہی اچھا لگتا ہے جس سپہ سالار کا لشکر پتھریلی زمین پر رات بسر کرتا ہو اور خود وہ اپنے آرام کی خاطر نرم بستر استعمال کرے تو ایسا افسر ایسا سپہ سالار خائن اور غیر منصف ہے اور بہت جلد وہ اپنے سپاہیوں کی نظر میں گر جاتا ہے ۔ سپہ سالار کا سارا بھرم اس کے لشکر سے ہے ۔ جب اس کی سپاہ اس پر خوش نہیں تو اس کی حیثیت ایک کم درجے کے ڈاکو سے زیادہ نہیں ہے ۔ جب ہر کماندار اپنے سپاہیوں کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ ہو تو جنگ میں وہ اس کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں یہی اصول آپ نے بھی اپنے مسکن میں اپنا رکھا ہے ۔

رکن الدین کی باتوں پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے عمیر نے کہا

سپہ سالار کی حیثیت ہاتھ کی ہتھیلی اور سپاہی اس کی انگلیاں ہوتے ہیں ۔ جب انگلیاں کٹ جائیں تو ہتھیلی ہی نہیں سارا ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے جو فوجی کمانڈر سپاہیوں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان سے اچھا سلوک نہیں کرتا وہ بے اصل اور ناکام افسر ہے ۔

آپ جس مہم سے لوٹ رہے ہیں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہے ؟

میں برقائی سے ملا تھا

اس نے کیا کہا ؟

وہ اب جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہے اور اس نے یقین دلایا ہے کہ اگر ہلاکو مصر

کی طرف بڑھا تو میرا لشکر اس کے تعاقب میں ہوگا ۔ اس نے اپنے لشکر کے ایک بہترین حصے کو اپنے بھتیجے نوگائی کی سرکردگی میں تیار کر رکھا ہے ۔ اس کے جاسوس اسے ہلاکو کی نقل و حرکت کی خبریں پہنچا رہے ہیں ۔ ہلاکو جب جنوب کی طرف بڑھا نوگائی اپنے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں ہوگا ۔

رکن الدین پر طمانیت کی سی کیفیت طاری ہوگئی ۔

تو پھر آپ سمجھ لیں آئندہ جنگ میں ہلاکو ہمارے آگے آگے اور ہم اس کے پیچھے ہوں گے ۔ اب ہم اسے اس سرزمین سے اپنے آبائی دشت کی طرف بھاگنے کا موقع نہ دیں گے ——— رکن الدین اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا ——— میں اب چلتا ہوں ۔ میرا لشکر میرا انتظار کر رہا ہوگا ۔ آپ بھی آرام کریں ——— رکن الدین نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور قلعے سے نکل گیا ۔

عمیر جب اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا تو ابونواس نے اس سے کہا ۔

مہمان خانے میں قزوین کا ایک نوجوان ٹھہرا ہوا ہے ۔ وہ آپ کے نام قاضی شمس الدین قزوینی کا کوئی پیغام لایا ہے ۔ وہی شمس الدین جنہوں نے ہلاکو کو بامیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر حملے کی دعوت دی تھی ۔ میں نے اس نوجوان سے پیغام کی نوعیت جاننا چاہی لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا اور اصرار کرتا ہے کہ میرے پاس قاضی شمس الدین کا ایک مکتوب ہے جسے میں صرف عمیر بن حزام کو دے سکتا ہوں ۔

عمیر کے قدم رک گئے اور وہ مہمان خانے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ۔

پہلے میں اس نامہ بر سے ملنا پسند کروں گا ۔

تینوں مہمان خانے میں داخل ہوئے ۔ اندر ایک نوجوان بیٹھا تھا ۔ عمیر، ابونواس اور مہمان کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا ۔ ابونواس آگے بڑھا اور اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے عمیر کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔

عمیر بن حزام تمہارے سامنے کھڑے ہیں تم جو مکتوب دینا چاہتے ہو انہیں دیدو ۔

وہ نوجوان آگے بڑھا بڑے احترام سے اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ۔ میں ایک عرصے سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں ۔ میافارقین کے سقوط کے بعد میں آپ کے مسکن کی طرف آیا تو پتہ چلا کہ آپ تاتاریوں سے جنگ میں مصروف ہیں ۔ میں آپ کا انتظار کرتا رہا

کی ایک سرائے میں ٹھہر کر کرتا رہا۔ پھر خبریں آنے لگیں کہ آپ قاہرہ چلے گئے ہیں میں بھی قاہرہ پہنچا اور وہاں پتہ چلا کہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں پھر یروشلم چلا گیا۔ جب آپ کی رہائی کی خبر سنیں تو پھر آپ کے مسکن آیا لیکن آپ برقائی کے پاس جا چکے تھے۔ میرے پاس قزوین کے قاضی شمس الدین کا ایک مکتوب ہے۔ اس میں انہوں نے کیا لکھا ہے میں نہیں جانتا ـــــ ساتھ ہی اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکال کر عمیر کو تھما دیا۔

عمیر نے خط کھول کر پڑھا۔ شمس الدین نے لکھا تھا۔

میری قوم کے محسن! بدو، اعرابی اور صحرا نشین! آپ نے قزوین میں مجھے ان ہی ناموں سے یاد کرنے کو کہا تھا۔ میری ملت کے جفاکش مجاہد! آج میں اپنی کوتاہیوں اور کم نگاہی پر پشیمان ہوں۔ میں نے باطنیوں کے خاتمے کے لئے ہلاکو کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ میں نہ جانتا تھا کہ میں نے خرقہ سالوس میں لپیٹے درندوں کو پکارا ہے جن کی غارتگری اور قتل میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو پکارتے وقت میرے ضمیر کی بینائی جاتی رہی تھی۔

میرے عزیز! میں نے طوفانوں میں کھڑے ہو کر تاروں بھری رات اور شبنم کے خواب دیکھے تھے۔ میں نے ہمہ سوز سموم، کانٹے دار جھاڑیوں اور شرر برق کے جن شعلوں کو گڈرے کے روپ میں دیکھ کر اس لئے آواز دی تھی کہ وہ قوم کے منتشر گلوں کی شیرازہ بندی کریں گے افسوس میں ان کے اصل چہرے کو نہ پہچان سکا۔

انہوں نے بیابان کے وحشیوں اور خوفناک آسیب کی طرح قعر گمنامی سے نکل کر میری قوم کے بیش بہا گنجینوں اور سطوت کے نشانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ میں نہ جانتا تھا جن خار دار درختوں کی آبیاری کر رہا ہوں وہی اپنے دامن کو تاتار کر دیں گے۔

مجھے اب قوم کے مستقبل کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں رہی۔ میرے جہل کی وجہ سے میری قوم کو ایک کڑوی اور زہریلی گولی نگلنا پڑی ہے۔ قزوین میں آپ نے مجھ سے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ اب میرے سامنے اظہر من الشمس ہیں۔ میں نے واقعی تیز طوفانوں میں قوم کی کشتی کے بادبان کھولے تھے۔ عالم اسلام کے آسمان پر اب تاریک بادل میرا منہ چڑا رہے ہیں۔ ہر طرف تباہی کی آگ اور مایوسی کا اندھیرا ہے۔ تاتاری ہم سے ہماری آزادی کی پوری پوری قیمت وصول کر رہے ہیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا میرے بیٹے! میں نے جو

بیج بوئے تھے ان کی خون میں ڈوبی ہوئی جوان فصل میں نے اپنی خونبار آنکھوں سے کٹتی دیکھی ہے۔

میرے بیٹے! مجھے معاف کر دینا۔ میری خطاؤں کو بھول جانا۔ میں ایسا بدقسمت انسان ہوں جس کی پونجی اب انتہائی مایوسی اور ندامت کے آنسو ہیں۔ افسوس میں ان آنسوؤں سے اپنے دامن پر لگے ہوئے قوم کے خون کے چھینٹے نہیں دھو سکتا۔ میں نے قوم کی سطوت بیچ دی ہے۔ میں نے بھیڑوں کی حفاظت کے لئے بھیڑیوں کا انتخاب کیا تھا۔ میں نے ان تاتاریوں پر بھروسہ کیا تھا جو تلوار، چالاکی، دغا اور ہر فریب سے کام لیتے ہیں۔

میں نہیں جانتا میری منزل کہاں ہے۔ میں اپنی قوم کی تباہی اور بے بسی پر ذہنی طور پر مفلوج ہو چکا ہوں میری قوم کے محسن مجھے معاف کر دینا ـــــ قوم کا حقیر اور ذلیل ترین فرد شمس الدین قزوینی

خط پڑھنے کے بعد عمیر نے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جنہیں وہ بڑی مشکل سے پی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے اجنبی جوان سے پوچھا۔

قاضی شمس الدین اس وقت کہاں ہیں؟

اس نوجوان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے اور اس نے حلقوم میں منجمد ہو جانے والی آواز میں کہا۔

میں ان کے محلے کا رہنے والا ہوں۔ انہوں نے یہ خط مجھے آپ کو پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ اس کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کچھ لوگوں کی زبانی جنہوں نے تاتاریوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا سنا گیا ہے کہ وہ بیبا فارقین کی آخری جنگ میں تاتاریوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

عمیر اس بار اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا اور گرم گرم آنسوؤں کے کئی قطرے زمین پر گر کر جذب ہو گئے۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور ہونٹ بار بار پھڑ پھڑا رہے تھے۔ کچھ دیر تک وہ ایسے ہی کھڑا رہا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اس دوران میں اجنبی نوجوان نے اسکی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

مجھے اجازت دیجئے۔ میں کئی ماہ ہوئے اپنے عزیزوں سے جدا ہوں۔ مجھے بہت

جلد گھر پہنچنا چاہیئے۔ عمیر ابھی تک اپنے حواس میں نہ تھا اور کہیں کھویا ہوا تھا بے اختیار اس کا ہاتھ مصافحہ کے لئے آگے بڑھ گیا۔ اس نوجوان نے مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا۔

عمیر تھوڑی دیر وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ ابوالوس اور شیبان اس کے پیچھے تھے۔ عمیر کی گردن جھکی ہوئی تھی اور اس کی حالت اس بے بضاعت مسافر جیسی تھی جس سے اس کا سب کچھ لوٹ کر یکتا اور تنہا کر کے دھکے کھانے پر مجبور کر دیا گیا۔

رکن الدین بیبرس نے تاتاریوں کی جنگی چال ان کے خلاف ہی استعمال کی تھی۔ عمیر کے ساتھ مل کر اس نے شام میں دور دور تک یلغار کی اور شام کی مسلم آبادی کو وہ اپنے ساتھ مصر لے گیا۔ گاؤں خالی کر کے انہیں آگ لگا دی گئی۔ باغات کے درخت کاٹ ڈالے گئے اور دریائے فرات تک ساری گھاس جلا دی۔ اس طرح ہلاکو بھیڑیئے کی طرح دندناتا ہوا مصر پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ دریائے فرات سے لے کر صحرائے سینا تک اسے کہیں بھی اپنے گھوڑوں کے لئے خوراک میسر نہ ہو سکتی تھی۔

شام کے قلعہ بند صلیبیوں کی طرف سے اب کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ ایک تو موت کے مسافروں نے پہلے ہی کئی جنگلوں میں ان کی کمر توڑ دی تھی اور پھر گلیلی کے میدان میں قطوزا کے قتل اور تاتاری لشکر کی تباہی کے باعث ان مسلمانوں کی طرف سے ایک دہشت چھا گئی تھی۔ اس کے باوجود رکن الدین نے انہیں تنبیہہ کی کہ اگر انہوں نے ہلاکو [illegible] اور ان ہمارے خلاف سر اٹھانے کی کوشش کی تو بحرہ روم کے ساتھ ساتھ تمام صلیبی قلعوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا۔

پھر رکن الدین نے مصری فوج سے بیس ہزار ایسے ترکوں کا انتخاب کیا جو کبھی تاتاری

کے ایک حصے کے طور پر اہل ہنگری اور بلغاریوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے تھے اور تاتاریوں کے ہر طریقۂ جنگ سے واقف تھے۔

قاہرہ سے کوچ کر کے رکن الدین بیبرس ہزار سواروں اور رسد کے سامان کے ساتھ عمیر کے مسکن سے باہر خیمہ زن ہوا۔ عمیر بھی اپنے دس ہزار جانثاروں کے ساتھ اس کے لشکر میں آملا تھا ـــــ رکن الدین نے اپنے بیس ہزار سواروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے ماتحت رکھا اور دوسرے کا کمانڈر ابو نواس کو مقرر کیا۔ اس طرح تینوں جرنیلوں نے تیس ہزار سواروں کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کیا۔

چونکہ انتہائی شمال تک ہر چیز جلا دی گئی تھی لہٰذا دریائے یرون کے ساتھ ان کے لئے سفر اب تکلیف دہ تھا۔ اس شکل سے بچنے کے لئے وہ پہلے بحرہ روم کی طرف گئے اور سمندر کے کنارے کنارے وہ شمال کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ موصل کے انتہائی شمال میں ایک پہاڑی سلسلے کو اپنی کمین گاہ بنا کر کوہ قفقار کے اس پار برقائی سے رابطہ قائم کر لیا اور اب برقائی اور ان کے لشکر کے درمیان جاسوسوں کے ذریعے باقاعدہ تبادلۂ خیال ہونے لگا تھا۔

یہاں سے رکن الدین نے انتہائی تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ قاہرہ کی طرف روانہ کیا اور اپنے وزیر زین بن زبیر کو حکم دیا کہ مصر سے لے کر بحرہ روم کے کنارے کنارے کوہ قفقار تک رسد اور کمک کی چوکیاں قائم کر دے۔ ابن زبیر بڑی تیزی سے حرکت میں آیا اور چند ہی ماہ میں اس نے رکن الدین کے کہنے کے مطابق چوکیاں قائم کر دیں جن کے ذریعے عمیر اور رکن الدین کو ہر وقت رسد کا سامان اور تازہ دم سپاہی میسر ہو سکتے تھے۔

دو ماہ سکوت میں گزر گئے۔ دونوں طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی، آخر ۱۲۶۲ء کے جاڑے میں جبکہ ٹھٹھرتی سردی نے ہر چیز کو منجمد کر دیا تھا اور بحرہ کیسپین کے مغربی اور شمالی دریاؤں اور ندی نالوں کا پانی جم گیا تھا ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ مصر پر حملہ کرنے کی غرض سے جنوب کی طرف بڑھا۔

اس وقت کوہ قفقار کے شمال سے برقائی کا بھتیجا نوگائی اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور ہلاکو کے پیچھے پڑ گیا۔ ہلاکو کے قدم رک گئے۔ اسے ابھی اس بات کا علم نہ تھا کہ اس

کے قریب ہی رکن الدین بیبرس اور عمیر بھی اپنے لشکر کے ساتھ کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ہلاکو نے مصر پر حملہ کرنے سے قبل برقائی پر حملہ آور ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

ہلاکو واپس لوٹا اور شمال کی طرف بڑھا۔ رکن الدین اور عمیر بھی اپنے لشکر کے ساتھ کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ ہلاکو نے کوہ قفقار کے برف پوش دروں کو عبور کیا اور نوگائی کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ نوگائی نے تھوڑی دیر تک ڈٹ کر مقابلہ کیا پھر وہ شمال کی طرف دریائے تیرک کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ہلاکو اپنے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں لگ گیا اور ہلاکو کے پیچھے ترکوں اور موت کے مسافروں کا لشکر عمیر اور رکن الدین کی سرکردگی میں بھاگ رہا تھا۔

تینوں لشکر آگے پیچھے دریائے تیرک پر جمی ہوئی برف پر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے دریا کو عبور کر گئے۔ نوگائی دریائے تیرک کو عبور کر کے اب دریائے دونگا کی طرف بھاگ رہا تھا۔ نوگائی کی یہ ایک جنگی چال تھی جو اس نے رکن الدین اور عمیر سے پیغام رسانی کے ذریعے طے کی تھی اور وہ اسی پر تیزی سے عمل کر رہا تھا جبکہ ہلاکو نوجوان نوگائی کی ہر چال سے بے خبر اس طرح اس کا تعاقب کر رہا تھا جیسے بھوکے بھیڑیئے گورخروں کے گلوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

طے شدہ تجویز کے مطابق ایک مناسب جگہ آ کر رکن الدین، عمیر اور ابو نواس اپنے اس ہزار سواروں کے ساتھ ہلاکو کی پشت پر حملہ آور ہوئے۔ ہلاکو نوگائی کا تعاقب کرتے کرتے رک گیا اور پہلے پشت پر حملہ کرنے والے دشمن کی سرکوبی کے لئے جب پیچھے کی طرف پلٹا تو اس کے آگے آگے بھاگتا ہوا نوگائی بڑی تیزی اور سرعت سے پلٹا اور ہلاکو پر حملہ کر دیا۔

ہلاکو اب چکی کے دو سخت پاٹوں کے درمیان جنس کی طرح پس رہا تھا۔ ایک طرف ترک اور موت کے مسافر آہن گروں کی طرح اس پر ضربیں لگا رہے تھے تو دوسری طرف نوگائی اس کے پاؤں کی زنجیر بن گیا تھا۔ ان تین متحدہ لشکروں کے سامنے ہلاکو زیادہ دیر ٹھہر سکا اور اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا جب وہ جمے ہوئے دریائے تیرک پر سے گزر رہا تھا اور نوگائی، رکن الدین اور عمیر مارتے دھاڑتے اس کا تعاقب کر رہے تھے تو دریا کی برف ٹوٹ گئی۔ ہلاکو کے لشکر کا ایک حصہ برف میں دب کر تباہ ہو گیا۔ ہلاکو اس جنگ میں

زخمی ہوا اور اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ کوہ قفقاز کے جنوب میں اس جگہ آیا جہاں سے اس نے کوچ کیا تھا اور جہاں اس کے لشکر کا ایک حصہ پڑاؤ کیئے ہوئے تھا۔ نوگائی، عمیر اور رکن الدین کے ہاتھوں ہلاکو کی یہ ایک بدترین شکست تھی۔

اب ہلاکو نے اپنے تین متحدہ دشمنوں کے خلاف کھل کر میدان میں جنگ کرنے کے بجائے چھاپہ مار جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ برقائی اور ہلاکو کی اس جنگ کو صرف ایک ہی قوت روک سکتی تھی اور وہ آباقا دشت کا خاقان تھا لیکن اسوقت جبکہ منگو مر چکا تھا جھیل بیکال اور دریائے کیرولان کی سرزمین پر کوئی خاقان نہ تھا۔

ہلاکو نے اپنی شکست کا داغ دھونے کی خاطر اندر ہی اندر وسیع پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ان گنت ارمنی اور گرجستانی عیسائیوں کو اپنے لشکر میں شامل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ یورپ کی عیسائی دنیا کو اپنے ساتھ ملانے کے لیئے ہلاکو نے ایک اور چال چلی۔ اس نے قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی میرایا کا رشتہ اپنے بیٹے اباقا کے لیئے مانگا۔ قسطنطنیہ کا بازنطینی قیصر اس رشتے کے لیئے رضامند ہو گیا اور اباقا کی شادی میرایا سے ہو گئی۔ یہ ہلاکو کی ایک بہت بڑی چال تھی وہ یورپ کے سارے عیسائی حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی صلیبی جنگ کی ابتدا کرنا چاہتا تھا۔

لیکن رکن الدین نے ہلاکو کی اس چال کو بھی ناکام بنا دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسے نازک دور میں جبکہ مصر کے علاوہ اسلامی ملکوں پر سکوت طاری تھا ایک نہ ختم ہونیوالی صلیبی جنگ کی ابتدا ہو لہذا اس نے فوراً برقائی کو پیغام بھیجا کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ سے اس کی دوسری لڑکی کا رشتہ نوگائی کے لیے مانگے۔ برقائی نے ایسا ہی کیا اور اس طرح قیصر کی دوسری لڑکی کی شادی نوگائی سے ہو گئی۔ اب ہلاکو کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتا تھا کیوں کہ قسطنطنیہ کا بادشاہ ہلاکو اور برقائی دونوں میں برابر کا بٹ گیا تھا اور اس طرح رکن الدین نے ہلاکو کی صلیبی جنگ شروع کرنے کی چال کو ناکام بنا دیا تھا۔

۱۲۶۴ء میں اپنی پوری تیاری کے بعد ہلاکو پھر ایک نئی جنگ کا آغاز کرنے کے لیئے پڑاؤ سے نکلا۔ اس نے پچھلی جنگ کے سارے نقصانات کی تلافی کر لی تھی اور ارمنی اور گرجستانی عیسائیوں کو وہ بہتر تربیت دے کر میدانِ جنگ میں لایا تھا۔ ان ہی دنوں آسمان پر ایک

دمدار ستارہ نمودار ہوا۔ ہلاکو کے لشکر میں جو مسلمان نجومی تھے انہوں نے دمدار ستارہ دیکھ کر ہلاکو سے کہا کہ جنگ نہ کی جائے۔ ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

ہلاکو نے ان کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور کوہ قفقاز کے پہاڑی سلسلے کے اندر ہولناک جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس بار نوگائی ایک طرف سے تو دوسری طرف سے رکن الدین اور ابونواس ہلاکو پر حملہ آور ہوئے۔ عمیر کو انہوں نے اچانک حملہ آور ہونے کے لیئے اپنے لشکر کے ساتھ ایک محفوظ جگہ گھات پر بٹھا دیا تھا۔ جنگ جب زور پکڑ گئی تو عمیر گھات سے یوں نکلا جیسے شیر اپنی کچھار سے نکل کر حملہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح وہ بھی ہلاکو کے لشکر پر اس کی پشت سے حملہ آور ہوا اور ہلاکو کے لشکر میں دور تک یوں گھستا چلا گیا جیسے تربوز میں تیز خنجر گھونپ دیا گیا ہو۔

ہلاکو نے اپنے دو جرنیلوں کو نوگائی، رکن الدین اور ابونواس کے ساتھ جنگ میں مصروف رکھا خود وہ پلٹا اور پشت پر سے حملہ کرنیوالے عمیر کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ ہلاکو کے لشکر اور موت کے مسافروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ موت کے مسافر اپنی قوم کی پچھلی ساری کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر رہے تھے۔ عمیر اور ہلاکو لڑتے لڑتے ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے تھے ایک دم ہلاکو اپنے ذاتی محافظوں کے ساتھ عمیر پر حملہ آور ہوا۔ موت کے مسافر بھی عمیر کے گرد حلقے کی صورت میں لڑ رہے تھے لیکن عمیر اس حلقے کو توڑ کر باہر نکلا اور ہلاکو پر حملہ آور ہوا۔ جب اس نے ہلاکو کے شانے پر تلوار گرائی تھی تو کئی تاتاری عمیر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ موت کے مسافروں نے آگے بڑھ کر عمیر کا دفاع کرنا چاہا لیکن اس وقت تک کئی تلواریں عمیر پر برس چکی تھیں اور وہ بُری طرح زخمی ہو کر اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈگمگانے لگا تھا تاہم موت کے مسافروں نے اس کے گرد ایک حصار قائم کر لیا تھا۔ اتنی دیر تک شیبان ایکطرف سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور عمیر کو سنبھالنے لگا۔

ہلاکو کو پھر شکست ہوئی وہ جنگ میں آنے والے زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا تھا اور نوگائی، رکن الدین اور ابونواس اس کے لومڑیوں کی طرح بھاگتے ہوئے لشکر کا تعاقب کر رہے تھے۔ رکن الدین، عمیر کے زخمی ہونے کی وجہ سے جلدی لوٹ آیا جب کہ نوگائی نے بھاگنے والوں کا تعاقب جاری رکھا۔ شاید وہ ان کے ایک ایک سپاہی کو چن چن کر قتل کرنا چاہتا تھا۔

موت کے مسافروں نے جنگ کے میدان میں ہی خیمے نصب کر دیئے تھے ایک خیمے

کے اندر چٹانوں کے اوپر گدے ڈال کر انہوں نے عمیر کو لٹا دیا تھا اور شیبان اس کے زخموں کی دیکھ بھال کرنے لگا تھا۔ عمیر پر ابھی تک غشی طاری تھی۔

رکن الدین اور ابونواس جب ہلاکو کے لشکر کے تعاقب سے واپس آئے تو انہوں نے عمیر کے زخمی ہو جانے کا سنا تو وہ بھاگتے ہوئے اس خیمے میں گئے جس کے اندر عمیر کو رکھا گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا عمیر بُری طرح زخمی تھا۔ اس پر ابھی تک غشی طاری تھی اور شیبان اس کے زخموں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

رکن الدین اور ابونواس کو دیکھتے ہی شیبان کھڑا ہو گیا۔ تینوں تھوڑی دیر تک نیم بیہوشی کے عالم میں پڑے عمیر کو بڑی مایوسی سے دیکھتے رہے۔ عمیر کی حالت دیکھ کر ابونواس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ شیبان کی طرف دیکھتے ہوئے ابونواس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

میرے آقا کے زخم کب تک ٹھیک ہو جائیں گے؟

شیبان نے منہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گردن جھک گئی اور اس نے بھیگی پلکوں کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا۔

اس جواب پر ابونواس کے جسم میں آگ لگ گئی تھی۔ غصے میں بل کھا کر وہ آگے بڑھا اور شیبان کا گریبان پکڑ کر اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنی طرف کھینچتے ہوئے غرا کر کہا۔

تم نے جس سپاہی کے زخم کو بھی ہاتھ لگایا وہ ٹھیک ہو گیا۔ آج جب کہ میرے آقا زخمی ہو گئے ہیں تم کیسے کہہ سکتے ہو وہ اچھے نہیں ہو سکتے ——— ابونواس پر جنون طاری ہو گیا تھا ——— اس نے اور زور سے شیبان کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ تمہیں ان زخموں کو اچھا کرنا ہو گا ورنہ ——— ابونواس رک گیا شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے شیبان کا گریبان پکڑ کر غلطی کی ہے لہٰذا اس نے شیبان کا گریبان چھوڑ دیا اور شیبان کے قدموں پر گرتے ہوئے اس نے دکھ اور غم سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

اگر عمیر بن حزام کو کچھ ہو گیا تو ابونواس زندہ نہ رہ سکے گا، وہ اس کے غم اور جدائی میں گھل گھل کر خود ہی مر جائے گا ——— پھر ابونواس کے حلق میں جیسے کانٹے پڑ گئے ہوں اور اس کی آواز ڈوب گئی تھی۔

رکن الدین اپنی بھیگی پلکوں سے کبھی بیہوش پڑے عمیر اور کبھی ابونواس اور شیبان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شیبان نے ابونواس کو اوپر اٹھاتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں آقا کی زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں۔ فوراً پیغام بھیج کر اریطہ اور مغیث کو یہاں بلا لو تاکہ آقا ہم سے رخصت ہونے سے قبل اپنی بیوی اور بچے کو دیکھ لیں۔ ابونواس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا جسم کپکپا کر رہ گیا تھا اور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جاسوس کبوتر ابونواس کا پیغام لے کر فضاؤں کو چیرتا ہوا دریائے یرون کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

عمیر ہوش میں آچکا تھا اور بستر پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ جسم سے شاید زیادہ خون نکل جانے کے باعث اس کا رنگ پیلا اور جسم نزار ہوگیا تھا۔ اس کے گرد چٹائیوں پر اس کے سر کے قریب رکن الدین اور دوسری طرف شیبان بیٹھے تھے۔ عمیر کے عین سامنے اس کے پاؤں کے قریب ابونواس بیٹھا تھا۔

عمیر نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ چند لمحوں تک اس نے بڑی ہی بے بسی کے عالم میں رکن الدین کو دیکھا۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے شاید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ کہہ نہ سکا اور دوبارہ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

رکن الدین نے عمیر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

عمیر نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اس کے ہونٹوں نے حرکت کی اور نحیف سی آواز سنائی دی۔

رکن الدین! اب جب کہ ہلاکو مر چکا ہے میں سمجھتا ہوں میری زندگی کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ میں ہر رات سونے سے قبل خدا کے حضور دعا مانگا کرتا تھا کہ اے زمین و آسمان

کے یزدان میں اپنی قوم کے دشمنوں کو شکست دے سکوں۔ میرے دل میں ایک آرزو تھی کہ میں تاتاریوں کو ایسی عبرتناک شکست دوں کہ وہ پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکیں ——

رکن الدین! میرے خدا نے میری یہ دعا قبول کی اس نے بارہا مجھے موت کے منہ سے بچایا۔ اس نے کئی جنگوں کے دوران اس وقت مجھے اپنی پناہ میں رکھا جب میری موت یقینی ہوتی تھی۔ اس نے بغداد سے مجھے اس حالت میں نکال لیا جبکہ موت کے سائے مجھ پر منڈلا رہے تھے۔ اب میں اپنے رب سے اپنی زندگی کی بھیک نہیں مانگتا میری زندگی کا جو عظیم مقصد تھا وہ ہلاکو کی موت پر پورا ہو چکا ہے۔

عمیر خاموش ہوگیا۔ رکن الدین، ابونواس اور شیبان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے جھلملانے لگے تھے۔ عمیر کی نحیف آواز دوبارہ سنائی دی۔

رکن الدین! میرے مرنے کے بعد اگر تم میرے مسکن کو ختم کرنا چاہو تو بیشک کر دینا میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن —— اس کے ساتھ میری استدعا ہے میرے وہ سپاہی جو تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے اور جن کا اس وسیع آسمان کے نیچے کوئی ٹھکانہ نہیں تم انہیں اگر اپنی فوج میں شامل کر کے مصر میں آباد ہونے کی اجازت دیدو تو یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا۔

میرے دو بھائی تھے ہوازن اور ابونواس —— ہوازن پہلے ہی ہم سے روٹھ چکا ہے۔ میرے بعد ابونواس کا خیال رکھنا۔ یہ ایک بے بدل جرنیل ہے اور ہمیشہ تمہارے —— عمیر اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ ابونواس اس کے پاؤں پر سر رکھ کر بالکل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور پھٹی پھٹی آواز میں اس نے عمیر سے کہا۔

میرے آقا! ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میں مر جاؤں گا میرے آقا! —— میں مر جاؤں گا۔

عمیر نے اپنے سامنے ابونواس کی طرف دیکھا جو اپنے آنسوؤں سے عمیر کے پاؤں دھو رہا تھا۔ عمیر نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

فنا ہر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ موت ایک ایسا دشمن ہے جس کے سامنے سب کو ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔ تم میرے کو ہ پیکر بھائی ہو میرے بعد اپنے ساتھیوں کا خیال رکھنا —— ابونواس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

ابونواس صرف آپ کی موجودگی میں کوہ پیکر تھا۔ آپ کے بعد یہی ابونواس ریت کا ایک ڈھیر ہوگا اور وقت کی تیز آندھیاں اسے جگہ جگہ اڑاتی پھریں گی ——

میرے بعد میری بیوی اور بچے کا خیال رکھنا —— مغیث کو اپنی رہنمائی میں اسی طرح جنگی تربیت دینا جس طرح میرے باپ نے ہم بھائیوں کو مومولے سے شاہباز بنا دیا تھا۔ جب وہ جوان ہو تو اسے اپنی بیٹی سے بیاہ دینا تاکہ میرے تمہارے رشتے کی زنجیر نہ ٹوٹے۔

ابونواس پھر بڑبڑایا۔

آپ کی رہنمائی میں ہم بحر و بر کے مالک تھے اور دشمن ہماری ہیبت سے کانپتا تھا۔

آپ کے بعد —— ابونواس کچھ نہ کہہ سکا اور عمیر بول پڑا۔

ہم سب قدرت کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

عمیر اور ابونواس جب دونوں خاموش ہو گئے تو رکن الدین نے عمیر سے کہا۔

آپ کے بعد آپ کا مسکن اسی طرح رہے گا اور ابونواس اس کا سالارِ اعلیٰ ہو گا اور میں مصر کی باقاعدہ فوج کی طرح آپ کے ساتھیوں کو بھی بیت المال سے تنخواہ دوں گا

عمیر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خیمے کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ وہ گمنام اور نقاب پوش لڑکی جو عمیر سے محبت کرتی تھی خیمے میں داخل ہو کر وہیں کھڑی ہو گئی تھی وہ نڈھال نڈھال اور کٹی کٹی سی لگتی تھی۔

ابونواس نے بھی عمیر کی آنکھوں کے تعاقب میں خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا جس سے اس کی ملاقات قاہرہ میں ہوئی تھی اور جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ عمیر سے محبت کرتی ہے۔

ابونواس نے اپنے آنسو پونچھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے رکن الدین اور شیبان کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ تینوں ایک ساتھ اٹھے اور خیمے سے باہر نکل گئے۔

وہ نقاب پوش اور گمنام لڑکی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ منہ سے کچھ کہے بغیر لڑکھڑاتی ہوئی وہ عمیر کے قریب کھڑی ہو گئی اور اس کے خود کے نقاب کے نیچے سے آنسو نکل نکل کر اس چٹائی پر بکھرنے لگے تھے جس پر وہ کھڑی تھی۔

عمیر نے گھائل آواز میں اس لڑکی کو مخاطب کیا۔

اب جبکہ میں ہمیشہ کے لئے تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ کیا تم اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا نہ دو گی۔ میں چند ساعتوں کا مہمان ہوں انکار نہ کرنا۔ میں جاننا چاہتا ہوں میری محسن کون ہے؟

لڑکی ہچکیاں لے کر رونے لگی تھی۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے اور اس نے اپنے سر سے خود اتار کر چٹائی پر پھینک دیا۔ عمیر اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا ——

—— وہ —— وہ مریانہ تھی —— وہی حسین و دلکش اور محنت سے تراشے ہوئے جسم والی مریانہ جو راہبہ تھی اور عمیر کے لئے جاسوسی کرتی رہی تھی —— عمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ مریانہ کے سرخ اور ریشمی بال کھل کر اس کے کولہوں تک پھیل گئے تھے عمیر نے چونک کر پوچھا۔

کیا تم —— مریانہ نیچے بیٹھ گئی اور عمیر کی گردن کے گرد اپنے بازو ڈال کر اس کے چہرے پر اپنا چہرہ رکھتے ہوئے اس نے روتے روتے کہا۔

میں ہی وہ لڑکی ہوں جس نے یروشلم میں آپ کی ٹانگ کے زخم پر پٹی باندھی تھی جس نے منصورہ میں آپ کو سانپ کے ڈسے کی چھاگل پیش کی تھی۔ میں ہی آپ کو بغداد سے نکال کر لائی تھی جب آپ بری طرح زخمی تھے اور قاہرہ میں قاضی تاج الدین کے پاس میں ہی آپ کی رہائی کے لئے روتی رہی۔ میں ہی وہ لڑکی ہوں جس نے قاہرہ کے زندان سے باہر آپ کی رہائی پر آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے تھے۔

میرے آقا! میں اول سے ہی جب کہ آپ مسکن کے نائب سالار تھے۔ آپ سے محبت کرتی تھی۔ میں ہر جنگ میں آپ کے ساتھ ہوا کرتی تھی اس خیال سے کہ میں آپ کی حفاظت کر سکوں۔ آپ جہاں بھی جاتے تھے میں سائے کی طرح آپ کے ساتھ ہوا کرتی تھی لیکن آپ نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو —— آپ نے کبھی میرے سر سے زبردستی خود اتار کر یہ نہ کہا میں تم سے محبت کرتا ہوں اور میں آپ کے منہ سے صرف یہی الفاظ سننے کی خاطر تپتے صحرا میں تنہا کھڑے کسی درخت کی طرح سرد و تاریک راتوں میں اکیلی زندگی بسر کرتی رہی ——

میرے آقا! کاش آپ نے میرے سر سے خود نوچ کر پھینک دیا ہوتا۔ کاش آپ میرا ہاتھ تھام کر صرف ایک بار پیار سے کہہ دیتے۔ تم میری ہو۔

میں خود بھی یہ الفاظ کہہ سکتی تھی لیکن آپ اریطہ سے شادی کر چکے تھے اور میں

اپنی طرف سے اس کی خوشیوں کی حصہ دار بننے کی ابتدا نہ کر سکتی تھی ـــــ میں چاہتی تھی کہ یہ ابتدا آپ کی طرف سے ہو۔ اس طرح اریطہ کو بھی اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں آپ کی بیوی بنوں لیکن میری ساری آرزوئیں راکھ اور خشک پتوں کی طرح بکھر گئی ہیں۔ مریانہ ہچکیاں لے کر رونے لگی تھی اور اس کے آنسو عمیر کے چہرے پر گر رہے تھے۔ عمیر کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو چھوٹ نکلے تھے اور دونوں کے آنسو مل کر دھارے کی شکل میں بستر پر گر رہے تھے۔

خیمے سے باہر ابونواس دونوں کی گفتگو سن کر آنسو بہا رہا تھا جبکہ رکن الدین اور شیبان ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے ـــــ عمیر کی کربناک آواز سنائی دی۔

کیا تم عیسائی ہو؟

سسکتے سسکتے مریانہ نے کہا۔

میں مسلمان ہوں صلیب کا سہارا میں نے صرف آپ کے لئے کام کرنے کی خاطر لیا تھا۔

عمیر نے بہتے آنسوؤں میں پھر پوچھا۔

تمہارا گھر کہاں ہے؟

میرا کوئی گھر، کوئی ٹھکانہ اور کوئی آسرا نہیں۔ میں خطا کی رہنے والی ایک تاتاری لڑکی ہوں۔ ہماری بستی صحرائے گوبی کے کنارے تھی۔ میرا باپ جوانی میں ایک مسلم مبلغ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا تھا اور وہ مبلغ میرے باپ کے کردار اور اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اسے الماليق لے گیا جہاں اس کے اپنے باغ تھے۔ اس مبلغ کا کوئی لڑکا نہ تھا صرف ایک حسین لڑکی تھی جس کی شادی اس نے میرے باپ سے کر دی۔ میری ماں عرب تھی۔

جب تاتاریوں نے خطا کے علاقے کو روند ڈالا تو میرے ماں باپ ہجرت کر کے بخارا آ گئے پھر جب چنگیز خاں نے بخارا اور سمرقند میں تباہی اور بربادی کی آگ بھڑکا دی تو میرے ماں باپ مصر کی طرف کوچ کر گئے جس گرجے میں اب تک میں راہبہ بن کر رہ رہی تھی اس گرجے کے قریب میرے ماں باپ ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ وہاں پانی کے دو چشمے تھے اور میرا باپ وہاں کھیتی باڑی کرنے لگا۔ میں اسی جھونپڑی کے اندر پیدا ہوئی تھی۔ میری پیدائش کے بعد میری ماں مر گئی۔

پھر ہمارے قریب ہی آپ کے باپ نے مسکن بنا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے گرد مجاہدوں کی ٹولیاں جمع ہونے لگیں اور وہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ حال مسلم قافلوں کی حفاظت کرنے لگے۔ بحرہ روم کے کنارے مضبوط قلعوں میں بسنے والے عیسائیوں کو یہ بات ناگوار گزری تھی کہ ان کے قریب ہی کوئی مسلمان مضبوط قلعہ بنا لے لہذا انہوں نے آپ کے باپ کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

ان ہی دنوں اس گرجے کا راہب مر گیا۔ میرے باپ کے ذہن میں خیال آیا کہ گرجے پر قبضہ کر کے اپنی قوم کے حق میں استعمال کرنا چاہیئے لہذا ہم دونوں باپ بیٹی نے گلے میں صلیبیں پہن لیں۔ میرا باپ عیسائی مذہب سے کافی واقفیت رکھتا ہے لہذا ایک راہب کے روپ میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ انہوں نے مجھے بھی عیسائیت کے بنیادی اصول سکھا دیئے اور یوں ہم دونوں باپ بیٹی آپ کے جاسوسوں کو تاتاریوں اور صلیبیوں کے متعلق خبریں پہنچانے لگے۔

میں نے آپ کو پہلی بار اس وقت دیکھا جب آپ اپنے باپ کی موت کے بعد مسکن کے سالار اعلیٰ طواس کے ساتھ ایک نائب کی حیثیت سے ایک مسلمان قافلے کی حفاظت کرتے موصل کی طرف گئے تھے ـــــ عمیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

تمہارا باپ کہاں ہے؟

مریانہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

وہ اسی گرجے میں ہے۔ وہ جانتا ہے میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ کاش وہ اس وقت یہاں ہوتا اور دیکھتا اس کی بیٹی کس قدر مجبور اور بے بس ہو گئی ہے وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا اور گرجے کے شمال میں ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر روز میری راہ دیکھتا ہو گا۔

عمیر نے اپنے چہرے پر بکھرے ہوئے مریانہ کے سرخ اور ریشمی بال ایک طرف ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

مرنے سے پہلے اگر میں تمہیں اپنی بیوی بنا لوں پھر؟

مریانہ نے امیدوں بھرے لہجے میں کہا۔

یہ تو میری خوش قسمتی ہو گی۔ میں سمجھوں گی آپ کی محبت میں تپتے ہوئے میں نے جو ایک عرصہ تنہائی میں گزارا اس کی تلافی ہو گئی ہے ـــــ میں جانوں گی میں نے اپنی زندگی

میں کچھ نہیں کھویا۔ اگر اس دنیا میں نہیں تو حشر کے روز میرا خدا اور اس کے فرشتے جاننے والے ہوں گے کہ میں عمیر بن حزام کی بیوی ہوں۔

عمیر نے اپنی پوری طاقت صرف کر کے پکارا۔

ابونواس! ابونواس!

ابونواس بھاگتا ہوا دروازے پر آیا اور اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

میرے آقا! مجھے پکارا آپ نے؟

عمیر نے ہاتھ کے اشارے سے ابونواس کو آگے بڑھنے کے لئے کہا اور وہ عمیر کے پاس جا کھڑا ہوا ——— عمیر چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

ابونواس! مرنے سے پہلے اگر میں مریانہ سے شادی کرنا چاہوں تو تمہیں اعتراض ہے؟

ابونواس نے بڑی انکساری سے کہا۔

میرے آقا! میں آپ دونوں کی ساری گفتگو سن چکا ہوں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں ابونواس اسے رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

تو پھر ہم دونوں کا نکاح پڑھا دو۔

ابونواس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ عمیر اور مریانہ کا نکاح پڑھایا اور دوبارہ اٹھ کر باہر نکل گیا ——— عمیر نے مریانہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ———

اب تمہیں مجھ سے کوئی شکوہ نہ ہونا چاہیئے۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتی ہو تمہاری ساری آرزوئیں راکھ اور خشک پتوں کی طرح بکھر گئی ہیں ——— آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی مریانہ مسکرا دی تھی اور اپنا چہرہ دوبارہ عمیر کے چہرے پر رکھ دیا تھا۔ عمیر نے اس کا منہ اور بال چوم لئے تھے۔ باہر آہٹ ہوئی اور مریانہ علیحدہ ہو کر چٹائی پر بیٹھ گئی تھی۔

رکن الدین، ابونواس اور شیبان دوبارہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ رکن الدین عمیر کے سر کے قریب بیٹھ گیا اور شیبان عمیر کی نبض محسوس کر رہا تھا۔ ابونواس مریانہ کے قریب آیا اور بڑی شفقت سے کہا۔

میں جانتا ہوں جب سے عمیر زخمی ہوا ہے تم نے کچھ کھایا پیا نہ ہوگا۔ شام ہونے والی ہے۔

آؤ میرے ساتھ کھانا کھا لو۔

مریانہ نے اداس لہجے میں کہا

مجھے بھوک نہیں

اچھی بہنیں ضد نہیں کرتیں۔

مریانہ خاموش رہی۔ ابونواس نے عمیر سے کہا۔

میرے آقا! یہ بھوکی پیاسی بیٹھی ہے اسے کہیں کھانا کھا لے

عمیر بھی بول پڑا ——— جاؤ مریانہ کھانا کھا آؤ ——— پر جلدی لوٹ آنا ——— مریانہ کسی معصوم بچے کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی اور ابونواس کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ افق کے لب ابھی تک خون آلود تھے رات اپنے پنکھ پسار کر دراز کرتی جا رہی تھی۔ لشکر کے سپاہی مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھا رہے تھے۔ رکن الدین، ابونواس اور شیبان اسی طرح عمیر کے پاس بیٹھے تھے اور مریانہ عمیر کے پاؤں پر اپنا منہ رکھ کر رو رہی تھی۔ عمیر کی حالت بہت بگڑ چکی تھی اور اس پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی

خیمے کے باہر گھوڑوں کی ہنہنا رکنے کی آواز سنائی دی۔ رکن الدین، ابونواس اور شیبان چونک پڑے۔ تینوں جلدی جلدی اٹھ کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا خیمے کے قریب ہی ایک ٹکھی رکی تھی جسے موت کے مسافروں نے گھیر رکھا تھا اور اس ٹکھی میں سے ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اریطہ اور مغیث اترے تھے۔

شیبان بھاگتا ہوا خیمے میں گیا اور مریانہ سے کہا۔

خاتون! میرے آقا کی بیوی، بیٹا آئے ہیں۔ وہ خیمے میں آ رہے ہیں۔ تم تھوڑی دیر کے لئے باہر آ جاؤ۔

مریانہ نے شیبان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور عمیر کے پاؤں پر اپنا سر رکھ کر روتی رہی اس کے حسین اور نازک لب عمیر کے پاؤں کے تلوؤں کو چھو رہے تھے۔ عمیر جو اس وقت ہوش

میں تھا۔ شیبان سے مخاطب ہوا۔

اسے یہیں رہنے دو۔ اریطہ اور مغیث سے کہو اندر آ جائیں ——— شیبان باہر نکل گیا اور ابونواس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ابونواس نے اریطہ کی راہنمائی کی اور وہ مغیث کا ہاتھ تھامے عمیر کے خیمے کی طرف بڑھی اس کا اترا چہرہ اور سوجی ہوئی سرخ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خوب روتی رہی ہے۔

دونوں ماں بیٹا خیمے میں داخل ہوئے۔ بدحواسی کے عالم میں آگے بڑھے اور عمیر سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ عمیر نے دونوں کے گرد اپنا بازو ڈال کر انہیں لپٹا لیا تھا۔ پھر اس نے اریطہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

میری روح شاید پرواز کرنے کے لیے تم دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ پھر اس نے مریانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ——— ادھر دیکھو اریطہ یہ وہی نقاب پوش لڑکی ہے جس نے مجھے بغداد سے نکالا تھا۔ جبکہ میں زخمی تھا اور موت میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ اب یہ میری بیوی ہے۔ میرے بعد اسے میری امانت سمجھ کر اس کا خیال رکھنا۔

عمیر چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔ اپنی اکھڑتی ہوئی سانس کو درست کیا اور روتے ہوئے بشت کو لپٹاتے ہوئے کہا۔

میرے بیٹے! میرے بعد اپنی ماں کا خیال رکھنا۔ میرے بعد تم ہی اس کی حفاظت اور مت کرنے والے ہو ——— ہچکیاں لے لے کر روتا ہوا مغیث منہ سے کوئی جواب نہ دے سکا ——— عمیر کہتے کہتے رک گیا۔ اریطہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ گھبرا کر اریطہ نے شیبان کو آواز دی۔ وہ بھاگتا ہوا اندر آیا اور عمیر کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ دی تھیں۔ رکن الدین اور ابونواس بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گئے تھے۔

شیبان نے مایوس کن آواز میں کہا

غشی طاری ہو گئی ہے۔

اریطہ الفی کے خواب و خیال میں کھو گئی تھی۔ تصور ہی تصور میں اس نے عمیر کو ان فدائین سے لڑتے دیکھا جو اسے اغوا کر کے لے گئے تھے پھر خیالات کے دریچے کھلتے گئے۔ وہ عمیر کو قلعے میں لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو اس کی بیوی کے روپ میں دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے عمیر کو زرہ اور خود پہنا رہی تھی۔ اس کے تصور نے اسے عمیر کی

کئی تصویریں دکھائیں وہ اسے یروشلم اور موصل میں لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا عمیر اپنے لشکر کے ساتھ نیل کے ڈیلٹا کے کنارے فرانسیسی فوج کے جہازوں کو آگ لگا کر دمیاط کو فتح کرتا ہوا منصورہ کی فصیلوں تلے فرانس کے بادشاہ لوئی سے جنگ کر رہا تھا پھر اس نے اپنے شوہر کو دیکھا وہ پرچم لہراتا اور تکبیریں بلند کرتا ہوا ہلاکو پر جان لیوا حملے کر رہا تھا اس نے دیکھا ہلاکو خون میں نہا کر زمین بوس ہو گیا تھا اور اس سے عمیر کا پورا جسم خون آلود تھا ——— چونک کر اریطہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ خیالات کی دنیا سے نکل آئی تھی۔

اس نے دیکھا عمیر بڑی مشکل سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں نیم وا کیں اشارے سے اریطہ اور مریانہ کو اپنے قریب آنے کو کہا۔ دونوں اس کے اور قریب ہو گئیں۔ عمیر نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے دونوں کے ہاتھ تھام لئے پھر اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی میں ——— میں ———

مریانہ نے اسے لپٹتے ہوئے دھاڑیں مارتے ہوئے کہا

میرے آقا! اپنی سانسیں نہ اکھڑنے دیجئے گا ——— اپنی سانسوں پر قابو رکھئے

میرے آقا! نہیں تو میں مر جاؤں گی ——— آپ کی مریانہ مر جائے گی ——— میں آپ کا غم برداشت نہ کر سکوں گی۔

کچھ کہنے کے بجائے عمیر نے کلمہ طیبہ پڑھا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ شیبان نے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر دم توڑ چکا تھا ——— اس کے خون کا طویل سفر ختم ہو گیا تھا اور رات کی تاریکی میں وہ زندگی کی مصاف ہار گیا تھا۔

شیبان نے سسکتے ہوئے کہا

آقا ہم سے روٹھ گئے ہیں

مریانہ، اریطہ اور مفیشہ عمیر سے لپٹ کر دھاریں مار مار کر رو رہے تھے رکن الدین نے عمیر کی لاش پر سفید چادر ڈال دی تھی۔ ابو نواس تھوڑی دیر دم بخود سا کھڑا رہا پھر وہ دیو پیکر انسان اس پہاڑ کی طرح زمین پر گر گیا جس کے نیچے سے اس کی بنیاد کھینچ لی گئی ہو ابو نواس تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر سستاتا رہا۔ پھر وہ خیمے سے باہر آیا اور اس طرف منہ کر کے جہاں موت کے مسافروں کا لشکر خیمہ زن تھا اس نے اپنی روتی اور بین کرتی ہوئی آواز میں کہا

میرے آفاق گیر ساتھیو! آج ہم یتیم ہو گئے ہیں۔ آقا ہمیشہ کے لئے ہم سے روٹھ چکے ہیں ——— جواب میں موت کے مسافروں کی طرف سے رونے اور واویلا کرنے کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ ابو نواس پھر خیمے کے اندر آ کر بیٹھ گئے۔

خیمے کے اندر عمیر کی لاش کے پاس مریانہ، اریطہ، مغیشہ، رکن الدین، ابو نواس اور شیبان آنسوؤں سے اپنے دامن بھگو رہے تھے۔ رات طویل ہوتی جا رہی تھی۔ شمال کی طرف سے چلنے والی جاڑے کی ٹھٹھرتی تیز ہواؤں میں خیمے پھڑ پھڑا رہے تھے اور ان کی طنابیں لہرائے لے رہی تھیں۔

ایکدم ابو نواس چونک پڑا جیسے اس کے کانوں میں آواز پڑی ہو۔ جلد ہی اس کی کیفیت ختم ہو گئی کیونکہ اس کی سماعت سے ایک دردناک آواز ٹکرائی تھی۔ رکن الدین شیبان بھی اس آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ موت کے مسافروں میں سے کوئی سپاہی بربط کی لے پر بڑی سریلی دھن میں گا رہا تھا۔ اس کی آواز میں سوز اور کرب تھا جیسے وہ گانے کیساتھ ساتھ رو بھی رہا ہو۔ لمحہ بہ لمحہ آواز بلند ہو رہی تھی وہ عربی میں گا رہا تھا جس کا مفہوم کچھ ایسا تھا۔

"وہ جو بھٹکے قافلوں کا ناخدا تھا، جو قضا بن کر دشمن کا تعاقب کیا کرتا تھا۔ وہ جو اغیار کے لئے تباہ کن آندھی، بجلی و رعد اور اپنوں کے لئے رحم و محبت کا پیکر اور طائر فردوس تھا۔ آج ہم سے روٹھ گیا ہے۔

تو ایک مصلحت اندیش بھائی، ہماری آنکھوں کا تارا اور قوم کے افق پر نور کا ایک دھارا تھا تو ہمارے لئے ایک مضبوط برج، ایک ایسی چٹان تھا جس پہ ہماری رہنمائی کے لئے ہر وقت آگ کا الاؤ روشن رہتا تھا تو ہمیشہ اپنی اونگھتی ہوئی قوم کے افراد کو جگاتا رہا تیری انفرادی شجاعت ہمارے لئے آخری تلوار تھی تو ہمارے دشمنوں کو جانوروں کی طرح ہنکا کر ان کا شکار کرتا تھا۔

آہ! جو ہمارے دشمنوں کے لئے لرزہ براندام قضا عنقریب زمین کی سرد پاتال میں اتر کر اس دنیا والوں کے لئے نادیدہ و شنیدہ ہو جائے گا۔ اے جنگ میں تیزی سے کاوا کاٹنے والے قوم کے گمنام مجاہد تیرے بعد ہماری امیدیں سو جائیں گی، ستاروں کی روشنی، دریاؤں کی روانی پھولوں کی مہک، آبشاروں کے ترنم اور ابدیت کی حسین گہرائی میں ہمارے لئے کوئی دلچسپی نہ ہے گی۔ تمہاری رفاقت میں ہم نے موت و حیات کا راز جانا۔ کاش قضا و قدر پر ہمارا قابو

ہوتا تو ہم تیری تقدیر کے نوشتہ کو بدل دیتے۔

جبکہ ہم جانتے ہیں اس دنیا میں کسی کو ثبات نہیں پھر بھی اے بہادر باپ کے شیر دل فرزند! تیری موت ہمارے لئے سوختہ جان ہے۔ اے ہمارے سالار! تو ہمارے آگے شہباز کی طرح پرواز کیا کرتا تھا تو پہاڑی ندیوں کا ایک مضبوط پتھر تھا جسے زمانے کی اذیت کوشی نے توڑ دیا۔ کاش تیرے ہمارے رشتے کی زنجیریں نہ ٹوٹتیں۔

گانے والا سپاہی تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہا۔ شاید رو رہا تھا۔ دوبارہ اسکی آواز سنائی دی جو سراپا التجا تھی اور تار تار ہو جانے والے دامن کی طرح اپنے اندر بے کسی اور بے بسی کا سماں رکھتی تھی۔

میرے ساتھیو! جس نے بیابانوں کے وحشیوں کو مار بھگایا اور دشمن کے ساتھ طوفانی شدت کی طرح طویل اور صبر آزما جنگ کرتا رہا اب ہم میں نہیں رہا۔ آہ اس کے جانے سے ہمارے چراغوں میں تیل ختم ہو گیا ہے! اے سنسناتے تیروں میں مسکرانے والے۔ ہم تمہیں آنسوؤں بھرا سلام کہتے ہیں۔ کاش تیری روح ہمارے درمیان رہے اور اس کی برکت سے ہم اپنے دشمنوں کو اس طرح روکتے رہیں جس طرح اونٹوں کے ساربان صحرا کے اندر اونٹوں کے قافلوں کو نکیلیں کھینچ کر روک لیتے ہیں"۔

گانے والا سپاہی خاموش ہو گیا اور اس کی ہچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ فضاؤں میں چاروں طرف اداسیاں بکھر گئی تھیں اور خیمے کے اندر اریطہ اور مغیث کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

رکن الدین، ابونواس اور شیبان اٹھ کر خیمے سے باہر آئے۔ انہوں نے دونوں لشکروں کو کوچ کا حکم دیا اور جس بگھی کے اندر اریطہ آئی تھی اس بگھی کے اندر پہلے اویم یمنی بچھایا گیا پھر اس کے اندر عمیر کی لاش رکھنے کے انتظامات کرنے لگے۔

سپاہیوں نے آن کی آن میں خیمے اکھاڑ کر تہ کر دیئے تھے۔ ابونواس خیمے کے اندر آیا اور اریطہ سے کہا

اریطہ! اریطہ! اب سنبھلو۔ مریانہ اور مغیث کو ساتھ لے کر بگھی میں بیٹھو۔ لشکر کوچ کے لئے تیار ہے۔ میں لاش کو بگھی میں رکھتا ہوں۔

اریطہ نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ کر روتی رہی۔ ابونواس پھر بولا۔

اریطہ! میری بہن! اٹھ جاؤ۔ تمہارا بھائی تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہے۔ اٹھو لشکر انتظار کر رہا ہے۔ اریطہ آنسو پونچھتی ہوئی روتے ہوئے مغیث کا بازو پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور بڑی بے بسی سے ابونواس کو دیکھنے لگی۔

ابونواس اس کی خستگی نہ دیکھ سکا اور منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے کہا۔

مریانہ کو بھی اٹھالو۔

اریطہ مریانہ کی طرف بڑھی۔ مریانہ کو اس کے دونوں شانوں سے پکڑ کر جب اس نے اٹھانا چاہا تو وہ پر کٹے پنچھی کی طرح پھڑپھڑا کر چیخ مارتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ مریانہ مردہ تھی۔ خبر نہیں وہ عمیر کی ٹانگوں سے لپٹ کر روتی ہوئی کب کی مر چکی تھی۔ اریطہ نے جب اسے اٹھانا چاہا تو اس کا جسم عمیر کے اوپر ڈھلک گیا تھا۔

اریطہ مغیث کا ہاتھ پکڑے سر جھکا کر روتی ہوئی بگھی میں جا کر بیٹھ گئی۔ عمیر اور مریانہ کی لاشیں بھی بگھی میں رکھ دی گئیں اور سپاہیوں نے فوراً عمیر کا خیمہ اکھاڑ کر تہہ کر کے رکھ دیا۔

لشکر نے کوچ کیا۔ اس حالت میں کہ سب سے آگے آگے بگھی تھی جس میں عمیر اور مریانہ کی لاشیں تھیں۔ اریطہ اور مغیث بگھی میں بیٹھے رو رہے تھے اور ابونواس بگھی کے گھوڑے ہانک رہا تھا۔ بگھی کے پیچھے اپنے گھوڑوں پر سوار رکن الدین اور شیبان تھے۔ ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے دونوں لشکر تھے۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ فضاؤں میں خاموش صحرا کا سا سکوت تھا۔ بے چاند رات میں آسمان پر ستاروں کے کاروان اپنی خونبار منزلوں کو بھاگے جا رہے تھے۔ شمال کی طرف چلنے والی سرد اور کالی آندھیوں کے جھکڑ اطلی کے خاکستری اور آسیب نما درختوں پر چیخ چلا رہے تھے بے برگ و ثمر، گلنستر اور کیسو کے تنگ و ژولیدہ درخت اداس کھڑے تھے۔ فضا میں اریطہ اور مغیث کی ہچکیاں بلند ہو رہی تھیں اور دو گھوڑوں کی بگھی کھڑکھڑاتی ہوئی دریائے یرون کی طرف بھاگ رہی تھی۔

اسلم راہی۔ ایم اے
۴۲ حیدر بلڈنگ۔ موہنی روڈ لاہور